خواتینِ اسلام
کے
ایمان افروز واقعات
حافظ مؤمن خان عثمانی
www.besturdubooks.net
مکتبۃ الحسن

خواتین اسلام

کے

ایمان افروز واقعات

حافظ مؤمن خان عثمانی

فاضل وفاق المدارس العربیہ وجامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظم کٹھائی اوگی (مانسہرہ)

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور

042-7241355, 0300-4339699

نام کتاب .... خواتین اسلام کے ایمان افروز واقعات

مولف .... حافظ مومن خان عثمانی

ناشر .... مکتبہ الحسن

مطبع .... ایم اے پرنٹرز

اشاعت اول .... شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بمطابق ستمبر 2010ء

اہتمام

مولوی عبدالقدیر حسنی

ناظم

مکتبہ الحسن لاہور

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر

انتساب

والدہ ماجدہ کے نام جن کی دُعائیں میرے لئے سرمایۂ حیات ہیں

حرفِ اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم......

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم......

اسلام سے قبول خواتین کو دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا اور نہ ہی اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت تھی۔ عرب عورت کو اپنی جائیداد کا حصہ سمجھتے تھے، باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیویوں کو وراثت کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور ان سے شادی کی جاتی تھی۔ خاوند کے انتقال کے ساتھ ہی عورت بھی مالِ وراثت بن جاتی تھی۔ ہندوستان اور عرب میں لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کی سب سے بڑی سلطنت رومۃ الکبریٰ میں عورتوں کی حالت لونڈیوں سے بدتر تھی، اس سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا، معمولی باتوں پر عورتوں کو ذبح کیا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں عورت گناہ کی اصل اور شر کی ماں ہے۔ عورت، مرد کے لئے جہنم کا راستہ ہے، ساری برائیاں اور فواحش اسی عورت کی مرہون منت ہیں۔ عورت شیطان کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے، دنیا پر ہر مصیبت اور لعنت نازل کرانے والی یہی عورت ہے۔

رومۃ الکبریٰ کا مشہور مذہبی رہنما ''تدلیس جرنا'' اپنے ایک خطبے میں کہتا ہے۔ عورت امن کی دشمن ہے اور اس بچھو کی مانند ہے جو ہر وقت نیش زنی کے لئے تیار رہتا ہے۔ تم اس کے ساتھ کتنی ہی محبت کر لو لیکن وہ اپنی فطری شرارتوں سے باز نہیں آسکتی۔ یوحنا کا قول ہے کہ عورت دنیا کے تمام خطرناک درندوں سے زیادہ خطرناک درندہ ہے۔ میں اپنے مشاہدات کی بناء پر کہتا ہوں کہ شیر کے حملوں سے جتنے آدمی مرتے ہیں اور سانپ کے کاٹنے سے جتنے ہلاک ہوتے ہیں، ان بچھوؤں کی نیش زنی سے جتنے بے قرار ہوتے ہیں ان کی تعداد کم ہے اور ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو عورت کے مکر و فریب اور اس کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ پس ہم جتنی نفرت شیر اور بچھو سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ عورت سے کرنی چاہئے کیونکہ وہ سب سے خطرناک ہے اور سب سے زیادہ ایذا پہنچاتی ہے۔ عیسائی کلیسا کی

ایک مجلس ۵۸۲ء میں مشہور عیسائی رہنما ''ماکون'' کی زیر سرپرستی منعقد ہوئی جس میں متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ عورت نجات پانے والی روح سے خالی ہے اور وہ روح نہیں رکھتی۔

یہودیوں کی نگاہ میں ہر عورت شیطان کی سواری اور وہ بچھو ہے جو ضروری طور پر ہر انسان کو ڈنگ مارنے کی فکر میں رہتا ہے۔ یہودیوں کی مستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ معصیت اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی لہٰذا اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم، شوہر اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی مملوکہ۔

قدیم یونانی تہذیب میں عورت کا مقام اتنا گرا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت بچہ پالنے والے غلام کی ہوگئی تھی۔ عورتوں کو ان کے گھروں میں قید کر دیا جاتا تھا، وہ تعلیم سے محروم تھیں۔ رومیو کا عقیدہ تھا کہ عورت ایک بے جان قالب ہے جس کی وجہ سے وہ اُخروی زندگی میں کوئی حصہ نہیں پائے گی، وہ ناپاک ہے۔

قدیم بابلیوں کے عہد حکومت میں عورتیں روپوش رہتی تھیں اور باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ ضرورت کے وقت اپنی لڑکیوں کو فروخت کر دے۔ قدیم ایرانی تہذیب میں عورت کے استحصال اور جبر استبداد کا عام رواج تھا چنانچہ پانچویں صدی عیسوی میں نزدجرد دوم نے اپنی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا اور پھر قتل کر ڈالا۔ اسی پانچویں صدی عیسوی میں مزدک کا نظریہ سامنے آیا۔ اس کا کہنا تھا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوتے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے لہٰذا رنگ اور پانی کی طرح ہر عورت دوسرے کے لئے حلال ہے۔

ہندوؤں کے ایک قانون کے تحت تقدیر، طوفان، موت، زہر، زہریلے سانپ بھی اس قدر برے اور خراب نہیں جتنی کہ عورت ہے۔ ہندو نظریات کے مطابق عورت کبھی آزاد نہیں ہوسکتی، وہ میراث نہیں پاسکتی۔ شوہر کی وفات کے بعد اسے اپنے سب سے بڑے بیٹے کے ماتحت زندگی گزارنی ہوگی۔ وہ کسی معاملہ میں خود مختار نہیں۔ معاشی حالات میں اس کی حق تلفی سے زیادہ سخت امر یہ تھا کہ شوہر کے مرنے کے ساتھ ہی مر جانا اور اس کی ''چتا'' پر ''ستی'' ہو جانا ضروری تھا۔ اگر شوہر بدچلن، اوصاف حمیدہ سے خالی اور عیاش ہو تب بھی بیوی کو چاہئے کہ دیوتا کی طرح اس کی پرستش کرے۔ جو بیوی شوہر کے فرائض کو پورا نہ کرے وہ مرنے کے بعد رسوا ہوگی اور گیدڑ کے پیٹ میں جنم لے گی۔ حیض والی عورت کا پکایا ہوا یا چھوا ہوا کھانا نہ کھایا

جائے۔ عورت کے لئے قربانی جائز ہے نہ برت (روزہ)، صرف شوہر کی اطاعت کافی ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد اس پر لازم ہے کہ کسی صورت دوسری شادی نہ کرے، تمام عمر بیوہ رہے اور بہت کم غذا پر اپنی زندگی گزارے۔ اعلیٰ خاندان کی لڑکی خواہ بدصورت ہو اس سے شادی کر لو اور ادنیٰ خاندان کی حسین تر لڑکی ٹھکرا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کا فرمان ہے، عورتوں سے میل جول مت رکھو، عورت مرد کے لئے خطرناک ہے اس کی طرف دیکھنا بھی پرہیز گاری کے خلاف ہے۔ عورت مجسم فریب ہے، وہ اپنی عیاریوں سے مردوں کے ایمان کو خراب کرنا چاہتی ہے۔ تم سے جہاں تک ہو سکے اس کی شرارتوں سے بچو۔

یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی عورت کی مظلومیت کا یہ عالم ہے کہ ۳۵ برس سے زائد عمر کی عورتیں شدید ڈپریشن میں مبتلا ہیں کہ ان کے خاوند اور بوائے فرینڈز ان سے قطع تعلق کر کے نوجوان لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں۔ چنانچہ شدید ذہنی صدمات کے نتیجے میں امریکہ میں کم از کم ستر ہزار عورتیں ہر سال حرکت قلب بند ہو جانے سے یا دماغ کی رگ پھٹ جانے سے یکا یک مر جاتی ہیں۔ بوڑھی عورتوں کی حالت سب سے بدتر ہے۔ وہ ترستی رہتی ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کی رفاقت میں زندگی کے دن پورے کریں اور وہ ان کی منت سماجت بھی کرتی ہیں کہ انہیں گھر کی ڈیوڑی پر یا کسی برآمدے میں بستر لگانے کی اجازت دے دیں تا کہ وہ اپنے پوتوں، پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں سے دل بہلا سکیں مگر ان بے چاروں کی شنوائی نہیں ہوتی اور وہ ''اولڈ ایج ہومز'' میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں دم توڑ جاتی ہیں۔

ان تمام ادیان باطلہ کے مقابلہ میں اسلام نے ببانگ دہل اعلان کیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ......

''اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا دستور کے موافق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔''

ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں ہماری بیویوں کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ جو خود کھاتے ہو اسی میں سے ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو اسی میں سے ان کو پہناؤ۔ نہ ان کو مارو اور نہ ان کی برائی کرو۔ (ابوداؤد)

یہی وجہ ہے کہ آج یورپ اور مغرب میں مردوں کی نسبت خواتین زیادہ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب خواتین کے استحصال کے جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو خواتین کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام میں خواتین نے ابتداء ہی سے روشن کردار ادا کیا ہے اور تاریخ کے اوراق پر اپنے انمٹ نقش چھوڑے ہیں۔ اسلام نے خواتین کو نہ صرف جینے کا حق دیا بلکہ ہر میدان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی دیا اور انہیں ایسے مواقع فراہم کیے کہ وہ اپنے نسوانی تقاضوں کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے اندر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر اعلیٰ سے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں جس کے نتیجے میں خواتین اسلام نے ایسے عظیم کارنامے انجام دیئے جس پر آج بھی اُمت مسلمہ فخر کر رہی ہے۔

ان عظیم خواتین کے ایمانی جوش سے بھرے ہوئے چند واقعات بندہ نے جمع کیے ہیں جن کو پڑھ کر ایمانی حرارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس پرفتن دور میں مسلمان خواتین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اسلاف کے درخشندہ تاریخی کردار کی پیروی کرتے ہوئے اپنے آپ کو فتنوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نوجوان نسل کو مغرب کی مادر پدر آزادی سے محفوظ رکھ کر اسلامی تعلیمات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَصَلَّى اللّٰه علی النَّبِی الامی وعلی اٰلہٖ واصحابہٖ وسلَّم تسلیماً کثیراً کثیراً......

حافظ مؤمن خان عثمانی

فاضل وفاق المدارس العربیہ وجامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
خطیب مرکزی جامع مسجد فاروق اعظمؓ کٹھائی تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ

۱۰ مئی ۲۰۱۰ء ۲۵ جمادی الاوّل ۱۴۳۱ھ

۰۳۴۵-۹۴۸۵۸۴۵

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی سعادت

حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے رضاعت کی خبر اپنے سحر کن بیان کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی ہے۔ میں قبیلہ سعد کی دس عورتوں کے ساتھ نکلی، وہ بھی بچوں کی طلب میں چلی تھیں۔ وہ سال قحط والا بالکل خشک، بے آب و گیاہ تھا، میرے نیچے سفید خچر بالکل لاغر کمزور تھا، ہمارے ساتھ ایک اونٹنی بڑی عمر والی تھی، اللہ کی قسم! ایک قطرہ دودھ بھی نہیں دیتی تھی اور ہم اس بچہ کی بھوک کی وجہ سے بالکل سو نہ سکتے تھے جو ہمارے ساتھ تھا۔ (شاید یہ عبداللہ تھا)۔ نہ ہی میرے پستان میں اتنا کچھ ہوتا جو اس کو سیر کر سکتا اور نہ ہی ہماری بوڑھی اونٹنی میں کچھ تھا جو اس کی غذا بن سکتی لیکن ہمیں بارش اور کشادگی کی امید تھی، اسی حالت میں ہم مکہ شریف پہنچ گئے۔ ایسی کوئی عورت نہ تھی جس کو آپؐ پیش نہ کئے گئے ہوں مگر ہر ایک یہ سن کر کہ یہ یتیم ہے، پرورش سے انکار کر دیتی کیونکہ باپ ہی سے مال ملنے کی امید ہوتی ہے اور وہ آپؐ کی پیدائش سے پہلے وفات کر گئے تھے۔ ان کی والدہ اور دادا سے شاید عورتوں کو کچھ امید نہ تھی۔ اس طرح سب یتیم کہہ کر انکار کر دیتیں اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتیں۔ یہاں تک کہ میرے ساتھ ایک عورت رہ گئی مگر اس کو بھی پرورش کے لئے بچہ مل گیا۔ میں تنہا رہ گئی۔ جب قافلے نے واپس چلنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا، خدا کی قسم! مجھے یہ بات سخت ناگوار ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ خالی ہاتھ لوٹوں۔ اللہ کی قسم! میں اس یتیم بچہ کے پاس جاؤں گی اور اسی کو لاؤں گی۔ لہٰذا میں گئی اور اس کو لے لیا۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے، حلیمہؓ نے فرمایا کہ عبدالمطلب میرے سامنے آئے اور دریافت فرمایا، تو کون ہے؟ میں نے کہا، بنی سعد قبیلہ کی ایک عورت ہوں۔ میں نے کہا، حلیمہ۔ تو عبدالمطلب مسکرانے لگے اور کہا، واہ واہ! یہ قبیلہ سعادت مند اور بردبار متحمل مزاج ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ان میں زمانے میں سب سے بہتر ہیں اور یہ ہمیشہ سے باعزت ہیں۔ اس کے بعد وہ مجھے حضرت آمنہ سرور کائنات ﷺ کی والدہ مبارکہ کے پاس لے گئے، وہ بچہ میں نے ان سے گود لے لیا۔ بے شک خزانوں میں سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے بہت بڑا خزانہ حاصل کیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہؓ جب آپؐ کے پاس آئیں تو ساتھ میں عبدالمطلب بھی تھے تو عبدالمطلب نے غیبی آواز سے مندرجہ ذیل اشعار سنے:

ان ابـن امـنـة الامیـن مـحـمـداً

''بے شک آمنہ کا بیٹا امانتدار محمد ﷺ مخلوق میں سب سے بہتر۔''

خیـر الانـام وخیـرۃ الاخیـار

''اور بہترین لوگوں میں سب سے بہتر ہیں۔''

مـا ان لـه غیـر الحلیمة مرضع

''ان کے لئے حلیمہ کے سوا کوئی (آیا) دود پلانے والی نہیں ہو سکتی۔''

نـعـم الامینة هـی عـلـی الاسـرار

''اور وہ بہترین رازوں پر امانت دار ہیں۔''

مـامـونة مـن كـل عیـب فـاحـش

''اور وہ ہر عیب سے اور فحش سے پاک و محفوظ ہیں۔''

ونـقیة الا ثـواب والا وزار

''پاک دامن اور گناہوں سے پاکیزہ ہیں۔''

لا تسلمنـه الـی مـن سـواهـا انـه

''اور تم اس (آپؐ) کو اس کے سوا کسی کے سپرد نہ کرو۔''

امـر و حـكـم جـاء مـن جبـار

''اور یہ حکم و فرمان ہے جو جبار خداوند کی جانب سے آیا ہے۔''

(تاریخ طبری ۱/۴۵۴، تاریخ اسلام ذہبی ۱/۴۵)

نبوی برکات

جب سے حضرت حلیمہؓ نے سرورِ کائنات ﷺ کو گود لیا، برکتیں حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر پر موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگیں۔ جیسے ہی آپؐ کو گود میں اٹھایا اور اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو حضرت حلیمہؓ کے پستان دودھ سے خوب بھر گئے، جتنا بھی چاہا دودھ پلایا،

آپؐ نے خوب سیر ہوکر نوش فرمایا۔ پھر حلیمہؓ نے اپنے دوسرے بچہ کو اٹھایا (عبداللہ بن حارث) ان کو بھی خوب سیری سے دودھ پلایا، پھر دونوں لال سو گئے۔ بہر حال حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر پہلے بڑی شدت وبھوک و پیاس میں تھے۔ کھانا میسر نہ ہوتا تھا، اونٹنی بالکل بوڑھی تھی، کچھ بھی دودھ نہ تھا۔ لیکن اچانک تمام مصیبتیں ختم ہوگئیں، اسی وقت حالات تبدیل ہوگئے۔ اس صورت کو حضرت حلیمہؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ:

''میرے شوہر تھکے ہوئے اونٹنی کے پاس آئے تو اس کے تھن تھلاتھل بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے دودھ دھویا، جتنا بھی چاہا دودھ نکلتا رہا۔ پھر ہم دونوں نے خوب سیر ہوکر پیا اور بڑی خیر وبرکت کے ساتھ رات بسر کی۔ جب صبح طلوع ہوئی تو میرے شوہر نے کہا، اے حلیمہ! کیا تو جانتی ہے؟ خدا کی قسم! تو بڑی خیر و برکت والی چیز لائی ہے۔ میں نے بھی کہا، اللہ کی قسم! میرا بھی یہی خیال ہے۔ پھر ایک مرتبہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ نکلی اور گدھی پر سوار ہوئی اور اپنے بچے (آپؐ) کو اپنے ساتھ اٹھالیا۔ میں نے جلدی سے اتنا سفر طے کرلیا کہ ان کی سواریاں اتنی رفتار پر قادر نہ تھیں، یہاں تک کہ میری سہیلیوں نے مجھے کہا، اے ذویبا کی بیٹی! (یہ حارث کی کنیت ہے) حلیمہ! نرمی کر ہمارے ساتھ، کیا یہ وہ سواری نہیں ہے جس پر تو نکلی تھی۔ میں نے ان کو کہا، کیوں نہیں، یہ وہی ہے خدا کی قسم۔ کہنے لگیں، اللہ کی قسم! اس کی تو نئی شان ہوگئی ہے۔'' (اسد الغابہ ۵/ ۴۲۷)

حضرت خدیجہؓ کا آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھنا

عفیف الکندی کا بیان ہے۔ عباس بن عبدالمطلب میرے دوست تھے۔ وہ یمن آتے جاتے رہتے تھے، وہاں سے عطر خریدتے اور حج کے ایام میں بیچا کرتے۔ میں اور وہ ایک دن منیٰ میں تھے تو اچانک ایک جوان عمر کا آدمی آیا اور خوب اچھی طرح وضو کے افعال سرانجام دیئے، پھر نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں ایک عورت آئی، وہ بھی وضو کرکے نماز پڑھنے لگی۔ پھر ایک کمسن نوجوان آیا اور وہ بھی ان کے قریب ہوکر نماز پڑھنے لگا۔ میں نے کہا، برباد ہوا اے عباس! یہ کیسا دین ہے؟ کہنے لگے کہ یہ محمد بن عبداللہ میرے بھتیجے کا دین ہے اور یہ دوسرا لڑکا بھی میرا بھتیجا علی ابن ابی طالب ہے اور یہ عورت محمد (ﷺ) کی بیوی خدیجہؓ ہے۔ یہ اس کے دین

کے تابع ہو چکے ہیں۔

عفیف، اس کے بعد کہ جب ان کے دل میں اسلام راسخ ہوا اور وہ اسلام لے آئے تو کہا کرتے تھے کہ کاش میں چوتھا شخص ہوتا۔

(عیون الاثر ۱/۱۱۶، مجمع الزوائد ۹/۲۲۲، سیرۃ الحلبیہ ۱/۴۳۶، طبقات ابن سعد ۸/۱۷)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام

حضرت طاہرہ خدیجہؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ملا تو وہ اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف فرما تھیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ کے پاس خدیجہؓ موجود تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خدیجہؓ کو سلام کہلوایا ہے تو حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے، جبرائیلؑ کو بھی سلام ہو اور آپؐ پر بھی سلامتی ہو، اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔

دوسری روایت میں بھی طاہرہ خدیجہؓ کو جنت کی بشارت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یارسول اللہؐ! خدیجہؓ آپؐ کے لئے ایک برتن میں کھانے پینے کے لئے کچھ لا رہی ہیں۔ جب یہ آجائیں تو آپؐ انہیں اپنے ربّ کی طرف سے سلام کہئے اور جنت میں یاقوت سے بنے گھر کی بشارت دیں جس میں کوئی شور شرابا اور تھکاوٹ نہیں ہے۔ (فضائل صحابہ للنسائی ۷۵)

حضرت خدیجہؓ کی خصوصیات

۱...... سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینے والی حضرت خدیجہؓ ہیں۔

۲...... اسلام لانے والی پہلی شخصیت ہیں۔

۳...... رسول اللہ ﷺ سے جن کی سب سے پہلی شادی ہوئی، وہ حضرت خدیجہؓ ہیں۔

۴...... سب سے پہلے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

۵...... سب سے پہلے آپ ﷺ کی اولاد انہی سے ہوئی۔

۶...... ازواج مطہرات میں سب سے پہلے جنت کی بشارت انہیں ملی۔

۷...... سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آیا۔
۸...... مؤمنات میں سے پہلی صدیقہ خاتون کا شرف انہیں حاصل ہوا۔
۹...... ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے وفات انہی کی ہوئی۔
۱۰...... یہ پہلی شخصیت ہیں جن کی قبر مبارک میں آپ ﷺ اترے۔

حضرت عائشہؓ کو جبرائیل علیہ السلام کا سلام

حضرت عائشہؓ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ بنی قریظہ میں تھیں، وہاں جبرائیل علیہ السلام نے انہیں سلام پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں اور یہ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ یا رسول اللہ! آپؐ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ (بخاری، مسلم، الدر المنثور للسیوطی ۶/۱۷۰)

تیمّم کا حکم

ہماری روحانی ماں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی برکات میں سے ایک آیت تیمّم کا نزول بھی ہے جو انہی کے سبب مسلمانوں کی آسانی کے لئے نازل ہوا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کے واسطے سے نقل کیا ہے، وہ فرماتی ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں سفر میں تھے۔ جب ہم "بیداء مقام" یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے قافلہ روک لیا۔ سب لوگ رُک گئے، وہاں پانی بھی نہیں تھا اور نہ ہی لوگوں کے پاس تھا۔ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آکر کہا، آپؓ دیکھ رہے ہیں کہ عائشہؓ نے کیا کیا ہے۔ اس نے نبی کریم ﷺ سمیت سب لوگوں کو رکوا لیا ہے، نہ یہاں پانی ہے اور نہ ہی لوگوں کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ میرے پاس آئے، آنحضرت ﷺ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت ابو بکرؓ نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا، خواب کیا کہنے تمہارے، اور انہوں نے مجھے پہلو میں کونچیں بھی ماریں مگر رسول اللہ ﷺ کے آرام

فرمانے کی وجہ سے میں ملنے سے باز رہی۔ پھر آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے۔ صبح ہوگئی اور پانی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی۔ (بخاری، تفسیر ابن کثیر ۲/۳۱)

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے رخصت نازل فرمائی تو سیّدنا ابوبکرؓ تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہوئے، خدا کی قسم! میری بیٹی تو بہت مبارک ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۲۷۲)

واقعہ افک

مدینہ میں آکر مسلمانوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ مکہ سے بالکل مختلف تھیں۔ مدینہ میں منافقوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جو ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔ انسان کے لئے سب سے بڑی چیز آبرو ہے اور اس پر حملہ بڑے کمینے دشمن کا کام ہے لیکن یہاں اسلام کو جیسے مخلص، وفاشعار اور محبت والے دوست ملے تھے، اسی قسم کے نفاق پرور، عداوت پیشہ اور غدار دشمن بھی ہاتھ آئے تھے۔ اس قسم کے غلط اور خلاف آبرو واقعات کی تشہیر اور باہمی خانہ جنگی کے اسباب کی فراہمی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اگر خدانخواستہ توفیق الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو ان کی خانہ برانداز کوششیں پہلے ہی کئی بار صحابہؓ کے درمیان تفریق بلکہ خونریزی میں کامیاب ہوچکی ہوتیں۔

ان کوششوں کی سب سے ذلیل مثال افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے کا واقعہ ہے۔ معلوم ہے کہ اس منافق گروہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ اس بناء پر حرم نبوت اور بارگاہِ خلافت کی شہزادیوں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بدنام کرنے میں ان کی ناکام کوششوں کا بڑا حصہ صرف ہوا جن کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ نجد کے قریب مریسیع نام بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا۔ شعبان ۵ھ میں مسلمان اسی چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آرا ہوئے تھے۔ چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہاں کوئی خونریز جنگ نہیں ہوگی، اس لئے منافقوں کی ایک بہت بڑی تعداد فوج میں شریک ہوگئی تھیں۔ ابن سعد کی روایت ہے:

وخرج معه بشر كثير من المنافقين لم يخرجوا في غزاة قط مثلها۔

''اس سفر میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی جو کسی اور غزوہ میں نہیں ہوئی۔''

آنحضرت ﷺ جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہراتؓ میں سے جن کے نام پر قرعہ پڑتا، وہ معیت کے شرف سے ممتاز ہوتیں۔ اسی طریقہ سے اس سفر میں حضرت عائشہؓ ہمرکابی میں تھیں، چلتے وقت اپنی بہن اسماءؓ کا ایک ہار عاریۃً پہننے کو مانگ لیا تھا، وہ ان کے گلے میں تھا۔ ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چودہ برس کی تھی۔ یہ عورت کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کے نزدیک معمولی ساز یور بھی وہ گراں قیمت سامان ہے جس کے شوق میں ہر زحمت گوارا کر لی جا سکتی ہے۔ سفر میں حضرت عائشہؓ اپنے محمل پر سوار ہوتیں، ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اور چل کھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت کم سنی اور اچھی غذا نہ ملنے کے باعث اس قدر دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار بھی ہے یا نہیں۔

سفر سے واپسی میں کئی بار منافقین نے شرارتیں کیں۔ ایک دفعہ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار تلواریں کھینچ کھینچ کر باہم کٹ مریں۔ آخر مشکل سے معاملہ رفع دفع کیا گیا۔ ان شریروں نے انصار کو سمجھایا کہ وہ اسلام کی مالی خدمت چھوڑ دیں۔ عبداللہ بن ابی جو ان کا رئیس تھا، برملا کہا:

لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الا عز منها الا ذل......

(منافقون ۱۰)

''اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو معززین ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔''

آنحضرت ﷺ نے انصار کو جمع کر کے اس واقعہ کی اطلاع دی تو گو وہ اس جرم میں شریک نہ تھے تاہم ان کو ندامت ہوئی اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے ایک عام نفرت پیدا ہو گئی۔ خود اس کے بیٹے نے جب یہ سنا تو باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا، جب تک تم یہ اقرار نہ کر لو کہ ذلیل تم ہو اور معزز محمد ﷺ ہیں، میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔

ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا۔ پچھلے پہر وہ پھر روانگی کو تیار تھا، حضرت عائشہؓ

قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں، فارغ ہوکر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا۔ دیکھا تو ہار نہ تھا۔ ایک تو کم سنی اور پھر مانگے کی چیز، گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں۔ سفر کی ناتجربہ کاری کی بنا پر نہ کسی کو واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ ساربان حسب دستور محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کی تلاش میں ہار مل گیا۔ ادھر قافلہ چل چکا تھا، پڑاؤ پر آئیں تو یہاں سناٹا تھا۔ مجبوراً چادر اوڑھ کر وہیں پڑی رہیں کہ جب لوگ محمل میں نہ پائیں گے تو خود لینے آئیں گے۔

صفوانؓ بن معطل ایک صحابی تھے جو ساقہ (ریئر گارڈ) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے سواد نظر آیا، حکم حجات سے پہلے جو اسی سال نازل ہو چکا تھا، انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تھا، دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پاس آکر انا للہ پڑھا، آواز سن کر حضرت عائشہؓ سوتے سے چونک پڑیں۔ صفوانؓ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کر کے اگلی منزل کا راستہ لیا۔ قافلہ نے دوپہر کے وقت پڑاؤ کیا ہی تھا کہ محمل سامنے نظر آیا۔ صفوانؓ کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی اور حضرت عائشہؓ محمل میں سوار تھیں۔ یہ نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے۔

ہندوؤں میں سیتا اور بنو اسرائیل میں مریمؑ پر جو کچھ گزری، اسلام میں اسی کا اعادہ ہوا۔ عبداللہ بن ابی نے کہ جس کا زخم ابھی تازہ تھا، یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب وہ پاکدامن نہیں رہیں، جابجا اس چیز کو پھیلانا شروع کیا۔ نیک دل مسلمانوں نے اس آواز کو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ...... **سبحان اللہ هذا بهتان عظیم**...... حضرت ابوایوبؓ نے اپنی بیوی سے کہا، امّ ایوب! اگر تم سے یہ کوئی کہتا تو کیا تم مان لیتیں؟ بولیں، استغفر اللہ! کسی شریف کا بھی یہ کردار ہے۔ حضرت ابوایوبؓ نے کہا، تو عائشہؓ تم سے کہیں زیادہ شریف ہیں، کیا ان سے ایسا ہوسکتا ہے؟ عبداللہ بن ابی کے علاوہ مدینہ میں تین اور آدمی بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئے۔ حسانؓ بن ثابت، حمنہ بنت جحش اور مسطحؓ بن اثاثہ۔ حالانکہ ان میں سے دو اوّل الذکر اس سفر میں شریک تک نہ تھے۔ حضرت احسانؓ کو معاذ اللہ! واقعہ کی صحت سے بحث نہ تھی، ان کو صفوانؓ کی بدنامی پر مسرت تھی۔ ان کو ملال تھا کہ بیرونی لوگ ہمارے گھر آکر ہم سے زیادہ معزز

کیوں بن گئے چنانچہ ایک قصیدہ میں انہوں نے اس کلام کیا ہے:

امسی الجلابیب قد عزوا وقد کثروا
ان الفریعۃ امسی بیضۃ البلد

"اس قدر معزز ہو گئے اور اتنے بڑھ گئے اور فریعہ کا بیٹا (حسان) اتنا ذلیل ہو گیا۔"

حمنہ ام المومنین حضرت زینبؓ بن جحشؓ کی بہن تھیں، وہ سمجھیں کہ اس طرح حضرت عائشہؓ کو زک دے کر اپنی بہن کو بڑھنے کا موقع ولائیں گی۔ مسطح سے البتہ تعجب ہے کہ اوّل تو حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز تھے، پھر ان ہی کا دست فیض ان کی قوت کا سامان تھا۔

دنیا میں عزت سے زیادہ کوئی چیز نازک نہیں۔ یہ وہ شیشہ ہے جو پتھر پھینکنے سے نہیں بلکہ پتھر پھینکنے کے ارادے سے بھی چور چور ہو جاتا ہے۔ غلط سے غلط بات بھی جب کسی آبرودان اور نیک آدمی کی نسبت کوئی شریر کہہ بیٹھتا ہے تو وہ یا شرم سے پانی پانی یا غصہ سے آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔ اب تک ناصرہ اسلام کی مریم ان واقعات سے بے خبر تھی۔ اتفاقاً ایک شب مسطح کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ مسطح کی ماں کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی، انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ ہائیں تم ایک صحابیؓ کو گالی دیتی ہو۔ مسطح کی ماں نے واقعہ بیان کیا۔ سننے کے ساتھ ہی ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہتی ہیں کہ بدحواسی میں اپنی ضرورت بھول گئی اور یوں ہی لوٹ آئی۔ تاہم ان کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں آیا، سیدھی میکہ آئیں، ماں سے پوچھا تو انہوں نے تسکین دی۔ اتنے میں ایک انصاریہ آ گئی، اس نے پوری داستان دہرائی۔ اب شک کا کیا موقع تھا۔ سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ والدین نے سنبھالا اور سمجھا بجھا کر گھر رخصت کیا۔ یہاں پہنچ کر شدت کا بخار اور لرزہ آیا۔ اس حالت میں انسان کو طرح طرح کا خیال آتا ہے اور ذرا ذرا سی بات سے بدگمان ہوتا ہے۔ آپؐ باہر سے تشریف لاتے اور کھڑے کھڑے پوچھ لیتے کہ اب ان کا کیا حال ہے؟ حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ بیماری میں اگلا سا التفات میرے حال پر نہیں، اس بناء پر اجازت لے کر وہ پھر میکہ چلی آئیں۔ دن رات آنکھوں سے آنسو جاری رہتے، کہتی ہیں کہ نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ آنکھوں میں نیند کا سرمہ لگتا تھا۔ باپ لطف و محبت سے سمجھاتے تھے کہ

روتے روتے تمہارا کلیجہ نہ پھٹ جائے، ماں دلاسا دیتی تھی کہ بیٹی! جو بیوی اپنے شوہر کو چہیتی ہوتی ہے اس کو اس قسم کے صدمے اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ ایک بار غیرت سے ارادہ کیا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دیں۔

صفوانؓ کو حضرت حسانؓ کی اس ہجو گوئی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم! اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ سے تلوار ہاتھ میں لے کر حضرت حسانؓ کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا:

تلقّ ذباب السیف منی فاننی
غلام اذا هو جیت لست بشاعر

''لو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں جب میری ہجو میں میں شاعر نہیں''

وہ پکڑ کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر کیئے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں حضرت حسانؓ کی جائیداد عنایت فرمائی۔

گو اُمّ المومنین کی بے گناہی مسلم تھی تاہم شریروں کے منہ بند کرنے کے لئے تحقیق ضروری تھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت اُسامہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت اُسامہؓ نے تسکین دی اور حضرت عائشہؓ کی برأت کی۔ حضرت علیؓ نے کہا، دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں۔ (یعنی اگر لوگوں کی کہنے کی پرواہ ہو تو طلاق دے دیجئے) اور خادمہ سے پوچھ لیجئے وہ سچ سچ بتا دے گی۔ اس سے کنایۃً پوچھا تو واقعہ اتنا مستبعد تھا کہ سمجھ نہ سکی، وہ عام خانہ داری کے متعلق ان کی حالت کا استفسار سمجھی، بولی کہ اور تو کوئی برائی نہیں ہاں بچپن ہے، سوتی ہیں تو بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ آخر صاف لفظوں میں اس سے سوال کیا گیا۔ اس نے کہا، سبحان اللہ! خدا کی قسم! جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے، اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کو مارا بھی، حضرت علیؓ کے اس تشدد سے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہؓ کو اس سے آزردگی ہوئی ہوگی۔ بنواُمیہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حضرت علیؓ پر جو الزامات قائم کیئے تھے، ان میں ایک یہ بھی تھا لیکن امام زہری نے عین وقت پر نہایت بہادری سے اس کی تردید کی۔ سوکنوں میں حضرت زینبؓ کو حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور ان

کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک بھی تھیں۔ اس لحاظ سے آپؐ نے ان کی رائے بھی دریافت کی، انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ عائشہؓ میں بھلائی کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتی۔ اس کے بعد آپؐ نے مسجد میں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر میں حرم نبوتؐ کی پاکی وطہارت اور عبداللہ بن ابی کی خباثت کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

''مسلمانو! اس شریر کو میری طرف سے کون سزا دے گا جس کی نسبت مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل بیت پر عیب لگاتا ہے۔ قبیلہ اوس کے رئیس حضرت سعدؓ بن معاذ نے اٹھ کر کہا، میں یارسول اللہؐ! اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ابھی اس کا سر اڑا دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہے تو آپؐ حکم دیجئے ہم تعمیل ارشاد کو تیار ہیں۔ اوس وخزرج کی باہمی عداوت اور معرکہ آرائی پشت ہاپشت سے چلی آتی تھی۔ اسلام نے آ کر اس فتنہ کو دبا دیا تھا لیکن وہ آگ ابھی تک راکھ کے نیچے دبی تھی، ہلکے سے جھونکے سے بھی وہ بھڑک اٹھتی تھی۔ خزرج کے رئیس سعدؓ بن عبادہ کو یہ برا معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت جو چاہتے کہہ سکتے تھے لیکن ان کو دوسرے کے قبیلہ کے معاملے میں دخل دینے کا حق کیا تھا؟ وہ اپنے قبیلہ کی نسبت حضور میں خود عرض کرتے اور اتفاق یہ کہ شریر اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور ابھی حسانؓ کا واقعہ گزر چکا تھا اس لئے انہوں نے سعدؓ بن معاذ کو خطاب کر کے کہا، تم تو قتل نہیں کر سکتے، تم میں یہ قدرت نہیں۔ ابن معاذؓ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے برابر سے ٹوکا کہ سعد! یہ کیا منافقانہ پن ہے، منافقوں کی طرف داری کرتے ہو۔''

معاملہ نے طول پکڑا اور قریب تھا کہ دونوں قبیلے تلواریں سونت کر سامنے آ جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو چپ کیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

یہاں سے اٹھ کر آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، وہ بستر علالت پر پڑی تھیں، آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں، والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے۔ آپؐ قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہؓ سے خطاب کر کے فرمایا، عائشہ! اگر تم مجرم ہو تو

توبہ کرو، خدا قبول کرے گا ورنہ خدا خود تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا۔ والدین کو اشارہ کیا کہ آپ جواب دیں لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعتہً خشک ہو گئے، ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا۔ دل نے اپنی برأت کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا۔ پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں۔ اگر میں اقرار کرلوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا، اگر انکار کردوں تو لوگ کب باور کریں گے؟ میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ (کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آیا) کا سا ہے جنہوں نے کہا تھا......فصبر جمیل......

منافقوں نے اس فتنہ انگیزی سے جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے یعنی:

۱: (نعوذ باللہ) پیغمبر اور صدیق کے نام کی اہانت اور بدنامی۔

۲: خاندان نبوی میں تفریق۔

۳: اسلام کے برادرانہ اتحاد اور اجتماعی قوت میں رخنہ ڈالنا۔

وہ سب ایک ایک کر کے حاصل ہو چکے تھے۔

اب وہ وقت تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہوئی، بالآخر وہ گویا ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، پیشانی پر پسینے کے قطرے کے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں:

اِنَّ الَّذین جآءُ بالافك عصبةٌ مِّنكم لا تحسبوه شرالكم بل هوَا خيرلكم لكل امري منهم ما اكتسب من الاثم والَّذى تولّٰى كبرهٗ منهم لهٗ عذابٌ عظيمٌ...... لو لآ اذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بانفسهم خيراً وقالوا هذآ افك مُّبينٌ...... لو لآ جآءُ عليه باربعةً شهدآء...... فاذلم ياتوا بالشُّهدآءِ فاولٰئك عِندَ اللّٰهِ هو الكٰذبون......

ولو لآ فَضلُ اللّٰهِ عليكم ورحمته فى الدُّنيا والاٰخرة لمسكم فى مآ افضتم فيه عذابٌ عظيمٌ...... اذ تلقّونهٗ

بالسنتکم وتقولون بافواھکم مّا لیس لکم بہ علمٌ وّتحسبونہ ھیّنا وّھو عند اللّٰہ عظیمٌ...... ولو لآ اذ سمعتموہ قلتم مّا یکون لنآ ان نتکلّم بھٰذا سبحٰنک ھٰذا بھتانٌ عظیمٌ...... یعظکم اللّٰہ ان تعودوا لمثلہٖ ابداً ان کنتم مؤمنین...... ویبیّن اللّٰہ لکم الاٰیات واللّٰہ علیمٌ حکیمٌ...... انّ الّذین یحبّون ان تشیع الفاحشۃ فی الّذین اٰمنوا لھم عذابٌ الیمٌ...... فی الدّنیا والاٰخرۃ واللّٰہ یعلم وانتم لا تعلمون...... (سورۃ نور ۲۴)

''جن لوگوں نے یہ افترا باندھا ہے وہ تم ہی میں سے کچھ لوگ ہیں، تم اس کو برا نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی (کہ مؤمنین اور منافقین کی تمیز ہوگئی) ہر شخص کو حصہ کے مطابق گناہ اور جس کا اس میں بڑا حصہ تھا اس کو بڑا عذاب ہوگا، جب تم نے یہ سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنے بھائی اور بہنوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ یہ صریح تہمت ہے اور کیوں نہیں ان افترا پردازوں نے چار گواہ پیش کئے اور جب گواہ پیش نہیں کئے تو خدا کے نزدیک جھوٹے ٹھہرے، اگر خدا کی عنایت و مہربانی دین و دنیا میں تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو جو افواہ تم نے اڑائی تھی اس پر تم کو سخت عذاب پہنچتا، جب تم اپنی زبان سے اس کو پھیلا رہے تھے اور منہ سے وہ بات نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا اور تم اس کو ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بڑی بات تھی، تم نے سننے کے ساتھ یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم کو ایسی ناروا بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے خدا پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے، خدا نصیحت کرتا ہے، کہ اگر تم مؤمن ہو تو ایسی بات نہ کرو، خدا اپنے احکام بیان کرتا ہے، اور وہ دانا اور حکمت والا ہے، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برائی پھیلے، ان کے لئے دین و دنیا دونوں میں بڑی دردناک سزا ہے خدا سب

جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔''

اِنَّ الَّذین یرمون المحصنٰتِ الغٰفلٰت المؤمنٰتِ لُعِنُوا فی الدُّنیا والاٰخرۃ ولھم عذابٌ عظیمٌ...... یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون......

(سورۃ نور ۳۰)

''جو لوگ بھولی بھالی پاک دامن بیبیوں پر تہمت رکھتے ہیں وہ دنیا اور عقبٰی دونوں میں ملعون ہوں گے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا، اس دن جب خود ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں پر گواہی دیں گے۔''

ماں نے کہا، لو بیٹی! اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔ حضرت عائشہؓ نے نسوانی غرور و ناز کے ساتھ جواب دیا، میں صرف اپنے خدا کی شکر گزار ہوں، کسی اور کی ممنون نہیں۔

اس کے بعد قانون ازالہ حیثیت کے مطابق تین مجرموں کو اَسی اَسی کوڑے کی سزا دی گئی۔ (سیرت عائشہؓ ۶۵ تا ۷۳)

آنحضرتؐ کی مرض الوفات اور حضرت عائشہؓ کی خدمت گزاری

روز بروز مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مسجد میں امامت کے لئے بھی آپؐ تشریف نہ لے جا سکے، بیویاں تیمارداری میں مصروف تھیں، کچھ دُعائیں تھیں جن کو پڑھ کر آپؐ بیمار کو دم کیا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ بھی وہی دُعا پڑھ پڑھ کر آنحضرت ﷺ کو دم کیا کرتی تھیں۔

صبح کی نماز میں لوگ آپؐ کی آمد کے منتظر تھے، کئی دفعہ آپؐ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ غش آ گیا، آخر حکم دیا کہ ابو بکرؓ امامت کریں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی جگہ جو شخص کھڑا ہوگا، لوگ اس کو منحوس سمجھیں گے، اس لئے عرض کی یا رسول اللہ! ابو بکرؓ بہت رقیق القلب ہیں، ان سے یہ کام نہ بن آئے گا، وہ رو دیں گے کسی اور کو حکم ہو لیکن آپؐ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تم عرض کرو۔ انہوں نے عرض کیا تو فرمایا، تم یوسف والیاں ہوں، کہہ دو کہ ابو بکرؓ امامت کریں

چنانچہ انہوں نے امامت کی۔ آپؐ علالت سے پہلے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہؓ کے پاس رکھوا کر بھول گئے تھے، اس وقت یاد آئیں۔ فرمایا کہ عائشہؓ! وہ اشرفیاں ہیں؟ ان کو خدا کی راہ میں صرف کر دو، کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا۔ چنانچہ اسی وقت خیرات کر دی گئیں۔

اب وقت آخر تھا۔ حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں، آپؐ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ مسواک لئے اندر آئے۔ آپؐ نے مسواک کی طرف دیکھا، سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے مسواک لے کر اپنے دانت سے نرم کر کے آپؐ کو دی، آپؐ نے صحیح و تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔ حضرت عائشہؓ فخر یہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپؐ نے منہ میں لگایا۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کی تندرستی کے لئے دعائیں مانگ رہیں تھی۔ آپؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔ فوراً دست مبارک کھینچ لیا اور فرمایا:

اللّٰهم الرّفیق الاعلیٰ......

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کو سن کر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کر لی۔ تاہم وہ ابھی کم سن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ عرض کی، یارسول اللہؐ! آپؐ کو بڑی تکلیف ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ثواب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔ اب تک حضرت عائشہؓ آپؐ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ کہتی ہیں کہ دفعتہً مجھ کو آپؐ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا، آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں۔ آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگی۔ حضرت عائشہؓ کے فضائل و مناقبت کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان ہی کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی۔

(سیرت عائشہؓ ۸۶)

اِنَّا لِلّٰہِ وِاِنَّا الیه راجعون......

جنگ جمل

حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے ۷۰۰ آدمی لے کر چلے تھے، کوفہ سے سات ہزار آدمی ان

کے ساتھ ہوئے، بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔ ادھر سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آ کر میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔ مضر، مضر کے مقابل، ازد، ازد کے سامنے، یمنی، یمنی کے محاذی غرض ہر قبیلہ خود اپنے قبیلہ کا حریف بن کر اترا۔ اس سے زیادہ دردانگیز منظر یہ تھا کہ دل گو درد محبت سے بے تاب تھے، تاہم اپنے سیاسی عقیدہ کے مطابق ایک ہی ماں کے دو جگر پاروں میں ایک ادھر تھا، ایک ادھر۔ دونوں کو حق دو جگہ نظر آتا تھا اور حق طلبی کا جوش برادرانہ محبت پر غالب تھا۔

یہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں، ہر مسلمان کا دل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں، اب وہ خود دوستوں کے سر و سینہ کو زخمی کریں گی۔ حضرت زبیرؓ نے اس منظر کو دیکھا تو فرمایا، آہ مسلمان جب زور و قوت میں پہاڑ بن گئے تو خود ٹکرا کر چور چور ہو جانا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو اپنے برسر حق ہونے کا اس قدر پختہ یقین تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ایک قدم ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ کوفہ کے بعض قبیلہ کے رئیس اپنے اپنے بصری قبائل کی مسجدوں میں گئے اور ان کو اس فتنہ سے کنارہ کشی کی دعوت دی، سب نے بیک آواز کہا، کیا ہم اُمّ المومنین کو تنہا چھوڑ دیں گے۔

تاہم دونوں طرف لوگوں کو یقین تھا کہ معاملہ جنگ تک طول نہ کھینچے گا بلکہ باہمی صلح سے طے پائے گا۔ ایک قبیلہ کے رئیس نے حضرت علیؓ سے صلح کی تحریک کی، وہ کہنے سے پہلے راضی تھے۔ وہاں سے اٹھ کر وہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا۔ اس نے پوچھا، اُمّ المومنین! اس مہم سے آپؓ کی غرض کیا ہے؟ فرمایا، عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا اور اصلاح کی دعوت۔ اس نے کہا، اُمّ المومنین! غور فرمائیے کہ پانچ سو آدمیوں کی سزا کے لئے آپ نے پانچ ہزار کا خون بہایا اور پانچ ہزار کے لئے ہزاروں کا خون بہانا ہوگا، کیا یہ اصلاح ہے؟ انداز تقریر اس قدر بلیغ اور مؤثر تھا کہ کوئی جواب نہ دے سکا اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی اور سب صاحبوں نے مل کر باہم فیصلہ کیا۔

اب ہر فریق مطمئن ہو گیا، جنگ و جدل کا خیال یک قلم دلوں سے محو ہو گیا۔ صلح کے استحکام اور دیگر معاملات کے با آسانی اور بہ آشتی طے ہو جانے میں کوئی شک نہ تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا جو فاسد عنصر ادھر شامل تھا، اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح ہو گئی تو ہم

محفوظ نہیں رہ سکتے اور پھر ہماری برسوں کی محنت اکارت ہو جاتی ہے۔ سبائی فرقہ کی کثیر تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی۔ دونوں فریق رات کے پچھلے پہر جب آرام کی نیند سو رہے تھے، سبائیوں نے پیش دستی کر کے شب خون مارا۔ دفعتہً ان چند شراروں نے ہر جگہ آگ لگا دی۔ حضرت علیؓ لوگوں کو روک رہے تھے مگر کوئی نہیں سنتا تھا۔ ہر شخص بدحواس ہو کر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ ہر فریق کے رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے نے غفلت پا کر بدعہدی کی۔

صبح تک یہ تلاطم برپا رہا۔ شور وغل سن کر حضرت عائشہؓ نے پوچھا، کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں نے جنگ شروع کر دی۔ بصرہ کے قاضی کعب بن سور نے حضرت عائشہؓ سے آ کر عرض کی کہ آپ سوار ہو کر چلیں، شاید آپ کے ذریعہ سے لوگ صلح کر لیں۔ وہ آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہو کر اپنی فوج کے قلب میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلا بھیجا۔ تینوں صاحب گھوڑوں پر سوار ایک جگہ مل کر کھڑے ہوئے۔ آہ کیسا پر اثر منظر ہے کہ بدر و اُحد کے ہیرو اب خود دست و گریبان ہیں۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی، دفعتہً دفعتہً دونوں بزرگوں کو بھولا ہوا خواب یاد آ گیا۔ حضرت زبیرؓ نے گھوڑے کی باگ موڑی اور میدان سے باہر نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابن جرموز نام کے ایک سبائی نے دیکھ لیا، وہ پیچھے چلا۔ ایک بادیہ میں آ کر حضرت زبیرؓ نماز میں مصروف اور سربسجود تھے، ظالم نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ سر دھڑ سے الگ ہو گیا، سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا، آبدیدہ ہو گئے۔ فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

حضرت طلحہؓ بھی واپسی کا عزم کر رہے تھے کہ مروان اموی کی نظر پڑ گئی۔ سمجھا کہ ان کی زندگی خاندان اموی کے لئے سنگ راہ ہے، زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ خون کسی طرح نہ تھما اور آخر اسی حالت میں جان دے دی۔ کعب بن سور کو حضرت عائشہؓ نے اپنا قرآن دیا کہ لوگوں کو یہ دکھا کر صلح کی دعوت دو۔ وہ قرآن کھول کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔ شریروں نے ادھر سے ایسا تیر مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔

دو پہر ہو گئی تھی۔ چونکہ اچانک حملہ ہو گیا، فوج کے جو جنرل تھے، انہوں نے اس فتنہ سے کنارہ کشی کر لی تھی، اس لئے حضرت عائشہؓ کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا۔ لڑنے والے کون تھے،

بھائی بھائی۔ حملہ میں ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے، سروسینہ کو بچا جاتے تھے کہ مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔

سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر حضرت عائشہؓ ہاتھ آ گئیں تو وہ سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے چنانچہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بعد اہل کوفہ ان پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے طرفداروں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ مصری قبائل اور ان میں بھی بنوعدی اور بنوضبہ کے آدمی جوش سے بپھرے ہوئے تھے۔ ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا، ادھر حضرت عائشہؓ کے داہنے بکر بن وائل، بائیں ازد، سامنے بنوناجیہ، مادر اسلام کی عزت واحترام کے تحفظ کے لئے اپنی اپنی جانیں فرزندان فدویت کے ساتھ نثار کر رہے تھے۔ اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ آہنی ہودج تیروں کی پیہم بارش سے چھلنی ہو رہا تھا، پر جوش بیٹے آگے پیچھے، داہنے بائیں اس ریلے کو ہٹا رہے تھے۔ زبان پر رجز کے فخریہ اشعار تھے، بنوازد کا نعرہ تھا۔

یا اُمنا یا خیر امٍ نعلم۔

''اے ہماری ماں! اے ہماری بہتر ماں! جس کو ہم جانتے ہیں۔''

اما ترین کم شجاع یکلم۔

''آپ نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کئے گئے۔''

و تختلی ھامته والمعصم۔

''اوران کے ہاتھ اور سر کاٹ ڈالے گئے۔''

اب ہر طرف یہ شور تھا کہ اونٹ کو جب تک مار کر نہ بٹھا دیا جائے گا جنگ کا خاتمہ نہ ہوگا۔ بنوضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا، واپس نہ جاتا۔ ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھی۔

نحن بنو ضبّة لا تفر

حتیٰ نری جما جما نخر

یخر منها العلق المحمر

یا اُمّنا یا عیش لن تراعی

کل بینك بطل شجاع

''ہم ضبہ کے فرزند ہیں بھاگتے نہیں جب تک سروں کو گرتے اور ان سے سرخ خون کو بہتے نہ دیکھ لیں۔اے ہماری ماں، اے عائشہؓ! گھبرایئے نہیں آپ کے سب بیٹے بہادر اور بہادر ہیں اے ہماری ماں! اے پیغمبر کی بیوی! اے بابرکت وہدایت یاب شوہر کی بیوی۔''

لیکن ان کا سب سے زیادہ پرجوش قومی نعرہ یہ تھا:

یا اُمّنا یا زوجة النبیٌ

یا زوجة المبارك المهدی

نحن بنو ضبة اصحاب الجمل

الموت احلٰی عندنا من العسل

نحن بنو الموتِ اذاالموت نزل

فنعنی ابن عفان باطراف الاسل

رُدّو اعلینا شیخنا ثم بجل

''ہم ضبہ کے بیٹےؓ اور اسی اونٹ کے پاسبان ہیں، موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے، ہم موت کی آغوش میں پلے ہیں جب موت اترتی ہے، ہم عفانؓ کے بیٹے عثمانؓ کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں، ہمارے سردار کو واپس کردو پھر کوئی بات نہیں۔''

جوش کا یہ عالم تھا کہ بنوضبہ کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا، وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کو آگے بڑھتا، وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر نکیل تھام لیتا۔اسی طرح ستر آدمیوں نے اپنی جانیں دیں۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پاس کھڑے تھے، جس نے دشمنوں میں سے اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ اڑا دیا۔کہتے ہیں کہ فضا میں گلیوں کی طرح ہاتھ اڑ رہے تھے۔یہ دیکھ کر حضرت علی مرتضیٰؓ بھیڑ کے چھانٹنے کو خود آگے بڑھے۔اشترنخعی (اصل نام مالک) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قریب پہنچ گئے۔دونوں مشہور بہادر تھے، تلواروں کے ردّوبدل ہونے لگے۔دونوں زخمی ہو گئے تو دوڑ کر ایک دوسرے کو لپٹ

گئے۔ابن زبیر نے چلا کر کہا:

اقتلوني و مالك اقتلوا مالك معي۔

"مجھکو اور مالک کو مار ڈالو میرے ساتھ مالک کو بھی مار ڈالو۔"

اشتر کہتے ہیں کہ مالک کے نام سے مجھے لوگ جانتے نہ تھے ورنہ میری بوٹی بوٹی اڑا دیتے۔ بنوضبہ کے کچھ لوگ ادھر سے بھی شریک تھے۔ یہ دیکھ کر اونٹ ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا ہوتو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا، ایک ضبی پیچھے سے آیا اور اونٹ کے پچھلے پاؤں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھم سے گر پڑا۔ حضرت عمارؓ بن یاسر اور محمد بن ابی بکرؓ نے دوڑ کر ہودے کو سنبھالا، محمد بن ابی بکرؓ نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا۔ حضرت عائشہؓ نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے؟ محمد بن ابی بکرؓ نے کہا، تمہارے بھائی محمد کا، بہن! کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ فرمایا، تم محمد نہیں، مذمم ہو۔ اتنے میں حضرت علیؓ پہنچے، انہوں نے خیریت دریافت کی، حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اچھی ہوں۔

حضرت علیؓ نے ان کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا۔ حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ کر پناہ لی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ ملنے آئے۔ حضرت علیؓ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر میں تمام زخمی پناہ گزیں ہیں مگر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکرؓ کی نگرانی میں چالیس معزز آدمیوں کے جھرمٹ میں ان کو حجاز کی طرف رخصت کیا۔ عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علیؓ نے دور تک مشایعت کی۔ امام حسنؓ میلوں تک ساتھ گئے۔ چلتے وقت تمام مجمع کے سامنے حضرت عائشہؓ نے اقرار کیا کہ مجھے علیؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی اور نہ اب ہے، ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے اس کی میں نفی نہیں کرتی۔ حضرت علیؓ نے بھی اسی قسم کے الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد مختصر قافلہ حجاز کی طرف روانہ ہوا۔ حج کے چند مہینے باقی تھے۔ اتنے عرصہ تک حضرت عائشہؓ نے مکہ معظمہ میں بسر کیا، پھر وہ بدستور روضۂ نبویؐ کی مجاور تھیں اور اپنی اس اجتہادی غلطی پر کہ اصلاح کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا، وہ کہاں تک مناسب تھا، ان کو عمر بھر افسوس رہا۔ ابن سعد میں ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ کاش! میں درخت ہوتی، اے کاش! میں پتھر ہوتی، اے کاش! میں روڑا ہوتی، اے کاش! میں نیست و نابود ہوتی۔ (سیرت عائشہؓ ۱۱۳ تا ۱۱۹)

محاسبہ نفس

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک بصری حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے۔ پوچھا کہ تم ہماری لڑائی میں شریک تھے؟ اس نے کہا، ہاں۔ پوچھا کہ تم اس کو جانتے ہو جو یہ رجز یہ شعر پڑھتا تھا:

یا امنا یا خیر امٌ نعلم

اس نے کاہ، وہ میرا بھائی تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد اس قدر روئیں کہ میں سمجھا ک پھر کبھی چپ نہ ہوں گی۔ بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ مجھے روضہ نبویؐ میں آپؐ کے ساتھ دفن نہ کرنا، بقیع میں اور ازدواج کے ساتھ دفن کرنا۔ میں نے آپؐ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔ ابن سعد میں ہے کہ جب وہ یہ آیت پڑھتی تھیں:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ...... (سورۃ احزاب ۴)

"(اے پیغمبر کی بیویو) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔"

تو اس قدر روتی تھیں کہ روتے روتے آنچل تر ہو جاتا تھا۔ (سیرت عائشہؓ ۱۱۹)

عبادتِ الٰہی

عبادتِ الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں۔ چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئے اور مجھ کو منع کرے تو میں باز نہ آؤں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی اس قدر پابند تھیں کہ اگر اتفاق سے آنکھ لگ جاتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو سویرے اٹھ کر نماز فجر سے پہلے تہجد ادا کر لیتی۔ ایک دفعہ اسی موقع پر ان کے بھتیجے قاسم پہنچ گئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ پھوپھی جان! یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا، میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اس کو چھوڑ نہیں سکتی ہوں۔ رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کیا کرتی تھیں، ذکوان نام کا ایک خواندہ غلام تھا، وہ امام ہوتا تھا۔ سامنے قرآن رکھ کر پڑھتا تھا، یہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں۔

ایک دفعہ گرمی کے دنوں عرفہ کے روز، روزے سے تھیں، گرمی اور تپش اس قدر شدید تھی کہ سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جاتے تھے۔ عبدالرحمٰن آپؓ کے بھائی نے کہا کہ اس گرمی میں روزہ کچھ ضروری نہیں، افطار کر لیجئے۔ فرمایا کہ جب میں آنحضرت ﷺ کی زبانی یہ سن کر چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کرادیتا ہے تو میں روزہ توڑ دوں گی۔

(سیرت عائشہؓ ۱۳۹)

پردہ کا اہتمام

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھی۔ آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔ جن ہونہار طالبعلموں کا اپنے یہاں بے روک ٹوک آجانا اور رکھنا چاہتی تھیں، آنحضرت ﷺ کی ایک خاص حدیث کے مطابق اپنی کسی بہن یا بھانجی سے ان کو دودھ پلوادیتی تھیں اور اس طرح ان کی رَضاعی خالہ یا نانی بن جاتی تھیں اور ان سے پردہ نہیں ہوتا ورنہ ہمیشہ طالب علموں کے اور ان کے درمیان پردہ پڑا رہتا تھا۔

ایک دفعہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کی کہ اے اُمّ المومنین! چلیے حجر اسود کو بوسہ دے لیں۔ فرمایا، تم جاسکتی ہوں، میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جاسکتی۔ کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ ایک غلام کو مکاتب کیا تھا، اس سے کہا کہ جب تک تمہارا زرفدیہ ادا نہیں ہوجاتا، میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی۔ اسحٰق تابعی نابینا تھے، وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے ان سے پردہ کیا۔ وہ بولے کہ مجھ سے کیا پردہ، میں تو آپ کو دیکھتا نہیں۔ فرمایا، تم مجھے نہیں دیکھتے تو میں تم کو دیکھتی ہوں۔ مردوں سے شریعت میں پردہ نہیں لیکن ان کا کمال احتیاط دیکھئے کہ وہ اپنے حجرہ میں حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد بے پردہ نہیں جاتی تھیں۔ (سیرت عائشہؓ ۱۴۲)

افتاء

عنوانات سابقہ میں حضرت عائشہؓ کے فضل وکمال کے جو دلائل وشواہد گزرے ہیں، ان سے قیاس ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنی زندگی کے بقیہ

چالیس برس کس مرجعیت عام اور مقتدایانہ حیثیت سے بسر کیے ہوں گے۔ لیکن ہمارے پاس خوش قسمتی سے ایسی تحریری شہادتوں کا ذخیرہ موجود ہے جس سے یہ قیاس یقین اور قطعیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ خلفائے اسلام، علمائے صحابہؓ، عام مسلمان بلا و مشکلات کی حالت میں اسی آستانہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محدثین نے کثرت وقلت فتاویٰ کی بنا پر علمائے صحابہؓ کے تین طبقات قرار دیئے ہیں۔ طبقہ اوّل جس کے فتاوے اگر مستقلاً علیحدہ علیحدہ جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ طبقہ دوم میں وہ اشخاص ہیں جن کے الگ الگ فتاویٰ ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں۔ تیسرے طبقہ کا مجموعی فتاویٰ ایک رسالہ کے برابر ہے۔ طبقہ اوّل میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور آخر ازوجہ رسولؐ، جگر گوشہ صدیقؓ، اُمّ المومنین عائشہؓ۔ ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں کہ اگر ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا اور آخر زمانہ تک بقیہ خلفائے راشدینؓ کے زمانوں میں بھی وہ ہمیشہ اس منصب پر ممتاز رہیں۔ حضرت قاسم جو صحابہؓ کے بعد مدینہ کے سات مشہور تابعیوں میں شمار ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں:

کانت عائشةؓ قد استقلت بالفتویٰ فی خلافة ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وھلم جرا الی ان ما تترحمھا اللّٰہ۔

''حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور پر افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتویٰ دیتی رہیں۔'' (سیرت عائشہؓ ۲۲۸)

ایک بدعت کا خاتمہ

کعبہ پر ہر سال ایک نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پرانا اتار لیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے زمانہ میں کعبہ کے متولی پرانے غلاف کو ادب کی بناء پر زمین میں اس لئے دفن کر

دیتے تھے کہ اس کو کوئی ناپاک ہاتھ نہ لگنے پائے۔ شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، بیان کیا کہ ہم سارے غلاف کو اکٹھا کر کے ایک گہرا کنواں کھود کر اس میں دفن کر دیتے ہیں تا کہ ناپاکی کی حالت میں لوگ اس کو نہ پہن لیں۔ شریعت کے نکتہ شناس نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے جس کا خدا اور رسولؐ نے حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے کوئی سوء اعتقاد پیدا ہو۔ اُمّ المومنینؓ نے شیبہ سے فرمایا، یہ تو اچھی بات نہیں، تم برا کرتے ہو، جب وہ غلاف کعبہ سے اتر گیا تو اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اس کو پہن بھی لیا تو کوئی مضائقہ نہیں، تم کو چاہئے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کے جو دام آئیں، وہ غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو۔ غالباً اسی کے بعد یہ پرانا غلاف مسلمانوں کے ہاتھ پھاڑ پھاڑ کر فروخت کر دیا جاتا ہے اور مشتاق مسلمان اس کو خرید کر گھروں میں لاتے ہیں اور تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اس فیض کے لئے مسلمانوں کو اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کا ہی ممنون ہونا چاہئے جن کی بدولت ان کے ہاتھ یہ دولت آئی۔ (سیرت عائشہؓ ۲۳۹)

خصوصیات عائشہؓ

بروایت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں فخر نہیں کرتی بلکہ بطور واقعہ کے کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عطا کی ہیں جو دنیا میں میرے سوا کسی اور کو نہیں ملیں۔

۱...... صرف میں ہی کنوارپن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی۔

۲...... جبرائیل امین میری شکل میں حضورؐ سے ملے اور کہا کہ عائشہؓ سے شادی کر لیجئے۔

۳...... اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آیت براءت نازل فرمائی۔

۴...... میرے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں۔

۵...... میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی اور حضورؐ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

۶...... میں اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۷...... نزول وحی کے وقت ازواج میں سے صرف میں آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔

۸...... جس دن میری باری تھی، اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

۹...... جب سرورِ کائنات ﷺ کی روح پاک نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی تو حضور ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

۱۰...... میرے ہی حجرہ کو رحمۃ للعالمین ﷺ کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۱...... میں نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ ان تینوں کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ کونین ﷺ کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کے اعتبار سے جو درجہ فضیلت حاصل ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ (تذکار صحابیات ۶۶)

حضرت حفصہؓ کی ایک خصوصیت

منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو ایک طلاق دے دی تھی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نازل ہو کر رجوع کرنے کا حکم سنایا اور کہا:

''حفصہ سے آپؐ رجوع کر لیں کیونکہ وہ بہت روزے رکھنے اور نماز پڑھنے والی ہے اور جنت میں آپ کی زوجہ ہے۔''

(طبقات ابن سعد ۸/۸۴)

نبی کریم ﷺ سے یہ ارشاد بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''میری اس دنیا کی بیویاں آخرت میں بھی میری بیاں ہوں گی۔''

(تفسیر الماوردی ۳/۳۰۵)

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ

اُمّ حبیبہؓ سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کو انتہائی بری و مکروہ صورت میں دیکھا تو میں گھبرا گئی اور میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال میں تغیر پیدا کرے گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ مجھے کہنے لگا کہ اُمّ حبیبہ! میں نے مختلف ادیان

میں غور وفکر کیا لیکن مجھے نصرانیت سے بہتر کوئی دین نظر نہیں آیا اور میں اس دین کے قریب ہو گیا تھا لیکن پھر میں محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو گیا، اب میں دوبارہ نصرانیت کی طرف لوٹتا ہوں۔ میں نے کہا، اس میں تیرے لئے کوئی خیر نہیں اور اپنے خواب کی بھی خبر دی لیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی اور شراب پر ٹوٹ پڑا یہاں تک کہ اسی حال میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے دوبارہ خواب دکھائی دیا کہ کوئی مجھے اُمّ المومنین کے نام سے پکار رہا ہے، میں گھبرا کر بیدار ہوئی، اس کی تعبیر میں نے یہ لی کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے نکاح فرمائیں گے۔ اس کے بعد جیسے ہی میری عدت پوری ہوئی تو شاہ حبشہ کا ایک قاصد میرے دروازے پر کھڑا تھا اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا اور ابرہہ نام کی ایک لونڈی جس کے ذمے بادشاہ کے کپڑوں اور تیل لگانے کی خدمت تھی، وہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

وہ لونڈی اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی کہ بادشاہ نے آپ کو یہ کہلوایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کا یعنی اُمّ حبیبہ کا نکاح ان کے ساتھ کر دوں۔ اس کے بعد لونڈی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کی خوشخبری دی ہے لہٰذا آپ اپنے نکاح کا کسی کو وکیل مقرر کر دیں۔ میں نے خالد بن سعید بن ابی العاص کو پیغام بھیجا اور انہیں اپنا وکیل مقرر کر دیا اور میں نے خوشی میں چاندی کے دو کنگن اور دو پازیب اور پاؤں میں پہنی ہوئی چاندی کی تمام انگوٹھیاں خوشخبری لانے والی باندی ابرہہ کو دے دیں۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہاں موجود تمام مسلمانوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور پھر خطبہ پڑھا کہ تمام تعریفیں اس ایک اللہ کے لئے جو بادشاہ ہے، تمام عیوب سے پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے اور غلبہ والا ہے، زبردست اور جبار ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، یہ وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم کو دی تھی۔

حمد وصلاۃ کے بعد کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھا ہے کہ میں اُمّ حبیبہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دوں، میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں اور مہر میں چار سو دینار دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر نجاشی نے وہ دینار لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ اس کے بعد خالد بن سعید بن ابی العاص گویا ہوئے اور ان الفاظ کے ساتھ خطبہ دیا کہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد مانگتا ہوں اور اسی سے دشمن کے خلاف طلب نصرت کرتا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگر چہ مشرکوں کو کتنا ہی نا گوار ہو۔ حمد وصلاۃ کے بعد کہتا ہوں کہ جس چیز کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی ہے، میں اس پر لبیک کہتے ہوئے اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان کو ان کے نکاح میں دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ پر برکتیں نازل فرمائے۔ پھر نجاشی نے وہ دینار خالد بن سعید بن ابی العاص کے سپرد کر دیئے۔ انہوں نے ان کو بحیثیت وکیل اپنے قبضہ میں لے لیا۔ لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن نجاشی نے کہا، ذرا بیٹھیے، انبیاء علیہما السلام کی سنت ہے کہ نکاح کے موقع پر دعوت کی جائے۔ پس اس نے کھانا منگوایا، سب لوگوں نے کھانا کھایا اور پھر فارغ ہو کر چلے گئے۔

اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ جب مجھے مہر کی وہ تمام رقم مل گئی تو میں نے ابر ہہ کو جس نے مجھے بشارت دی تھی، بلوایا اور کہا کہ اس دن تو میں نے تمہیں جو دیا وہ دیا لیکن اس وقت میرے پاس نقد رقم نہ تھی لہٰذا اب تم اس میں سے پچاس دینار لے لو اور اپنے کام میں لاؤ مگر اس نے انکار کر دیا۔ پھر میں نے وہ تھیلی نکالی جس میں نجاشی کی دی ہوئی کل رقم تھی اور تمام رقم اس کے حوالہ کر دی لیکن اس نے وہ بھی لوٹا دی اور کہا کہ مجھے بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ اس میں ذرا بھی کمی نہ آنے دوں اور میں بادشاہ کی وہ خادمہ ہوں جس کے ذمہ کپڑوں اور تیل لگانے کی خدمت ہے اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا اتباع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام کو قبول کیا ہے۔ بادشاہ نے اپنی تمام خواتین کو حکم دیا ہے کہ جو کچھ بھی ان کے پاس خوشبویات اور عطریات ہیں، وہ سب آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

اگلے دن ابر ہہ میرے پاس عود، ورس، عنبر اور بہت سی عطریات لے کر آئی۔ (ان سب کو لے کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی، آپؐ ان تمام چیزوں کو میرے اوپر اور میرے پاس دیکھتے لیکن منع نہ فرماتے)۔ ابر ہہ نے یہ سب چیزیں مجھے دیتے ہوئے کہا کہ میری ایک حاجت ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ میری طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کر دیں اور بتلا دیں کہ ابر ہہ نے آپؐ کے لائے ہوئے دین کو اپنے سینے سے لگا لیا

ہے۔ پھر ابرہہ میرے ساتھ انتہائی لطف ومہربانی سے پیش آتی رہی اور واپسی کے وقت اسی نے مجھے تیار کیا اور جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہی کہتی کہ میں نے جو حاجت اور ضرورت تمہارے سامنے بیان کی، اسے مت بھولنا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو میں نے نجاشی اور خالد بن سعید بن ابی العاص کے خطبوں کا اور ابرہہ کا حال سنایا۔ آپ سن کر مسکرا دیئے۔ میں نے ابرہہ کا سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(طبقات ابن سعد ۴/۳۸۶)

خاتونِ جنت......حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی

ہجرت مدینہ کے وقت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کو حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام بھیجا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے یا بعض روایتوں کے مطابق فرمایا، ''جو خدا کا حکم ہوگا۔'' پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام بھیجا۔ حضور ﷺ نے انہیں بھی یہی جواب دیا۔ چند دن بعد حضور ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کر دی۔ یہ نسب کیسے قرار پائی؟ اس کے متعلق تین مختلف روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ ایک دن حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص نے باہم مشورہ کیا کہ فاطمۃ الزہراؓ کے لئے کئی پیغام حضور ﷺ کو پہنچے ہیں لیکن آپؐ نے کوئی بھی منظور نہیں فرمایا۔ اب علیؓ باقی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار اور محبوب بھی ہیں اور عم زاد بھائی بھی، معلوم ہوتا ہے فقر وتنگدستی کی وجہ سے وہ فاطمہؓ کے لئے پیغام نہیں بھیجتے۔ کیوں نہ انہیں پیغام بھیجنے کی ترغیب دی جائے اور ضرورت ہو تو ان کی مدد بھی کی جائے۔ تینوں حضرات یہ مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو ڈھونڈنے نکلے، وہ جنگل میں اپنے اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے پورے خلوص کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔ انہیں اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے پیغام بھیجنے میں تامل ہوا مگر ان حضرات کے مجبور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے پہلے دلی خواہش تو ان کی بھی یہی تھی لیکن فطری حیا پیغام بھیجنے میں مانع تھی۔ اب جرأت کر کے حضور ﷺ کو پیغام بھیج دیا، حضور ﷺ

نے ان کی استدعا فوراً قبول کر لی۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے بھی بزبان خاموشی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ انصارؓ کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔ حضرت علی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرف مدعا زبان پر لائے۔ حضور ﷺ نے فوراً فرمایا، اھلاً و مرحبا اور پھر خاموش ہو گئے۔ انصارؓ کی جماعت باہر منتظر تھی۔ حضرت علیؓ نے انہیں حضور ﷺ کا جواب سنایا تو انہوں نے حضرت علیؓ کو مبارکباد دی کہ حضورؐ نے آپ کا پیغام منظور فرمالیا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک آزاد کردہ لونڈی نے ایک دن ان سے پوچھا، کیا فاطمہؓ کا پیغام حضور ﷺ کو کسی نے بھیجا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا، مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا، آپؓ کیوں پیغام نہیں بھیجتے؟ علی مرتضیٰؓ نے فرمایا، میرے پاس کیا چیز ہے کہ میں عقد کروں۔ اس نیک بخت نے مجبور کر کے جناب علی المرتضیٰؓ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ کچھ حضور ﷺ کی جلالت اور کچھ فطری حیا کہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور سر جھکا کر خاموش بیٹھے رہے۔ حضورؐ نے خود ہی توجہ فرمائی اور پوچھا، علی! آج خلاف معمول بالکل ہی چپ چاپ ہو، کیا فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست لے کر آئے ہو؟ حضرت علیؓ نے عرض کی، بے شک یا رسول اللہ ﷺ۔ حضورؐ نے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے بھی کچھ ہے؟ حضرت علیؓ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہیں جو زرہ دی تھی، وہی مہر میں دے دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشادِ نبویؐ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ زرہ فروخت کرنے کے لئے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ مل گئے، انہوں نے چار سو اسی درہم پر یہ زرہ خرید لی اور پھر یہی زرہ حضرت علیؓ کو بطورِ ہدیہ واپس کر دی۔ زرہ کی قیمت فروخت حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی تو آپؐ نے فرمایا، دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامان شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جاؤ ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دیگر مہاجرین و انصار کو بلا لاؤ۔ جب سب دربارِ رسالتؐ میں جمع ہو گئے تو حضورؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

''اے گروہ مہاجرین وانصار! ابھی جبرائیلؑ امین میرے پاس یہ اطلاع لے کر تشریف لائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور میں فاطمہؓ بنت محمدؐ کا نکاح اپنے بندۂ خاص علیؓ ابن ابی طالب سے کر دیا اور مجھے حکم ہوا ہے کہ عقد نکاح کی تجدید کر کے گواہان کے روبرو ایجاب وقبول کراؤں۔''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ نکاح پڑھا اور علی مرتضیٰؓ سے متبسم ہو کر فرمایا، میں نے چار سو مثقال چاندی مہر پر فاطمہؓ کو تیرے نکاح میں دیا، کیا تجھے منظور ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا، بسر وچشم۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ دُعا کی:

﴿جَمَعَ اللّٰهُ شملكما واسعد جدكما وبارك عليكما واخرج منكما ذرية طيبةً﴾

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے، تمہاری کوششوں کو سعید بنائے، تم پر برکت نازل کرے اور تم سے پاک اولاد پیدا کرے۔''

پھر سب نے دُعائے خیر و برکت مانگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبق چھوہارے حاضرین پر لٹا دیئے۔

زمانہ نکاح کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مبارک نکاح صفر ۲ ہجری اور بعض کے نزدیک محرم یا رجب ۲ ہجری میں ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ نکاح شوال ۳ ہجری میں ہوا۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ یہ نکاح جنگ اُحد کے بعد اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد ہوا۔ بہرحال نکاح کے وقت اکثر اہل سیر کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عمر تقریباً پندرہ سال کی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عمر تقریباً اکیس سال کی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے کچھ فاصلہ پر ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ سیّدۃ النساءؓ رخصت ہو کر اسی گھر کی ملکہ بنیں۔ رخصتی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بلایا، اپنے سینہ مبارک پر ان کا سر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دیا، پھر اپنی لختِ جگر کا ہاتھ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا، اے علیؓ! پیغمبر کی بیٹی تجھے مبارک ہو۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے فاطمہؓ! تیرا شوہر بہت اچھا

ہے۔ پھر آپ ؐ نے دونوں میاں بیوی کو فرائض وحقوق بتائے اور خود دروازے تک وداع کرنے آئے۔ دروازے پر علی مرتضیٰؓ کے دونوں بازو پکڑ کر انہیں دُعائے خیر و برکت دی۔ حضرت علیؓ اور سیدۃ النساءؓ دونوں اونٹ پر سوار ہوئے، حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کی نکیل پکڑی، حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور بعض روایتوں کے مطابق سلمیٰؓ اُمّ رافع یا اُمّ ایمنؓ ان کے ہمراہ گئیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کو جو سامان جہیز میں دیا، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱...... ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔

۲...... ایک نقشی تخت یا پلنگ۔

۳...... ایک چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

۴...... ایک مشکیزہ۔

۵...... دو مٹی کے برتن (یا گھڑے) پانی کے لئے۔

۶...... ایک چکی۔

۷...... ایک پیالہ۔

۸...... دو چادریں۔

۹...... دو بازوبند نقرئی۔

۱۰...... ایک جائے نماز۔

شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دعوتِ ولیمہ بھی ہونی چاہئے۔ مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچ گئی تھی، حضرت علیؓ نے اسی سے ولیمہ کا انتظام کیا۔ دسترخوان پر پنیر، کھجور، نان جو اور گوشت تھا۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ یہ اس زمانے کا بہترین ولیمہ تھا۔

جب فاطمۃ الزہراؓ اپنے نئے گھر میں چلی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی، پھر اندر داخل ہوئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا، اپنے دست مبارک اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اپنے پاس بلایا، وہ شرم وحیاء سے جھجکتی ہوئی حضورؐ کے سامنے آئیں، آپ ؐ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

''اے فاطمہؓ میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے۔''

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا گھر مسکن نبویؐ سے کسی قدر فاصلے پر تھا، آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن رسول کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا، بیٹی! مجھے اکثر تمہیں دیکھنے کے لئے آنا پڑتا ہے، میں چاہتا ہوں تمہیں اپنے قریب بلالوں۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا، حضورؐ کے قرب و جوار میں حارثہؓ بن نعمان کے بہت سے مکانات ہیں، آپؐ ان سے فرمایئے، وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کردیں گے۔

حارثہؓ بن نعمان ایک متمول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔ جب سے حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے، وہ اپنے کئی مکانات یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی نذر کرچکے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے حارثہؓ کے مکان کے لئے حضورؐ سے التماس کی تو آپؐ نے فرمایا، میری لخت جگر! حارثہؓ سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کے لئے کئی مکان دے چکے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ خاموش ہوگئیں۔ ہوتے ہوتے یہ خبر حضرت حارثہؓ بن نعمان تک پہنچی کہ حضور ﷺ فاطمہؓ کو اپنے قریب بلانا چاہتے ہیں لیکن مکان نہیں مل رہا۔ وہ فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! آپؐ فاطمہؓ کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں، یہ مکان جو آپؐ کے متصل ہے، میں خالی کئے دیتا ہوں، آپؐ فاطمہؓ کو بلا لیجئے۔ اے میرے آقا! میری جان و مال حضور ﷺ پر قربان ہے، خدا کی قسم! جو چیز حضورؐ مجھ سے لیں گے، مجھے اس کا حضورؐ کے پاس رہنا زیادہ محبوب ہوگا بہ نسبت اس کے کہ میرے پاس رہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم سچ کہتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت دے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو حارثہؓ بن نعمان کے مکان میں منتقل کرالیا۔

(تذکار صحابیات ۱۲۷ تا ۱۳۳)

دنیا کی بہترین عورت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سلطان الفقرا تھے، فاطمۃ الزہراؓ نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا

پورا پورا ساتھ دیا۔ جلیل القدر والد شہنشاہ عرب بلکہ شہنشاہ دو جہاں تھے لیکن داماد اور بیٹی پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔ ایک دن دونوں میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا، رات ہو چکی تھی، ایک درہم کے جو کہیں سے خرید کر گھر پہنچے۔ فاطمہ بتولؓ نے ہنسی خوشی اپنے نامدار خاوند کا استقبال کیا، "جو" اُن سے لے کر چکی میں پیسے، روٹی پکائی اور علی مرتضیٰؓ کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت سیّد البشرؐ کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہؓ دنیا کی بہترین عورت ہے۔ (تذکار صحابیات ۱۳۴)

خاتون جنت کے کپڑوں میں ۱۳ پیوند

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ سیّدۃ النساءؓ اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں بھی تیرہ پیوند لگے ہیں، آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا وِرد جاری ہے۔ حضورؐ یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر، اللہ تمہیں نیک اجر دے گا۔ (تذکار صحابیات ۱۳۵)

چکی پیسنا

حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ علیؓ کو بلا لاؤ۔ جس وقت میں ان کے گھر گیا تو دیکھا کہ سیّدۃ النساءؓ حضرت حسینؓ کو گود میں لئے چکی پیس رہی ہیں۔ (تذکار صحابیات ۱۳۵)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتون جنت کی بھوک

ایک دفعہ فاطمۃ الزہراؓ مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ حضورؐ نے پوچھا، یہ کہاں سے آیا ہے؟ سیّدہؓ نے جواب دیا، ابا جان! تھوڑے سے جو پیس کر روٹی پکائی تھی، جب بچوں کو کھلا رہی تھی خیال آیا کہ آپ کو بھی تھوڑی سی کھلا دوں۔ اے خدا کے رسول برحق! یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے۔ حضورؐ نے روٹی

تناول فرمائی اور فرمایا:

"اے میری بچی! چار وقت کے بعد یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں پہنچا ہے۔" (تذکار صحابیات ۱۳۵)

سوال سے اجتناب

ایک حضرت علی مرتضیٰؓ گھر تشریف لائے۔ کچھ کھانے کو مانگا تو سیّدہؓ نے بتایا کہ آج تیسرا دن ہے، گھر میں جو کا ایک دانہ تک نہیں۔ جناب مرتضیٰؓ نے فرمایا، اے فاطمہؓ! مجھ سے تم نے ذکر کیوں نہیں کیا؟ سیّدۃ النساءؓ نے جواب دیا، اے میرے سرتاج! میرے باپ نے رخصتی کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کبھی سوال کر کے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔ (تذکار صحابیات ۱۳۶)

خاتونِ جنت کا فاقہ

ایک دفعہ دوپہر کے وقت رسول کریم ﷺ بھوکے گھر سے نکلے، راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ملے، وہ بھی بھوکے تھے۔ تینوں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کھجوروں کے باغ میں پہنچے، انہوں نے فوراً کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر ان کے سامنے رکھا، پھر ایک بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کے کباب بنوائے اور سالن پکوایا۔ دسترخوان بچھایا گیا تو حضور ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوادو، انہیں کئی دن سے فاقہ ہے۔ (تذکار صحابیات ۱۳۶)

سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا

ایک دفعہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک بوڑھا ضعیف آدمی مسلمان ہوا۔ حضور ﷺ نے اسے دین کے ضروری احکام و مسائل بتائے اور پھر اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ اس نے کہا، خدا کی قسم! بنی سلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سب سے زیادہ غریب اور فقیر میں ہی ہوں۔ حضور ﷺ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا، تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کرے گا؟ حضرت سعدؓ بن عبادہ اٹھے اور کہا، یا رسول اللہ! میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا، تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھانک

دے۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ اٹھے اور اپنا عمامہ اتار کر اس اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔ **پھر حضور** ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو اس کی خوراک کا بندوبست کرے؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے **اعرابی کو** ساتھ لیا اور اس کی خوراک کا انتظام کرنے نکلے۔ چند گھروں سے دریافت کیا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا، پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا، کون ہے؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور التجا کی کہ اے اللہ کے سچے رسولؐ کی بیٹی! اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجئے۔ سیّدۂ عالم نے آبدیدہ ہوکر فرمایا، اے سلمانؓ! خدا کی قسم! آج ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے، دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل کو خالی ہاتھ جانے نہ دوں گی۔ جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور کہو فاطمہ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اس غریب انسان کو تھوڑی سی جنس دے دو۔

سلمانؓ اعرابی کو ساتھ لے کر یہودی کے پاس پہنچے، اس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ حیران رہ گیا اور پھر پکار اٹھا، اے سلمانؓ! خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے، گواہ رہنا کہ میں فاطمہؓ کے باپؐ پر ایمان لایا۔ اس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمانؓ کو دیا اور چادر بھی سیّدہ فاطمہؓ کو واپس بھیج دی۔ وہ لے کر ان کے پاس پہنچے، سیّدہؓ نے اپنے ہاتھ سے اناج پیسا اور جلدی سے اعرابی کے لئے روٹی پکا کر حضرت سلمانؓ کو دی۔ انہوں نے کہا، اس میں سے کچھ بچوں کے لئے رکھ لیجئے۔ جواب دیا، سلمانؓ! جو چیز خدا کی راہ میں دے چکی، وہ میرے بچوں کے لئے جائز نہیں۔

حضرت سلمانؓ روٹی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے، ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا، آسمان کی طرف دیکھا اور دُعا کی:

''بارِالٰہا! فاطمہ تیری کنیز ہے، اس سے راضی رہنا۔'' (تذکار صحابیات ۱۳۶)

چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ

ایک دفعہ کسی نے سیّدہؓ سے پوچھا، چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہوگی؟ سیّدہؓ نے فرمایا، تمہارے لئے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سارے ہی راہِ خدا میں دے دوں۔ (تذکار صحابیات ۱۳۸)

مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کئے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا، میں بھوکا ہوں۔ حضرت سیّدہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا۔ ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازہ پر آ کر دست سوال دراز کیا، وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا، اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا، وہ سب کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہل خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس سارے گھر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

(تذکار صحابیات ۱۳۸)

﴿ویُطعمون الطّعام علی حُبّہٖ مسکیناً وّیتیماً وّاسیراً﴾

(الدہر)

''اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو

ایک دفعہ سیّدۃ النساءؓ بیمار ہو گئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک معمر صحابی حضرت عمرانؓ بن حصین کو اپنے ہمراہ لیا اور اپنی لخت جگر کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دروازہ پر پہنچ کر داخلے کی اجازت مانگی۔ سیّدہؓ نے عرض کیا، تشریف لائیے۔ حضورؐ نے فرمایا، میرے ساتھ عمرانؓ بن حصین بھی ہیں۔ حضرت بتولؓ نے جواب دیا، ابا جان! میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں کہ پردہ کروں۔ حضورؐ نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک کر فرمایا، بیٹی! اس سے پردہ کر لو۔ اس کے بعد حضورؐ اور حضرت عمرانؓ اندر تشریف لے گئے اور سیّدہؓ سے ان کا حال پوچھا۔ فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کیا، ابا جان! شدت درد سے بے چین ہوں اور بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے کیونکہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اے میری بیٹی!

صبر کر، میں بھی آج تین دن سے بھوکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میں جو کچھ مانگتا، وہ ضرور مجھے عطا کرتا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ پھر آپؐ نے اپنا دست شفقت حضرت فاطمہؓ کی پشت پر پھیرا اور فرمایا:

"اے لخت جگر! دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہو، تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔" (تذکار صحابیات ۱۳۹)

تاریخ کسی ایسی خاتون سے واقف نہ ہوگی جس نے حضرت فاطمہؓ کی طرح صبر اور ... کو جمع کیا ہو۔ اپنی شادی کے ابتدائی ایام ہی سے حضرت فاطمہؓ نے گھر کے کام کاج ... کر دیئے تھے۔ وہ خود آٹا پیستیں اور گوندھتیں۔ ان کے بالوں کی چوٹی کبھی آگے کے ... کو چھو رہی ہوتی، کبھی زمین کو چھو رہی ہوتی، پھر وہ روٹیاں بنانے لگ جاتیں۔ ان کے زاہد ... مجاہد شوہر میں کوئی خادم جو گھر کے کام میں مدد دے سکے، خرید نے اور رکھنے کی استطاعت ... بلکہ انہوں نے تو اپنی والدہ فاطمہ بنت اسد کو کہہ دیا تھا کہ میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ... لئے گھر سے باہر کے کاموں کی کفایت کروں گا اور آپ کے لئے فاطمہ گھر کے کام کاج کو ... ہو جائے گی۔

سیدنا حضرت علیؓ اپنی اس پرہیزگار پاکدامن زوجہ کو دیکھتے کہ تھکاوٹ کے آثار ان ... نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے یہ بات بھی معلوم کر لی تھی کہ ایک غزوے میں ہاتھ آنے والے ... سے قیدی غلام اور غنیمت آنحضرت ﷺ کے پاس موجود ہیں۔ انہوں نے مناسب موقع دیکھ کر حضرت فاطمہؓ کو یہ بات کہہ دی کہ کنوئیں سے پانی بھرتے ہوئے تھک جاتا ہوں اور اب میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو قیدی دیئے ہیں، تم جاؤ اور ان سے ایک خادم مانگ لو۔ حضرت فاطمہؓ نے بھی کہا کہ خدا کی قسم! میں بھی تھک جاتی ہوں اور میرے ہاتھوں میں نشان تک پڑ گئے ہیں۔

پھر وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپؐ نے پوچھا، میری بچی! کیسے آئی ہو؟ کوئی ضرورت تو نہیں؟ فرمانے لگیں کہ میں آپ کو سلام کرنے آئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ پر حیاء کا غلبہ ہوگیا، وہ آپؐ سے کچھ بھی نہ مانگ سکیں اور لوٹ گئیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا، کیا ہوا؟ آپؓ نے جواب دیا، مجھے شرم آگئی کہ آپؐ سے کچھ مانگوں۔ اس لئے میں واپس

آ گئی۔ پھر حضرت علیؓ اور فاطمہؓ دونوں مسرور اور ڈرتے ڈرتے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اپنے حال کی شکایت کی اور آپ ﷺ سے کوئی خادم مانگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں غلام نہیں دے سکتا، میں اصحاب صفہ کو کیسے چھوڑ دوں جن کے پیٹ سوکھے جا رہے ہیں اور میرے پاس ان کے خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کی رقم اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ واپس لوٹ گئے۔

پھر نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ یہ دونوں اپنے بستر میں جا چکے تھے اور انہوں نے اوپر ایسی چادر لی ہوئی تھی جس میں سے اگر سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنی جگہ رہو۔ پھر فرمایا، کیا میں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جو تم مجھ سے مانگ رہے تھے۔ انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"کچھ کلمات ہیں جو مجھے جبرائیل علیہ السلام نے بتلائے تھے کہ اللہ کی تسبیح کہو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ حمد کہو اور دس مرتبہ تکبیر کہو اور جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تینتیس مرتبہ تسبیح (سبحان اللہ) کہ، تینتیس دفعہ (الحمدللہ) کہو اور تینتیس مرتبہ تکبیر (اللہ اکبر) کہو۔" (طبقات ابن سعد ۸/ ۲۵)

حضرت زہراءؓ اور حضرت علیؓ نے انہی کلمات پر قناعت کر لی اور توشے کے ساتھ اپنی زندگی کے آخر تک رہے۔

فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

"نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ نے گلے میں ایک سونے کا ہار پہنا ہوا تھا۔ فاطمہ! کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ تو یہ کہیں کہ محمد ﷺ کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے؟۔"

یہ فرما کر آپ ﷺ تو چلے گئے لیکن حضرت فاطمہؓ نے اس ہار کو بیچ کر اس کے بدلے ایک

غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ملی تو فرمایا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہؓ کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔''

(سیر اعلام النبلاء ۲/۱۲۳)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق

حضرت فاطمہؓ کے مبارک فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گھر میں بہت زیادہ کھانے کی چیزیں آنے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ یہ ان کے صدقۂ کرم اور نفس کی پاکیزگی کی بدولت تھا۔ کتب میں مذکور ہے کہ ان کی ایک پڑوسن نے ان کے ہاں دو روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا بھیجا جسے انہوں نے برتن میں رکھ کر ڈھک دیا۔ پھر اپنے ایک صاحبزادے کو آنحضرت ﷺ کو کھانے کے لئے بلا بھیجا۔ جب آپؐ تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ نے برتن حاضر کیا۔ جس کے متعلق خود حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ:

''جب میں نے برتن سے ڈھکن اٹھایا تو وہ روٹی اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو مبہوت سی ہوگئی اور میں سمجھ گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہے تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کے نبیؐ پر درود پڑھا۔ پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپؐ نے جب یہ دیکھا تو اللہ کا شکر ادا فرمایا اور پوچھا کہ میری بچی! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ میں نے جواب دیا کہ ابا جان! یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا اور گویا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری بچی تمہیں بنی اسرائیل کی سیّدۃ النساء کی شبیہ بنایا اور اسے جب بھی اللہ کوئی چیز عطا فرماتا اور اس سے پوچھا جاتا تو وہ یہی کہتی کہ یہ اللہ کے ہاں سے آیا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

پھر اس کھانے کو حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر تناول فرمایا اور سب سیر ہو گئے مگر کھانا ویسے کا ویسا ہی موجود رہا۔ پھر

حضرت فاطمہؓ نے اسے پڑوسیوں میں تقسیم فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت اور خیر کثیر عطا فرمائی۔ (حیاۃ الصحابہؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے بے اختیار ہو کر فرمایا، پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور فردوس بریں میں داخل ہوئے، آہ جبرائیلؑ کو ان کے انتقال کی خبر کون پہنچا سکتا ہے۔ پھر دعا مانگی:

''بارالٰہا! روح فاطمہ کو روح محمدؐ کے پاس پہنچا دے، خدایا! مجھے رسول کریمؐ کے دیدار سے مسرور کر دے، الٰہی! بروزِ محشر شفاعت محمدؐ سے محروم نہ فرما۔''

بعض روایتوں میں ان سے ایک مرثیہ بھی منسوب ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر کہا۔ اس مرثیہ میں وہ کہتی ہیں:

''آسمان غبار آلود ہو گیا، آفتاب لپیٹ دیا گیا، دنیا میں تاریکی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فرطِ الم سے شق ہو گئی ہے۔ ان پر قبیلہ مضر کے لوگ اور تمام اہل یمن روتے ہیں، بڑے بڑے پہاڑ اور محلات روتے ہیں۔ اے خاتم الرسلؐ خدا آپؐ پر رحمت نازل فرمائے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کے بعد صحابیاتؓ اور صحابہ کرامؓ تعزیت کے لئے ان کے پاس آتے تھے لیکن ان کو کسی پہلو قرار نہ آتا تھا۔ تمام کتب سیر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی نے سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (تذکار صحابیات ۱۴۳)

حضرت اُمّ ایمنؓ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین تھے، آپؐ عرب کی اسلامی مملکت کے سربراہ بھی تھے اور خیر الخلائق بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سحاب جود وکرم خلق خدا پر مسلسل برستا رہتا تھا۔ کوئی سائل آپؐ کے در پر آئے اور خالی ہاتھ پلٹ جائے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ بے کس اور

نادار آتے تھے اور بے احتیاج ہو کر لوٹتے تھے۔ ایک دن گہرے سانولے رنگ کی ایک خاتون جن کے چہرے پر کچھ عجیب قسم کا جلال اور رونق تھی، بڑے وقار کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ انہیں دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم "امی امی" فرماتے ہوئے تعظیماً کھڑے ہو گئے اور بڑی عزت اور احترام کے ساتھ انہیں بٹھایا۔ پھر آپؐ نے ان سے پوچھا، امی! آج کیسے تکلیف فرمائی؟

خاتون...... یارسول اللہ! مجھے ایک اونٹ کی ضرورت ہے یہی مانگنے آئی ہوں۔

رسول اکرمؐ...... اونٹ کا آپ کیا کریں گی؟

خاتون...... یارسول اللہ! آج کل ہمارے ہاں سواری کا کوئی جانور نہیں ہے، نہ گدھا نہ اونٹ۔ کبھی دور کا سفر پیش آجائے تو بڑی دشواری ہوتی ہے۔

رسول اکرمؐ...... (متبسم ہو کر) اچھا تو اونٹ کا ایک بچہ حاضر کئے دیتا ہوں۔

خاتون...... اے ہے، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، اونٹ کے بچے کو میں کیا کروں گی، مجھے تو اونٹ چاہئے اونٹ۔

رسول اکرمؐ...... میں تو آپ کو اونٹ کا بچہ ہی دوں گا۔

خاتون...... اونٹ کا بچہ بھلا میرے کس کام کا؟ وہ تو میرا بوجھ بھی نہیں سہار سکے گا، مجھے تو اونٹ عطا فرمایئے۔

رسول اکرمؐ...... آپ کو اونٹ کا بچہ ہی ملے گا اور میں اسی پر آپ کو سوار کراؤں گا۔

یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو اشارہ فرمایا۔ وہ تھوڑی دیر میں ایک جوان فربہ اونٹ لے آئے اور اس کی مہار سائل خاتون کو تھما دی۔ حضورؐ نے فرمایا، امی! ذرا دیکھئے تو، یہ اونٹ ہی کا بچہ ہے یا کچھ اور۔ اب وہ خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطیف مزاح کی تہہ تک پہنچیں، بے اختیار ہنس پڑیں اور دعائیں دینے لگیں۔ حاضرین مجلس بھی شگفتہ ہو گئے۔ یہ خاتون جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تعظیم فرماتے تھے اور کبھی کبھار ان سے اس قسم کا پاکیزہ مزاح بھی فرمالیتے تھے، حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کا نام برکتہ تھا اور عرف اُمّ انطباء۔ والد کا نام ثعلبہ بن نمرو تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ وہ مکے میں کب اور کیسے پہنچیں؟ مؤرخین نے اس کے بارے میں

تصریح نہیں کی البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اور بچپن سے حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ کنیز کے طور پر رہتی تھیں۔ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو وہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں۔

سرورِ عالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے وقت حضرت آمنہ کی خبر گیری اور خدمت پر وہی مامور تھیں۔ حضور ﷺ نے پانچ یا چھ برس تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی، اس کے بعد حضرت حلیمہؓ نے آپؐ کو اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت آمنہ ننھے حضور ﷺ اور حضرت اُمّ ایمنؓ کے ہمراہ یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لے گئیں۔ گویا سرزمین یثرب آقائے دوجہاںؐ کے قدومِ میمنت لزوم سے پہلی مرتبہ اس وقت مشرف ہوئی جب آپؐ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ یثرب میں حضرت آمنہ خاندان ''بنی نجار'' کے ہاں مقیم ہوئیں جو حضور ﷺ کے دادا کا ننھیال تھا۔ انہوں نے یثرب میں کم و بیش ایک مہینہ قیام کیا اور پھر ننھے حضور ﷺ اور اُمّ ایمنؓ کے ساتھ مکہ معظمہ کو مراجعت کی۔ جب ابواء کے مقام پر جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے، پہنچیں تو یک بیک علیل ہو کر پیک اجل کو لبیک کہا۔

دشت غربت میں حضرت آمنہؓ کی اچانک موت سے ننھے حضور ﷺ اور اُمّ ایمنؓ کو انتہائی صدمہ ہوا لیکن اُمّ ایمنؓ نے بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لیا۔ انہوں نے کمر ہمت باندھ کر حضرت آمنہ کو وہیں سپردِ خاک کیا اور حضور ﷺ کو انتہائی شفقت کے ساتھ اپنے ہمراہ لے کر بادیدۂ گریاں مکہ مکرمہ پہنچیں جہاں حضرت عبدالمطلب نے آمنہ کے دُرِ یتیم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور اُمّ ایمنؓ کو حضور ﷺ کی پرورش اور پرداخت پر مامور کر دیا۔

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اور ننھے حضور ﷺ کے ساتھ اپنے قیام یثرب کی ایک خاص بات حضرت اُمّ ایمنؓ کو مدت العمر یاد رہی۔ وہ فرماتی تھیں کہ:

> ''قیام یثرب کے دوران میں یہود کی ایک جماعت کے لوگ آ آ کر (ننھے) حضور ﷺ کو دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ یہ لڑکا نبی آخر الزمانؐ معلوم ہوتا ہے اور یہی شہر اس کا دارِ

ہجرت ہے۔اس یہودی کی یہ بات میرے دل پر نقش ہوگئی۔''

سرورِ عالم ﷺ جوان ہوئے تو اُمّ ایمنؓ وراثتہً (بطورِ کنیز) حضور ﷺ کے حصے میں آئیں لیکن آپؐ نے انہیں آزاد کردیا۔ (تذکار صحابیات ۱۵۲)

محبوب ﷺ کی جدائی پر اُمّ ایمنؓ کا غم

صفر المصفر ۱۱ھ میں نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا اور اس لشکر کا امیر سیّدنا اسامہ بن زیدؓ کو بنایا۔انہیں حکم فرمایا کہ''اپنے گھوڑوں سے بلقاء کی سرحدوں کو روند دینا۔'' یہ مہم کو ڈرانے اور مسلمانوں کے دلوں میں پختگی و ثابت قدمی کے لئے تھا۔بعض لوگوں نے اسامہؓ کی نوعمری کی وجہ سے ان کی امارت پر چہ میگوئیاں کیں تو نبی حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس نوجوان کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے بھی اس کے والد کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو۔خدا کی قسم! وہ امارت کا اہل تھا اور وہ مجھے دنیا میں عزیز ترین لوگوں میں سے تھا اور اب یہ (اُسامہؓ) مجھے اس کے بعد بہت عزیز ہے۔

لشکر تیار ہو کر مقام جرف میں پہنچ گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی شدید علالت کے باعث سب کو دھڑکا لگا ہوا تھا۔امیر لشکر کی والدہ اُمّ ایمنؓ اپنی عادت اور معمول کے مطابق آنحضرت ﷺ کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں۔انہوں نے کہا، یارسول اللہ! اگر آپؐ اپنی صحت یابی تک لشکر کو روکے رکھیں تو بہتر ہوگا کیونکہ اگر اُسامہ آپؐ کو اس حال میں چھوڑ کر جائے گا تو صحیح طور سے کام نہ کر سکے گا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا، انہیں روانہ کردو۔پھر اُسامہؓ کو فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔

حضرت اُسامہؓ آنحضرت ﷺ سے رخصت ہو کر لشکر کی طرف جانے کے لئے سوار ہو ہی رہے تھے کہ اتنے میں اُمّ ایمنؓ کا پیغام پہنچا کہ آنحضرت ﷺ پر حالت نزع طاری ہوگئی ہے۔سیّدنا اُسامہؓ پلٹ آئے۔ان کے ساتھ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی تھے۔وہ آپ تک آپہنچے اور آنحضرتؐ نے جان رفیق اعلیٰ کے سپرد کردی۔

''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' رحلت فرما گئے۔یہ گرانبار خبر لوگوں تک پہنچی تو مدینہ کی گلیوں اور فضا میں تاریکی سی چھا گئی۔لوگوں کے دل شدت غم سے پھٹنے لگے اور اُمّ ایمنؓ رسول

اللہ ﷺ کے قریب کھڑی رو رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے آنحضرتؐ کی صورت آنے لگی۔ آپؐ کا بچپن، جوانی، رسالت کے دن آنکھوں میں پھرنے لگے۔ ایک ہمدرد اور عزت دینے والی شخصیت یاد آنے لگی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی یاد میں یہ قصیدہ پڑھا۔

عین جودی فان بذلك للد
مع شفاء فاكثرى البكاء

''آنکھ نے آنسو بہائے کہ ان آنسوؤں میں شفا ہے اے آنکھ خوب رو۔''

حين قالوا الرسول امسى فقيدا
ميتا كان ذاك كل البلاء

''جب لوگوں نے کہا کہ رسولؐ جدا ہو گئے، رحلت کر گئے تو یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔''

وابكيا خير من رزئناه فى الدنيا
ومن خصه بوحى السماء

''اے دونوں آنکھو! روؤ اس پر دنیا میں ہمیں جس کی جدائی کی تکلیف ملی ہے، جو بہت اچھا تھا اور آسمانی وحی سے خاص تھا۔''

بدموع غزيرة منك حتىٰ
يقضى اللّٰه فيك خير القضاء

''خوب آنسو بہاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ کر دے۔''

فلقد كان ما علمت وصولا
ولقد جاء رحمة بالضياء

''میں جانتی ہوں وہ بہترین رفیق تھا اور وہ روشنی کے ساتھ رحمت لایا تھا۔''

ولقد كان بعد ذلك نورا
وسراجا يضئ فى الظلماء

''اور اس کے بعد وہ نور اور چراغ تھا، اندھیرے میں روشنی کرتا تھا۔''

طیب العود والضریبة والمعادن
والختم خاتم الانبیاء

''جس نے عود، عادات اور معادن کو خوشبو دی اور وہ خاتم الانبیاء تھا۔''

(طبقات ابن سعد ۲/۳۳۲)

اُمِّ ایمنؓ کے گستاخ کو سزا

ابن ابی الفرات جو اُسامہ بن زیدؓ کے غلام تھے۔ منقول ہے کہ ان کی ایک مرتبہ حسن بن اُسامہ بن زیدؓ سے تلخ کلامی ہوگئی۔ ابن ابی الفرات نے انہیں ''اے ابن برکہ'' کہہ کر مخاطب کیا، اس کی مراد اُمِّ ایمنؓ تھیں۔ حسن بن اُسامہؓ نے پکارا کہ لوگو! گواہ رہنا۔ معاملہ مدینہ کے قاضی ابوبکر بن محمد ابن حزم کی عدالت میں جا پہنچا جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قاضی تھے۔ انہیں قصہ گوش گزار کیا گیا تو ابن حزم نے کہا کہ تم نے ابن برکہ کہنے سے کیا مراد لی تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے ان کا نام لیا تھا۔ ابن حزم نے کہا کہ نہیں تم نے تحقیری الفاظ سے انہیں مراد لیا ہے حالانکہ اسلام میں ان کا کردار اہم کردار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ''اماں جان'' کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اور کبھی اُمِّ ایمن کہہ کر مخاطب فرماتے۔ تو نے اسے ''ابن برکہ'' کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس جرم میں اگر میں تجھے قتل کر دوں تو خدا تعالیٰ مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اسے ستر کوڑے لگوائے۔ (طبقات ابن سعد ۸/۲۲۶)

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ کی بہادری

حضرت صفیہ فارع قلعہ میں تھیں جس میں حضرت حسان بن ثابت بھی تھے۔ یہ بچوں اور عورتوں کے ساتھ رہ گئے تھے حکم نبویؐ کی وجہ سے۔ قلعہ کے پاس سے ایک یہودی گزرا اور قلعہ کے گردو پیش کے چکر کاٹنے لگا۔ حضرت صفیہؓ کو شک گزرا اور حضرت حسانؓ کو فرمایا کہ یہ یہودی قلعہ کا چکر کاٹ رہا ہے جیسے کہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں۔ اور اللہ کی قسم! مجھے امن نہیں ہے اس سے کہ یہ ہمارے (مردوں سے) خالی ہونے کی یہودیوں کو مخبری کرے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی مہم میں مصروف ہیں لہٰذا آپ اتریئے اور اس کو قتل کر آئیں۔ حضرت حسانؓ نے فرمایا، اے بنت عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، اللہ کی قسم! آپ

جانتی ہیں کہ میں یہ کام کرنے والا نہیں ہوں۔ تو اس وقت حضرت صفیہؓ نے خیمے کی لکڑی اٹھائی ،قلعہ سے اتریں اور یہودی کو مار مار کر جہنم واصل کر دیا۔ پھر واپس آ کر فرمایا، اے حسان! اتر کر اس کے پاس جاؤ اور اس کا مال لے آؤ، مجھے اس کے مرد ہونے کی وجہ سے یہ مانع ہوا۔ حضرت حسانؓ نے فرمایا، مجھے مال کی کوئی حاجت نہیں ہے اے عبدالمطلب کی بیٹی!۔

الغرض اس طرح حضرت صفیہؓ نے مسلمانوں کو یہودی کے مکر و فریب سے راحت دلائی اور بہادری و دلیری دل کی مضبوطی کا مظاہرہ کیا جو آپؓ کی بے پناہ جرأت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آخر وہ بہن کس کی تھیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...... اسد اللہ و اسد رسول...... اللہ کا شیر اور اس کے رسول کا شیر...... یعنی حضرت حمزہ کی بہن تھیں اور حضرت زبیرؓ کی ماں تھی جو رسولؐ کے شہسوار ہیں۔ اس طرح حضرت صفیہؓ پہلی مسلم خاتون ہیں جنہوں نے ایک یہودی کو ٹھکانے لگایا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۴/۱۱۰)

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ کا بھائی کی شہادت پر صبر

غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ لئے مدینہ سے نکلیں۔ جو لوگ میدان جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے، ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں، ''رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیئے۔''

رحمت عالم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو میدان جنگ کی طرف آتے دیکھا تو ان کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیرؓ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا، صفیہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت حمزہؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی بن حرب کے برچھے سے شہید ہو گئے تھے۔ ہند بنت عتبہ نے اپنے باپ عتبہ (مقتول بدر) کے جوش انتقام میں ان کی نعش کا مثلہ کیا تھا یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سید الشہداء کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ صفیہؓ اپنے محبوب اور شجاع بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی ماں کو حضور ﷺ کے ارشاد سے مطلع کیا تو وہ اس کا سبب سمجھ گئیں۔ بولیں، مجھے معلوم ہو چکا

ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم! مجھے یہ پسند نہیں لیکن میں صبر کروں گی اور ان شاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔

حضور ﷺ حضرت صفیہؓ کے جواب سے آگاہ ہوئے تو آپؐ نے انہیں شہید راہِ حق حضرت حمزہؓ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ بادیدۂ پرنم لاش پر آئیں اور اپنے محبوب بھائی کے جسم کے ٹکڑے بکھرے دیکھ کر ایک آہِ سرد کھینچی اور ...... انا للہ وانا الیہ راجعون ...... پڑھ کر خاموش ہوگئیں۔ پھر ان کے لئے دُعائے مغفرت مانگی اور ان کی تدفین کے لئے دو چادریں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر کے واپس مدینہ چلی گئیں۔

حافظ ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک پُردرد مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں رحمت عالم ﷺ کو یوں مخاطب کیا:

اِنَّ یوماً اتیٰ علیك لیوم
كوّرت شمسه وكان مضيئاً

''آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ آفتاب سیاہ ہوگیا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہؓ محبوب بھائی کے لئے دُعائے مغفرت مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے بھی سیل اشک رواں ہوگیا۔ پھر آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا، مجھے جبرائیل امینؑ نے خبر دی ہے کہ عرشِ معلٰی پر حمزہ بن عبدالمطلب کو اسد اللہ واسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسول کا شیر) لکھا گیا ہے۔'' (تذکار صحابیات ۱۶۶)

حضرت اُمِّ رُومانؓ

۶ ہجری میں افک کا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقین مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ واقعہ کی صورت کچھ ایسی تھی کہ رحمت عالم ﷺ کی طبع مبارک بھی پُرملال ہوگئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے اپنے آقا کا ملال قیامت سے کم نہ تھا۔ دکھیا بیٹیوں کی پناہ گاہ دامانِ مادر ہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ سے اجازت لے کر

گرتی پڑتی اپنے والدین کے گھر پہنچیں۔ یہ ایک دومنزلہ مکان تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوپر کی منزل میں تھے اور حضرت اُمّ رُومان رضی اللہ عنہا نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا، میری بچی! خیر تو ہے، کیسے آئیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت اُمّ رُومان رضی اللہ عنہا ماں تھیں، دکھ تو انہیں بھی بہت ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل رکھنے کو کہا، بیٹی! گھبراؤ نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے، اسے شوہر کی نظروں سے گرانے کے لئے ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دل پر بنی ہوئی تھی، انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے ان کی چیخ نکل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بچی کی چیخ سن کر بالا خانے سے نیچے اترے، واقعہ سنا، رقیق القلب تو تھے ہی، خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا، بیٹی! تم اپنے گھر جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُمّ رُومان رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہنچے۔ اُمّ المومنین رنج والم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہوگئی تھیں، حضرت اُمّ رُومان رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنی گود میں لٹالیا۔ نمازِ عصر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا، آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی تھے، اپنے آقا کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے۔ کہنے لگے، ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بالکل بے گناہ ہوں۔ آخر غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت کی گواہی بڑے پرزور الفاظ میں دی۔ ارشاد ہوا:

"جب تم نے یہ سنا تو مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔" (سورۂ نور)

آیتِ برأت کے نزول سے حضرت اُمّ رُومان رضی اللہ عنہا کو کمال درجے کی مسرت ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سر بھی فخر سے بلند ہوگیا۔ ماں نے بیٹی سے کہا، بیٹی! اٹھو اور اپنے شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ناز سے جواب دیا، میں تو صرف اپنے رَبّ کی ممنون اور شکر گزار ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔ (تذکار صحابیات ۱۷۲)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ پر ابوجہل کا ظلم

جس رات کو سرورِ کائنات ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے غارِ ثور میں تشریف فرما ہوئے۔ مشرکین نافرجام ساری رات کاشانۂ نبوت کے گرد گھیرا ڈال کر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ حضور ﷺ کب باہر تشریف لائیں اور وہ اپنا ناپاک منصوبہ پورا کریں۔ لیکن ان بدبختوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو ان کی آنکھیں پٹم کر دی تھیں اور سرورِ کونین ﷺ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل کر مکہ معظّمہ کو الوداع کہہ چکے تھے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور انہوں نے حضور ﷺ کے بستر اقدس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو استراحت فرماتے دیکھا تو سر پیٹ کر رہ گئے۔ ساری بات ان کی سمجھ میں آ گئی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

ان کا سرخیل ابوجہل اپنے منصوبے کی ناکامی پر غم وغصہ سے دیوانہ ہو گیا اور سیدھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ کر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ اندر سے ایک نوجوان خاتون باہر آئیں۔ ابوجہل نے کڑک کر پوچھا، لڑکی! تیرا باپ کدھر ہے؟ خاتون نے جواب دیا، میں کیا بتا سکتی ہوں۔ یہ سن کر ابوجہل نے خاتون کے چہرے پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری۔ مظلوم خاتون بڑے صبر اور خاموشی کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئیں اور ابوجہل بکتا جھکتا وہاں سے دفع ہو گیا۔

یہ خاتون جنہوں نے فرعون قریش ابوجہل کے قہر وغضب کی مطلق پرواہ نہ کی اور ہجرت کے پرخطر راز کو اپنے نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھا۔ سیّد المرسلین ﷺ کے یارِ غار صدیق اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ تھیں۔ (تذکار صحابیات ۱۷۹)

دادا جان کی تسلی کے لئے

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے لئے نکلے تو ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال واسباب جمع کر لیا اور پانچ ہزار درہم بھی اس سامان کے ساتھ اٹھا کر لے چلے۔ اس کے بعد میرے دادا ابوقحافہ گھر میں داخل ہوئے، وہ

نابینا ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ اپنے ساتھ سارا مال لے گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس مال پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیں، وہ ہرگز یہ مال لے کر نہیں گئے۔ انہوں نے اس بقیہ مال پر ہاتھ رکھا اور کہا، کوئی حرج نہیں، اگر وہ مال چھوڑ گیا ہے تو اچھا کیا مگر میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ خدا کی قسم! میرے والد کوئی سامان چھوڑ کر نہیں گئے تھے لیکن میں نے یہ سوچا کہ دادا جان کو تسلی ہو جائے۔ (سیرۃ نبویہ ا/۴۴۸)

ذات النطاقین

بعض روایتوں میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شب ہجرت میں حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مکے سے نکل کر غارِ ثور میں نزول اجلال فرمایا۔ حضرت اسماءؓ اس راز سے آگاہ تھیں۔ وہ روزانہ رات کو اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف لے جاتیں اور حضور ﷺ اور اپنے والد ماجدؓ کو تازہ کھانا کھلا کر واپس آتیں۔ تیسری رات کے آخری حصے میں عبداللہ بن اریقط جسے راہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا تھا، حسب ہدایت دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پہنچ گیا۔ اسی وقت حضرت اسماءؓ بھی ایک تھیلے میں کھانا ڈال کر آ پہنچیں۔ جلدی میں گھر سے چلتے وقت اس کو باندھنے کے لئے کوئی چیز ساتھ لانے کا خیال نہ رہا چنانچہ انہوں نے اپنا نطاق (وہ رومال یا کپڑا جو اس زمانے میں عورتیں قمیص کے اوپر کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا۔ ایک حصے سے زادِ راہ کے تھیلے کا منہ باندھ کر ایک اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر پر لپیٹ لیا۔ اسی لئے انہیں ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ (تذکار صحابیات ۱۸۳)

حضرت اسماءؓ کی بھوک

حافظ ابن حجر عسقلانی اور طبرانی نے حضرت اسماءؓ کی تنگدستی کے زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو خود حضرت اسماءؓ کی زبانی مذکور ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس زمین میں تھی جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت زبیرؓ کو عطا فرمائی تھی، یہ

بنونضیر والی زمین کہلاتی تھی۔ ایک دن زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں باہر گئے۔ ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے ایک بکری ذبح کی اور بھونی۔ اس کی خوشبو جب میری ناک میں پہنچی تو مجھے ایسی سخت اشتہا پیدا ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان دنوں میری بیٹی خدیجہ پیدا ہونے والی تھی۔ مجھ سے صبر نہ ہوسکا، میں یہودی عورت کے پاس آگ لینے کے لئے گئی اس ارادہ سے کہ شاید وہ مجھ سے کھانے کی بات پوچھے ورنہ مجھے آگ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں پہنچ کر خوشبو سے میری اشتہا میں اور اضافہ ہوگیا لیکن یہودیہ نے کھانے کی بات ہی نہ کی۔ میں آگ لے کر اپنے گھر آگئی اور کچھ دیر بعد پھر یہودیہ کے گھر گئی، پھر بھی اس نے کھانے کی بات نہ کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر اس کے گھر پھیرا ڈالا لیکن کسی نے بات نہ پوچھی۔

اب میں اپنے گھر میں بیٹھ کر رونے لگی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ الٰہی! میری اشتہا کا سامان مہیا کردے۔ اتنے میں اس یہودیہ کا شوہر اپنے گھر آیا اور آتے ہی پوچھا، کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ یہودیہ نے کہا، ہاں پڑوس کی عرب عورت آئی تھی۔ یہودی نے کہا، جب تک اس گوشت میں سے تو اس کے پاس کچھ نہ بھیجے گی، میں ہرگز اس کو نہ کھاؤں گا (کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں کھانے کو نظر نہ لگ گئی ہو)۔ چنانچہ اس نے میرے پاس گوشت کا ایک پیالہ بھیج دیا۔ (اس زمانے میں) میرے لئے اس جگہ اس سے زیادہ پسندیدہ اور عجیب کوئی کھانا نہ تھا۔ (تذکار صحابیات ۱۸۶)

حضرت اسماءؓ کا مشقت برداشت کرنا

حضرت اسماءؓ خود بیان فرماتی ہیں کہ حضرت زبیرؓ نے مجھ سے جب نکاح کیا تو ان کے پاس صرف ایک گھوڑا اور کچھ اور چیزیں تھیں۔ میں ہی اس کا خیال کرتی اور چارا وغیرہ دیتی اور ان کے جانور کیلئے گٹھلیاں کوٹتی، پانی لاتی اور انہیں بھگوتی۔ یہ گٹھلیاں میں حضرت زبیرؓ کی زمین سے جو رسول اللہ ﷺ نے دی تھی، ڈھونڈ کر لاتی تھی اور سر پر رکھ کر لاتی۔ یہ زمین تین فرسخ دور تھی۔ ایک مرتبہ میں گٹھلیاں سر پر رکھ کر لا رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ سے راستے میں ملاقات ہوگئی۔ ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے، آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ آپؐ نے مجھے بلا کر کہا، ''اخ اخ'' تاکہ وہ اونٹنی پر مجھے اپنے پیچھے سوار کرلیں۔ مجھے شرم آئی اور مجھے زبیرؓ کی حیاء و

غیرت بھی یاد آئی۔ کہتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ چلے گئے۔

جب میں گھر آئی اور حضرت زبیرؓ کو واقعہ بتایا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا یہ گٹھلیاں لانا ان کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ گراں لگتا ہے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیج دیا جس سے مجھے گھوڑے کی دیکھ بھال سے چھٹی مل گئی گویا کہ انہوں نے مجھ کو آزاد کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۲۵۰)

ماں سے صلہ رحمی

حضرت اسماءؓ اپنی زندگی کے ہر موقع پر حق کا لحاظ رکھتیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رضاء والے اعمال مانگتی رہتیں۔ اللہ تعالیٰ کے مخالف اپنی کسی رشتہ داری یا تعلق کو خاطر میں نہ لاتیں۔ وہ اپنی والدہ کے سامنے اڑ جاتیں جو کہ انتہائی حیرت کا مقام ہے لیکن حق اس لائق ہے کہ اسی کی اتباع کی جائے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ:

''میرے پاس میری والدہ آئیں کچھ مدد لینے کے لئے، وہ مشرکہ تھیں۔ یہ قریش اور مسلمانوں کے معاہدے کے دوران کی بات ہے۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں ان سے صلہ رحمی کروں۔ اس کے بعد آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے دین کی بابت قتال نہیں کرتے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہاں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔'' (مسلم)

محاسبہ نفس

حضرت اسماءؓ پاکیزہ نفس، ستھرے باطن اور اللہ تعالیٰ سے دل لگائے ہوئے تھیں۔ وہ ہر معاملے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتی تھیں، اس کے باوجود اپنے اندر تقصیر محسوس فرماتیں۔ حضرت ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ:

''اگر حضرت اسماءؓ کے کبھی سر میں درد ہو جاتا تو وہ سر پر ہاتھ رکھ کر فرماتیں کہ یہ میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء ۲/۲۹۰)

حضرت اسماءؓ کی جرأت و بہادری

حجاج بن یوسف نے ایک زبردست فوج کے ساتھ یکم ذی الحجہ ۷۲ ہجری کو مکہ معظمہ کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بے مثال استقامت دکھائی اور چھ ماہ تک اموی فوج کو مکہ معظمہ پر قابض نہ ہونے دیا۔ حجاج نے محاصرے میں اتنی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت و حرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبل بوقبیس پر منجنیقیں نصب کر کے ان سے کعبۃ اللہ پر لگاتار پتھر برسائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پتھروں کی بارش میں بھی اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کے کندھوں اور سر پر آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ محاصرے کی شدت اور خوراک کی قلت سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے۔ حتیٰ کہ ان کے فرزندوں نے بھی بے وفائی کی اور حجاج کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے لیکن اس بہتر سال کے بڈھے شیر نے بنوامیہ کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کا حلف اٹھا رکھا تھا۔

اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت اسماءؓ کی مزاج پرسی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ کچھ علیل تھیں۔ گفتگو کے دوران میں حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا، اماں جان! موت میں بڑی راحت ہے۔ بولیں، شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے (کہ ضعیف العمری کے دکھوں سے نجات پا جاؤں) لیکن بیٹے میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر تمہیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھوں سے تمہارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔ اس واقعہ کے دس دن بعد جب گنتی کے صرف چند ساتھی رہ گئے تو وہ آخری بار حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

> ''اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے، اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہوسکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔''

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:

> ''اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبہ شہادت پر

فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو۔ اور اگر یہ تمہارا کھکھیڑ دنیا طلبی کے لئے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"

ایک اور روایت میں حضرت اسماءؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم! عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا، اماں جان! میں حق و صداقت کے لئے لڑا اور حق و صداقت کے لئے ساتھیوں کو لڑایا، اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بے وفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔"

ابن زبیرؓ نے عرض کیا، اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے جس سے آپ کو رنج ہوگا۔ صدیق اکبرؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

"بیٹے! جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کئے جائیں، اسے کیا پرواہ؟ تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جاؤ۔ راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے، موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا۔"

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزا کلمات سن کر ابن زبیرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور فرطِ محبت و عقیدت سے انہوں نے اپنی والدہ کا سر چوم لیا۔ پھر عرض کیا، اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ

میرے مرنے کے بعد آپ رنج وغم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی برضا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا، مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ صبر وشکر سے کام لیں گی۔ خدا کی قسم! میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آج تک میں نے جو کچھ کیا، وہ سب حق کو سر بلند کرنے کے لئے تھا۔ میں نے کبھی برائی کو پسند نہیں کیا، کسی مسلمان پر ظلم نہیں کیا، کبھی بدعہدی نہیں کی، کبھی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اپنے اعمال کا کڑا محاسبہ کیا اور اپنی حدودِ خلافت میں جہاں تک بن پڑا، عدل جاری کیا۔ لوگوں سے خدا تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرائی اور اعمال بد سے انہیں روکا۔ بخدا میں دین کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رَضا کے سوا مجھے کوئی شے مطلوب نہیں۔ پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

''الٰہی! میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کہیں بلکہ صرف اپنی والدہ محترمہ کی تسکین اور اطمینان کے لئے کہی ہیں۔''

حضرت اسماءؓ نے انہیں دُعا دی اور کہا:

''بیٹے! تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دو، میں ان شاء اللہ صابر وشاکر رہوں گی۔ اب آگے آؤ تاکہ آخری بار تمہیں پیار کرلوں۔''

عبداللہؓ آگے بڑھے، ضعیف العمر ماں نے اپنے لختِ جگر کو گلے لگایا اور ان کا منہ سر چوما۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت اسماءؓ ہاتھ ان کی زرہ پر پڑا تو پوچھا، بیٹے! یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟ عرض کیا، زرہ ہے تاکہ دشمن کے حربوں سے بچاؤ ہو۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا، بیٹے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے اسی وقت زرہ اتار پھینکی، سر پر سفید رومال باندھ لیا اور ماں سے کہا، اماں جان! اب میرے جسم پر معمولی لباس ہے۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا، بیٹا! اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔

حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر صدیق اکبرؓ کا یہ اولوالعزم نواسہ اور حضرت اسماءؓ کا لختِ جگر اپنے مولائے حقیقی سے جاملا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کی خبر سن کر حجاج بن یوسف کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ ابن زبیرؓ کی لاش کو مقام حجون میں سولی پر الٹا لٹکا دیا جائے۔ حضرت اسماءؓ کو حجاج کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے، تو نے میرے لخت جگر کی لاش کو دار پر کیوں لٹکایا؟ حجاج نے جواب میں کہلا بھیجا، میں لوگوں کو ابن زبیرؓ کے انجام سے عبرت دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماءؓ نے اسے پھر پیغام بھیجا کہ میرے بچے کی لاش میرے حوالے کر دو تا کہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر سکوں۔ سنگ دل حجاج نے صاف انکار کر دیا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کے ایک دو دن بعد حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کا مقام حجون سے گزر ہوا۔ ان کی لاش سولی پر لٹکتے دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور اس کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا، اے ابوخبیب! السلام علیک، میں نے تم کو اس (سیاست) میں پڑنے سے منع کیا تھا۔ تم نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے۔

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ ایک کنیز کے سہارے مقام حجون تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں گشت کر رہا تھا۔ حضرت اسماءؓ کو لوگوں نے حجاج کی موجودگی کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا، کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ حجاج نے کہا، وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا تھی۔ حضرت اسماءؓ تڑپ اٹھیں، فرمایا، خدا کی قسم! وہ ملحد نہ تھا بلکہ نماز گزار، روزہ دار اور متقی تھا۔ حجاج نے جھلا کر کہا، بڑھیا! یہاں سے چلی جاؤ، تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔ حضرت اسماءؓ نے بڑی بے باکی سے جواب دیا:

> ''میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم (سفاک) پیدا ہوگا۔ سو کذاب (یعنی مختار بن ابوعبید ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم (سفاک) تو ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کی لاش کے نیچے کھڑے ہو کر ان کی تعریف کی ہے تو اس نے لاش کو اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا اور حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حجاج نے کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل کرو ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔ حضرت اسماءؓ نے جواب میں کہلا

بھیجا، خدا کی قسم! اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا۔ حجاج اب مجبور ہو کر خد حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچا اور دل آزار لہجے میں کہنے لگا، اے ذات النطاقین! سچ کہنا، خدا کے دشمن کا انجام کیسا ہوا؟ حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

''ہاں تو نے میرے فرزند کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کردی ہے۔ میں نے سنا ہے تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النطاقین کہتا تھا، تو خدا کی قسم! میں ذات النطاقین ہوں۔ میں نے ہی رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا توشہ دان اپنے نطاق سے باندھا تھا لیکن میں نے خود حضور ﷺ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک کذاب اور ایک سفاک پیدا ہوگا۔ کذاب کو ہم نے دیکھ لیا، سفاک کا دیکھنا باقی تھا، سو وہ تو ہے۔''

حجاج حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر سکتے میں آگیا اور کان دبا کر وہاں سے چل دیا۔

حضرت اسماءؓ جب حجاج بن یوسف کی طرف سے مایوس ہوگئیں اور انہیں یقین ہوگیا کہ وہ ان کے لخت جگر کی لاش ان کے حوالے نہیں کرے گا تو انہوں نے کسی ذریعہ سے عبدالملک کو دمشق پیغام بھجوایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن زبیرؓ کے بھائی عروہ بن زبیر محاصرہ مکہ کے دوران مین آخر وقت تک ان کے ساتھ تھے۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوگئے اور حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوادی تو وہ مکہ سے پوشیدہ طور پر عبدالملک کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ عروہ سے بڑی محبت اور تکریم سے پیش آیا اور تخت پر اپنے پاس جگہ دی۔ عروہ نے اسے مکہ کے سارے حالات بتائے اور اس سے درخواست کی کہ حجاج کو ابن زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم بھیجے۔ عبدالملک نے اسی وقت حجاج کو ایک غضب آلود خط لکھا جس میں اس کی حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت ابن زبیرؓ کی لاش فوراً حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ عبدالملک کا خط پہنچنے پر حجاج نے ابن زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کردی۔

ابن ابی ملیکہ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے

حضرت اسماءؓ کو ابن زبیرؓ کی لاش ان کے حوالے کئے جانے کی بشارت دی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اسے غسل دو۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ ہم ایک ایک حصہ بدن کو غسل دے کر کفن مین لپیٹتے جاتے تھے۔ جب سارے اعضاء کا غسل ہو چکا تو حضرت اسماءؓ نے اپنے لخت جگر کے لئے دُعائے مغفرت کی، پھر ہم نے جنازہ پڑھ کر ابن زبیرؓ کو مقام حجون میں سپرد خاک کر دیا۔ اس سے پہلے حضرت اسماءؓ فرمایا کرتی تھیں کہ الٰہی! مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں اپنے فرزند کا جثہ کفنا دفنا کر مطمئن نہ ہو جاؤں۔ اس واقعہ کے سات دن (یا بعض روایتوں کے مطابق بیس دن یا سو دن) کے بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیک اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے دانت سلامت تھے اور ہوش وحواس بالکل درست تھے۔ قد دراز اور جسم فربہ تھا۔ (تذکار صحابیات ۱۹۷، ۲۰۴)

حضرت اسماء بنت عمیسؓ

۸ھ..... غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ حضورؐ آبدیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپؐ غمگین کیوں ہیں؟ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں۔ بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی۔ حضورؐ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی۔ آنحضرت ﷺ اپنے اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج وغم میں مصروف ہیں۔ (مسند احمد ۶/ ۳۷۰)

حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر بھی دخل تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور حضرت عمرؓ کی گفتگو

غزوۂ خیبر (محترم ۷ھ) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اجنبی

خاتون حضرت حفصہؓ سے مصروفِ گفتگو تھیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، یہ بی بی کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا، یہ اسماء بنت عمیس زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں وہ حبش والی (حبشیہ) وہ سمندر والی (بحریہ)۔ حضرت اسماءؓ نے کہا، ہاں وہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے (شاید ازراہ خوش طبعی) فرمایا، ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس لئے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مستحق ہیں۔

یہ سن کر حضرت اسماءؓ کو غصہ آ گیا۔ بولیں، جی ہاں آپ نے بجا فرمایا لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، حضور بھوکوں کا کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے۔ لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم حبش کی دور ترین، مبغوض ترین، سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے، ہم کو ایذا دی جا رہی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم! آپ نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے نہ کرلوں گی، نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی۔ خدا کی قسم! کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کج روی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ سرورِ عالم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، عمر یوں کہتے ہیں۔ حضورؐ نے پوچھا، تو تم نے انہیں کیا جواب دیا؟ حضرت اسماءؓ بولیں، یا رسول اللہؐ! میں نے انہیں یوں اور یوں کہا۔ حضورؐ نے فرمایا، وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، عمر اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں۔ (یعنی ایک مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب)۔ حضور ﷺ کے اس ارشادِ مبارک پر حضرت اسماءؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی زبان پر بے اختیار تکبیر و تہلیل جاری ہو گئی۔ جب اس گفتگو کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے، ان سے اس واقعہ کی تفصیل سنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں، حبشہ کے مہاجرین کے لئے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی شے نہ تھی۔

(تذکار صحابیات ۲۲۰)

حضرت ریحانہ

حضرت محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ریحانہ مال فئی میں سے تھی، انتہائی حسین وجمیل تھی۔ جب ان کا خاوند قتل ہو گیا تو یہ قیدی بنا لی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے دن قیدیوں میں سے ان کو بطور صفی کے لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام اور ان کے دین کے درمیان اختیار دیا لیکن انہوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا اور پردہ کا پابند کر دیا۔

انہیں اپنی سوکنوں پر سخت غیرت آتی تھی جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی۔ یہ طلاق ان پر بے حد شاق گزری، اکثر روتی رہتی تھیں۔ ایک دن اسی حال میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کے رونے کو دیکھ کر رحمت دو عالم ﷺ نے رجوع فرما لیا۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی۔

ابو سعید بن وھب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ریحانہ بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھی اور حکم نامی ایک آدمی سے بیاہی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا۔ یہ آپ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں، دیگر ازواج کی طرح ان کی بھی باری مقرر تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو پردہ کروایا تھا۔

زہری سے منقول ہے کہ ریحانہ بنت زید قرطیہ تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی باندی تھی۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرما لیا لیکن پھر طلاق دے دی۔ یہ اپنے گھر والوں ہی میں رہتی اور کہتی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مجھے کوئی دیکھنے نہ پائے۔

(طبقات ابن سعد ۴/۴۱۰)

حضرت اُمّ شریکؓ کا ایمان افروز واقعہ

حضرت اُمّ شریک کہتی ہیں کہ ابو العکر کے گھر والے میرے پاس آئے اور کہا کہ شاید تم ان کے دین پر یعنی اسلام پر ہو۔ میں نے کہا، ہاں میں ان کے دین پر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم ضرور بالضرور تمہیں سخت اذیت اور عذاب دیں گے۔ پھر وہ ہمیں ہمارے گھر سے اٹھا کر لے گئے۔ ہم ذوالخصلہ میں تھے اور وہ ہی ہمارا مسکن تھا، پھر وہ ہمیں

لے کر چلے اور منزل کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ انہوں نے مجھے ایک انتہائی شریر، بدمست اور بدترین اونٹ پر بٹھایا اور وہ مجھے صرف شہد کے ساتھ روٹی دیتے اور پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ سفر کرتے کرتے دوپہر کا وقت ہو گیا اور سورج خوب گرم ہو گیا، ہم شدید تپش محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ لوگ اترے اور اپنے اپنے خیمے لگا لئے لیکن مجھے تپتی دھوپ میں ہی چھوڑ دیا یہاں تک کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ انہوں نے یہ معاملہ میرے ساتھ تین دن تک کیا۔ تیسرے دن پھر انہوں نے کہا کہ جس دین پر تو ہے اسے چھوڑ دے لیکن ان کی بات پورے طور پر میں سمجھ نہ سکی، ہاں چند کلمات البتہ میں نے سن لئے تھے۔ انہوں نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ایک خدا کو ماننا چھوڑ دے۔ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اسی توحید پر قائم ہوں۔

میں پیاس کی سخت تکلیف میں تھی کہ اچانک میں نے اپنے سینے میں ایک ڈول کی ٹھنڈک محسوس کی۔ میں نے اسے پکڑا اور اس میں سے ایک سانس میں فوراً پانی پی لیا۔ پھر وہ مجھ سے دور کر دیا گیا، میں اسے آسمان وزمین کے درمیان فضا میں معلق دیکھ رہی تھی لیکن پکڑ نہ سکتی تھی۔ پھر دوبارہ ڈول میرے قریب کیا گیا۔ میں نے اس میں سے ایک سانس میں کچھ پانی پیا، پھر وہ مجھ سے اٹھا لیا گیا۔ میں اسے فضا میں معلق دیکھ رہی تھی لیکن اس پر قادر نہ تھی۔ پھر تیسری مرتبہ وہ ڈول میرے قریب کیا گیا، اب کی مرتبہ میں نے اس میں سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے سر، چہرہ اور کپڑوں پر بھی چھڑکا۔ لوگ اپنے خیموں سے نکلے اور یہ منظر دیکھنے لگے۔ پھر کہا کہ اے اللہ کی دشمن! یہ تیرے لئے کہاں سے آیا؟ میں نے کہا کہ اللہ کا دشمن تو وہ ہے جو اس کے دین کی مخالفت کرے، یہ پانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس نے مجھے بطور رزق کے عطا فرمایا ہے۔ لوگ یہ سن کر اپنے اپنے مشکیزوں اور برتنوں کی طرف دوڑے لیکن سب مشکیزوں کے منہ بند تھے، کھل نہیں سکتے تھے۔

لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو تیرا رَبّ ہے، وہی ہمارا رَبّ ہے۔ اسی ذات نے تجھے اس بیابان میں رزق عطا فرمایا ہے۔ ہم نے جو کچھ تیرے ساتھ سلوک کیا اس پر ہم نادم ہیں، اسی رَبّ نے اسلام کو بطور دین مشروع فرمایا ہے۔ اس کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے اور سب رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کر گئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ

نے میرے ساتھ فضل و کرم فرمایا تھا، اسے دیکھ کر وہ مجھے اپنوں میں سب سے افضل سمجھنے لگے۔

یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے اپنا نفس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تھا۔ یہ قبیلہ ازدکی ہیں، انتہائی حسین وجمیل اور عمر رسیدہ تھیں۔ یہ خود کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنا نفس آپ کے لئے ہبہ کیا اور آپ کے لئے صدقہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمالیا۔ عائشہؓ نے ان سے کہا، اس عورت میں کوئی خیر و بھلائی نہیں جو اپنا نفس کسی مرد کو ہبہ کر دے۔ اُمّ شریک نے کہا کہ میں وہ عورت ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے مؤمنہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد جب یہ آیت اتری:

وامراۃً مؤمنۃ ان وھب نفسھا للنبی......

تو عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کی رعایت فرمائی ہے۔

یحیٰ بن سعید سے مروی ہے کہ اُمّ شریک دوسیہ نے جب ہجرت کی تو راستے میں ایک یہودی شریک سفر ہوگئی۔ شام ہوئی تو اُمّ شریک روزے سے تھیں۔ اس یہودی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس عورت کو کچھ کھانے پینے کو نہ دینا ورنہ میں تیرے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔ اسی طرح رات گزرتی رہی یہاں تک کہ رات کے آخری حصے میں اچانک ان کے سینے پر پانی کا ایک ڈول اور ایک چمڑے کا تھیلا آموجود ہوا۔ انہوں نے اس میں سے کھایا پیا اور مسافروں کو اندھیرے ہی میں چلنے کے لئے جگا دیا۔ یہودی نے کہا کہ میں ایک عورت کی آواز سن رہا ہوں کہ اس نے کچھ کھا پی لیا ہے۔ اُمّ شریک نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس نے یعنی تمہاری بیوی نے مجھے نہیں کھلایا پلایا۔ اُمّ شریک کے پاس گھی کا ایک ڈبہ تھا جس کو وہ ہر مانگنے والے کو دے دیا کرتی تھی۔ ایک دن ایک شخص نے ان سے اس ڈبہ کا سودا کیا۔ اُمّ شریک نے کہا کہ اس میں کچھ نہیں ہے، خالی ہے۔ پھر اُمّ شریک نے اس میں پھونک ماری اور دھوپ میں لٹکا دیا تو وہ گھی سے بھرا ہوا ملا۔ پھر لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اُمّ شریک کا گھی کا ڈبہ بھی ہے۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۴۲۷)

حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق اور باطل کے درمیان پہلا معرکہ بدر کے میدان

میں ہوا، اس میں حق غالب رہا اور قریش مکہ کے بہت سے آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ان میں حضرت ابوالعاصؓ بھی تھے۔ انہیں ایک انصاری حضرت عبداللہؓ بن جبیر نے اسیر کیا۔ اہل مکہ نے جب یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کے لئے زرفدیہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے بھی مکہ سے اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا ایک ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لئے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت جہیز میں دیا تھا۔ جب سرورِ کائناتﷺ کی خدمت میں یہ ہار پیش کیا گیا تو حضور ﷺ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ یاد آ گئیں اور آپﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زینبؓ کو واپس بھیج دو، یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاصؓ کا فدیہ صرف یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔"

تمام صحابہؓ نے ارشاد نبوی ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابوالعاصؓ نے بھی یہ شرط قبول کر لی اور رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بھیجا کہ وہ "بطن یاجج" کے مقام پر ٹھہر کر انتظار کریں، جب زینبؓ مکہ سے وہاں پہنچیں تو انہیں ساتھ لے کر مدینہ آ جائیں۔

حضرت ابوالعاصؓ نے وعدہ کے مطابق اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔ کفار مکہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ سرورِ کائناتﷺ کی بیٹی مدینہ جا رہی ہے تو انہوں نے کنانہ بن ربیع اور حضرت زینبؓ کا تعاقب کیا اور مقام "ذی طویٰ" میں انہیں جا گھیرا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ کفار کی جماعت میں سے ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو اپنے نیزہ سے زمین پر گرا دیا (یا اونٹ کا منہ پھیرنے کے لئے اپنا نیزہ گھمایا اور حضرت زینبؓ گر پڑیں)۔ وہ حاملہ تھیں، سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ بن ربیع غضبناک ہو گئے، ترکش سے اپنے تیر نکالے اور انہیں کمان پر چڑھا کر للکارے کہ خبردار! اب تم میں سے کوئی آگے بڑھا تو اسے چھلنی کر دوں گا۔ کفار رک گئے۔ ابوسفیان بھی ان میں شامل تھے۔ انہوں نے کہا، بھتیجے! اپنے تیر روک لو، میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا

ہوں۔ کنانہ نے پوچھا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا، محمد ﷺ کے ہاتھوں ہمیں جس رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے، تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ اگر تم اس کی بیٹی کو اس طرح کھلم کھلا ہمارے سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی سبکی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت زینبؓ کے ہمراہ مکہ واپس لوٹ چلو اور پھر کسی وقت خفیہ طور پر زینبؓ کو لے جانا۔

کنانہ نے یہ بات مان لی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ چند دن بعد وہ رات کے وقت چپکے سے حضرت زینبؓ کو ہمراہ لے کر بطن یاجج پہنچے اور انہیں حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد کر کے مکہ واپس چلے گئے۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ (تذکار صحابیات ۱۱۵)

حضرت سبیعہ غامدیہؓ کا خوفِ خدا

حضرت سبیعہؓ قبیلہ بنو غامد کی ایک شریف زادی تھیں۔ وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھیں لیکن ان سے ایک مرتبہ ایک جنسی لغزش سرزد ہوگئی۔ وہ اس فعل کی در پردہ مرتکب ہوئی تھیں، اگر وہ چاہتیں تو کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ ایک سچی مسلمان تھیں، احساس معصیت نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ ایک دن بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئیں، یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، واپس جا، استغفار کر اور اللہ کی طرف انابت ورجوع کر۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان سے گواہ طلب کئے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس وقت کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔ اس پر ارشاد ہوا، جا اور استغفار کر شاید تیرا گناہ اللہ معاف کر دے۔ وہ دوسرے دن پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں، یا رسول اللہ! کیا آپؐ مجھے بھی اسی طرح پھیر پھیر دینا چاہتے ہیں جس طرح آپؐ نے ماعزؓ بن مالک کو لوٹا دیا تھا۔ خدا کی قسم! میں بدکاری کے نتیجہ میں ایک بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ آپؐ نے حکم دیا، واپس جاؤ۔ وہ چلی گئیں۔ تیسرے دن پھر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ پر حد جاری کیجئے تا کہ میں پاک ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا، واپس جاؤ اور بچہ کے پیدا ہونے کا انتظار کرو۔ وہ چلی گئیں۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بچے کو

گود میں لئے ہوئے سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ؐ نے سے درخواست کی کہ مجھ پر حد جاری فرمائیں۔ حضورؐ نے فرمایا، دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب بچہ دودھ چھوڑ دے تب آنا۔ جب بچے کی رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں۔ اب آپؐ نے حکم الٰہی کے مطابق رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت سبیعہؓ نومولود بچے کو گود میں لئے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ فی الحال ہم اس پر حد جاری نہیں کریں گے اور اسے اس وقت چھوڑے رکھیں گے جب تک اس بچے کے دودھ پلانے کا کوئی انتظام نہ ہو جائے۔ یہ سن کر ایک انصاری بزرگ کھڑے ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! اس بچے کی رضاعت میرے ذمہ ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے سبیعہؓ پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا)۔

لوگوں نے حضرت سبیعہؓ پر پتھر برسانے شروع کئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے ایک پتھر پھینکا جو حضرت سبیعہؓ کے سر پر پڑا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر حضرت خالدؓ کے چہرے پر پڑیں۔ ان کے منہ سے حضرت سبیعہؓ کے لئے کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، خالد! زبان کو روکو۔ خدا کی قسم! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ ظلم سے محصول وصول کرنے والا بھی اگر ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت سبیعہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے کہ آپؐ نے ایک ایسی عورت پر نماز پڑھی ہے جو حرام کاری کی مرتکب ہوئی ہے۔ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا، راہِ خدا میں جان قربان کرنے سے بڑھ کر اس نے کوئی چیز نہیں پائی۔ یعنی اس نے محض خوفِ خدا سے خود آ کر اپنے گناہِ کبیرہ کا اقرار کیا اور اپنی جان قربان کر دی۔ (تذکار صحابیات ۳۱۴)

بنت عمروؓ بن وہب کی اطاعت رسولؐ

سرورِ دو عالم ﷺ کے ایک جاں نثار حضرت سعد الاسود سہمیؓ حسن و جمال سے محروم

تھے، اس لئے کوئی شخص ان کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنی مشکل بیان کی تو فرمایا، تم اسی وقت عمرو بن وہب ثقفی کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمروؓ بن وہب کو حضور ﷺ کے فرمان سے آگاہ کیا تو انہیں سعدؓ کی بات کا اعتبار نہ آیا اور انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کی صاحبزادی نے باپ کی گفتگو سنی تو لپک کر دروازے پر آئیں اور حضرت سعدؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے اللہ کے بندے! اگر واقعی رسول اللہ ﷺ نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں۔''

حضرت سعدؓ نے واپس جا کر حضور ﷺ کو ساری بات بتائی تو آپؐ نے لڑکی کو دعائے خیر دی۔ ادھر لڑکی نے اپنے والد کو بھی غضب الٰہی سے ڈرایا، وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عفو تقصیر کے خواستگار ہوئے۔ حضور ﷺ نے اب بنت عمروؓ کا نکاح حضرت سعدؓ سے کر دیا۔ ابھی بیوی کو رخصت کرا کر نہیں لائے تھے کہ ایک غزوہ میں شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کا ترکہ بنت عمروؓ بن وہب کو دلایا۔ (تذکار صحابیات ۳۱۷)

حضرت اروٰیؓ بنت عبدالمطلب

حضرت اروٰیؓ کے حسب و نسب کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ رحمت عالم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ ان کے قبول اسلام پر علامہ ابن سعد، ابن قیم اور بہت سے ... سے اہل سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت اروٰیؓ کا نکاح عمیر بن وہب (بن عبد بن قصی) سے ہوا۔ ان کی صلب سے طلیبؓ پیدا ہوئے۔ ہادیٔ برحق ﷺ نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو جن پاک نفوس نے اس دعوت کے قبول کرنے میں نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر اوّلیت کا شرف حاصل کیا، حضرت طلیبؓ بھی ان میں شامل تھے۔ سرور عالم ﷺ کو اس زمانے میں حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر میں فروکش ہوئے تھوڑی ہی دن گزرے تھے۔ حضرت طلیبؓ دارِ ارقم سے مسلمان ہو کر گھر آئے اور والدہ سے کہا، اماں جان! میں اپنے (ماموں زاد) بھائی محمد ﷺ پر سچے

دل سے ایمان لے آیا ہوں، وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ حضرت اروىؓ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بڑے اخلاص اور دردمندی کے ساتھ اپنے فرزند سے کہا:

''بیٹے! تمہارا بھائی آج مخالفتوں میں گھرا ہوا ہے، بے کس اور مظلوم ہے اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے۔ اے کاش کہ مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی۔''

طلیبؓ نے کہا، اماں! تو پھر آپ بھی اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتیں؟ حضرت اروىؓ نے کہا، مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔ حضرت طلیبؓ نے کہا، اماں! اب انتظار کا وقت نہیں، خدا کے لئے میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو جائیں۔ حضرت اروىؓ مزید عذر نہ کر سکیں، اسی وقت اپنے سعادت مند بیٹے کے ساتھ حضرت ارقمؓ کے گھر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔

دشمنانِ رسولؐ کی پٹائی پر حضرت اروىؓ کی خوشی

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی نے حضرت طلیبؓ کے سامنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ حضرت طلیبؓ جوش غضب سے بے قرار ہو گئے اور اس کو اونٹ کے کلے کی ہڈی مار کر لہولہان کر دیا۔ عوف نے حضرت اروىؓ سے شکایت کی تو انہوں نے بے ساختہ کہا:

ان طلیبا نصر ابن خالہ
واساہ فی دمہ ومالہ

''طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور اس کے مال کی غم خواری کی۔''

حضرت اروىؓ کا بھائی ابولہب اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دفعہ اس نے چند مسلمانوں کو قبول حق کے جرم میں قید کیا تو حضرت طلیبؓ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اپنے ماموں کو خوب پیٹا۔ اپنے سرغنہ کو پٹتے دیکھ کر بہت سے مشرکین حضرت طلیبؓ کو لپٹ گئے اور ابولہب کو چھڑا کر طلیبؓ کو باندھ دیا۔ چونکہ بڑے معزز خاندان کے فرد تھے، اس لئے کچھ دیر

بعد چھوڑ دیا۔ ابولہب نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی۔ حضرت اروی نے جواب دیا، طلیب کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمد ﷺ کی مدد کرے۔ ایک دفعہ حضرت طلیبؓ کو معلوم ہوا کہ ابواہاب بن عزیز دارمی نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انہوں نے چپکے سے جا کر اس کا سر قلم کر ڈالا۔ حضرت اروی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اظہارِ خوشنودی کیا۔ (تذکار صحابیات ۳۲۳)

حضرت زینب بنت ابی معاویہؓ بارگاہِ رسالتؐ میں

فقیہ الامت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اہلیہ تھیں۔ حضرت عبداللہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا اور وہ بہت تنگ دست تھے۔ حضرت زینبؓ دستکار تھیں، جو کچھ کماتی تھیں، اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر صرف کر دیتی تھیں۔ اس طرح دوسرے حاجت مندوں اور مسکینوں کو صدقہ دینے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا۔ سرورِ عالم ﷺ سے صدقہ کا ثواب سن کر ان کے دل میں رہ رہ کر یہ تمنا پیدا ہوتی تھی کہ کاش میرے پاس بھی خیرات کے لئے کچھ رقم بچ جاتی۔ ایک دن حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے کہا، میں جو کچھ دستکاری کے ذریعہ کماتی ہوں، اس سے آپ کی اور آپ کی اولاد کی کفالت کرتی ہوں، اس طرح صدقہ و خیرات کے ثواب سے محروم رہ جاتی ہوں، آپ ہی بتائیں اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا، جس کام میں تمہارا فائدہ ہو وہ کرو، میں تم کو آخرت کے اجر سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت زینب بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ میں ایک دستکار عورت ہوں، جو کچھ کماتی ہوں، شوہر اور اولاد پر خرچ کر دیتی ہوں کیونکہ میرے خاوند کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس طرح مساکین کو صدقہ نہیں کر سکتی، ایسی صورت میں مجھے کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں تم ان کو کفالت کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم ﷺ نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی۔ حضرت زینبؓ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ بہت تنگدست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں، اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی

ہوں، آپ ہی پر کروں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، تم ہی جاؤ۔ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستان مبارک پر حاضر ہوئیں تو دروازے پر انصار کی ایک خاتون کو کھڑے پایا، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مسئلہ پوچھنے آئی تھیں۔ اتنے میں اندر سے حضرت بلالؓ آئے، دونوں بیبیوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کے زیر کفالت یتیموں پر صدقہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟

حضرت بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا سوال پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا، وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، ایک عورت انصار کی ہے اور دوسری زینب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کون سی زینب؟ عرض کیا، عبداللہؓ بن مسعود کی اہلیہ۔ آپؐ نے فرمایا، ان کو دہرا ثواب ملے گا، ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا۔ (تذکار صحابیات ۳۲۵)

زینب بنت ابی معاویہؓ کے تعویذ پر ابن مسعودؓ کا عمل

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جب کسی حاجت سے تشریف لاتے تو دروازے پر رک کر کھانستے اور ناپسندیدگی سے تھوکتے تاکہ اچانک ہمارے پاس کسی ایسے معاملے پر نہ آ جائیں جو ان کو ناگوار گزرے۔ اسی طرح ایک بار وہ تشریف لائے اور کھانسنے لگے۔ میرے پاس ایک بڑھیا تھی جو حمرۃ (وبائی بیماری جس سے بار بار بخار آتا ہے اور جلد پر سرخ دانے پڑ جاتے ہیں) سے جھاڑ پھونک کر رہی تھی۔ میں نے فوراً اس کو چارپائی کے نیچے گھسا دیا۔ پھر حضرت عبداللہ تشریف لائے اور میرے ایک جانب بیٹھ گئے۔ میرے گلے میں انہوں نے دھاگا دیکھا تو دریافت فرمایا، یہ کیسا دھاگہ ہے؟ میں نے عرض کیا، یہ ایک دھاگا ہے جس میں میرے لئے کچھ پڑھ کر پھونکا گیا ہے۔ انہوں نے اسے پکڑا اور توڑ ڈالا۔ فرمانے لگے، بے شک عبداللہ کی آل شرک سے بے پرواہ ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے، بے شک جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے، میاں بیوی کے درمیان محبت ڈالنے والے تعویذ وغیرہ یہ شرک ہیں۔

میں نے عرض کیا، آپؐ یہ کیسے کہہ رہے ہیں جب کہ میری آنکھ خراب تھی، بہہ رہی

تھی اور میر افلاں یہودیہ کے پاس آنا جانا تھا جو جھاڑ پھونک کرتی تھی، اس نے مجھے بھی جھاڑ پھونک کی تو آنکھ رک گئی، صحیح ہوگئی۔ فرمایا، یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ خود اپنے ہاتھ سے خراب کر دیتا ہے، پھر کوئی تعویذ جھاڑ پھونک کرتا ہے تو اس سے رک جاتا ہے۔ تیرے لئے تو وہی بہتر ہے کہ وہ کہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

﴿اذھب الباس رَبّ النّاس اشف وانت الشافی لا شفاءً الا شفائك شفاء لا یغادر سقما﴾

''دور کر دے بیماری کو اے انسانوں کے پروردگار شفا بخش دے اور تو ہی شفا دینے والا نہیں ہے شفاء مگر آپ کی (طرف سے) ہی شفاء ہے ایسی جو بیماری کو بالکل نہ چھوڑے۔'' (تفسیر ابن کثیر ۲/۴۹۴، بخاری)

صدقہ کے متعلق مسئلہ دریافت کرنا

صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ زینبؓ نے کہا، اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ نے آج صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، میرے پاس بھی زیور ہے، میں ارادہ کرتی ہوں کہ اس کو صدقہ کر دوں لیکن ابن مسعودؓ کا گمان ہے کہ وہ اور ان کی اولاد اس کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت دوسروں کے۔ تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿صدق ابن مسعود زوجك و ولدك احق من تصدقت به علیھم﴾

''ابن مسعود نے سچ کہا، تیرا شوہر اور تیری اولاد زیادہ حقدار ہیں ان سے جن پر تو صدقہ کرے۔''

دوسری روایت میں عمرو بن حارث سے مروی ہے کہ زینب ثقفیہ نے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرتی رہو اگرچہ تمہارے زیورات ہی کیوں نہ ہوں۔ تو زینبؓ فرماتی ہیں، میں عبداللہ کے پاس واپس آئی اور کہا، آپ نادار، محتاج، قلیل المال انسان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے لہٰذا تم آپؐ کی خدمت اقدس میں جاؤ اور ان سے مسئلے کے بارے میں دریافت کرو۔ اگر تمہیں دینا

جائز ہو تو تمہیں دے دوں گی ورنہ کسی اور کو۔ عبداللہ نے مجھے کہا، بلکہ تو ہی چلی جا۔

میں چل پڑی۔ دیکھا کہ ایک اور عورت آپؐ کے دروازے پر کھڑی ہے جو انصار سے تھی۔ اس کی بھی وہی حاجت تھی جو میری تھی۔ رسول اللہ ﷺ پردے میں تھے، حضرت بلالؓ ہماری طرف آئے۔ ہم نے انہی کو کہا کہ جا کر آپؐ کو اطلاع دو کہ دو عورتیں دروازے کھڑی ہیں اور آپؐ سے سوال کرتی ہیں کہ کیا صدقہ ان کے شوہروں پر اور ان کی پرورش میں یتیم بچوں پر لگ سکتا ہے، لیکن یہ نہ خبر دینا کہ ہم کون ہیں؟ حضرت بلالؓ آپؐ کے پاس آئے اور سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا، وہ دونوں کون ہیں؟

عرض کیا......ایک انصار کی عورت دوسری زینب

فرمایا......زیانب (زینب کی جمع) میں سے کون سی؟

عرض کیا......عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔

فرمایا......دونوں کے لئے دوگنا اجر ہے۔ ایک قرابت (رشتہ داری) دوسرا صدقہ کرنے کا۔ تو حضرت زینب ثقفیہ واپس ہوئی اس طرح کہ ان کی آنکھیں نبیؐ کے ارشاد سے ٹھنڈی ہوگئی تھیں کہ اپنے شوہر اور اولاد پر خرچ کرنے میں دوگنا اجر ہے۔ (استیعاب ۴/ ۳۱۱)

زوجہ حضرت صفوانؓ بن معطل کا شوق عبادت

نام ونسب معلوم نہیں، مشہور صحابی حضرت صفوانؓ بن معطل کی اہلیہ تھیں۔ امام حاکم نے اپنی ''مستدرک'' میں لکھا ہے کہ حضرت صفوانؓ ۵ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن ان کی اہلیہ ان سے پہلے ہی قبول اسلام کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔ تاہم رسول اکرم ﷺ نے ان کے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی۔ نہایت مخلص صحابیہ تھیں اور عبادت الٰہی سے بے حد شغف تھا۔ ایک دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہؐ! میرے شوہر صفوانؓ بن معطل نماز پڑھنے کی بناء پر مجھ پر سختی کرتے ہیں۔ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتے ہیں اور خود دن چڑھے نماز پڑھتے ہیں۔

اتفاق سے اس وقت مجلس نبویؐ میں حضرت صفوانؓ بھی حاضر تھے۔ حضورؐ نے ان سے حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ نماز میں دو لمبی لمبی سورتیں

پڑھتی ہیں اور میں انہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ایک سورۃ پڑھنا بھی کافی ہے۔ صفوانؓ نے پھر کہا، یا رسول اللہ! یہ کہتی ہیں کہ میں ان کا روزہ تڑوا دیتا ہوں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ نفلی روزے رکھنے پر آتی ہیں تو رکھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ میرے لئے یہ بات تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، ہاں کسی عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اس طرح نفلی روزے نہیں رکھنے چاہئیں۔ پھر صفوانؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے دن چڑھے نماز پڑھنے کی بات درست ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں اور ہمارے خاندان کے لوگوں میں یہ روایت یا عادت مدت سے چلی آتی ہے کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے نہیں اٹھتے۔ حضورؐ نے فرمایا، اچھا صفوان! جب اٹھو تو نماز ضرور پڑھ لیا کرو۔ (تذکار صحابیات ۳۵۶)

حضرت خولہؓ بنت حکیم کی حالت

حضرت عثمانؓ بن مظعون کو عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن کو اکثر روزے سے رہتے تھے۔ ان کے شوق عبادت نے بیوی بچوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک دن حضرت خولہ حرم نبویؐ میں آئیں تو نہایت پریشان حال تھیں اور ہر قسم کی زنانہ زیب و آرائش سے خالی تھیں۔ اُمہات المومنین نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا، تم نے ایک بیاہتا عورت ہو کر اپنی حالت کیوں ایسی بنا رکھی ہے حالانکہ تمہارے شوہر قریش کے نہایت آسودہ حال لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت خولہؓ نے اشارے اشارے میں کہا، ان کو اپنے بیوی بچوں سے کیا غرض، وہ تو رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔

اُمہات المومنین حقیقت حال کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ سرورِ عالم ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ اسی وقت بہ نفس نفیس حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، عثمان! کیا تمہارے نزدیک میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، بلاشبہ آپ کی ذات گرامی میرے لئے نمونہ ہے۔ مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، عثمان ہمارے لئے رہبانیت کا حکم نہیں ہے۔ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں،

نمازیں بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور اہل خانہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں۔ تم پر بھی تمہاری آنکھ، جسم اور اہل وعیال سب کا حق ہے۔ نمازیں پڑھو، روزے رکھو لیکن اہل وعیال کا حق بھی ادا کرو۔

حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب سمجھ گئے۔ اس کے چند دن بعد حضرت خولہؓ اُمہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ان کی حالت ایک دلہن جیسی تھی (اچھا لباس میں تھیں اور خوشبو لگائے ہوئے تھیں)۔ یہ ابن سعد کا بیان ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت خولہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور انہوں نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تذکرہ کیا تھا۔ (تذکار صحابیات ۳۵۸)

حضرت اسماء انصاریہؓ بارگاہ رسالت میں

مکہ سے ہجرت کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اہل مدینہ (اوس اور خزرج) میں سے جو لوگ عقبہ کی بیعت سے محروم رہ گئے تھے، جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت اور بیعت کی سعادت حاصل کرنے لگے۔ اسی زمانے میں ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچھ جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے کہ خواتین کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان میں سے ایک خاتون آگے بڑھ کر یوں عرض پیرا ہوئی:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرد و زن سب کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہے، ہم آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن عورتوں اور مردوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ عورتیں گھروں کے اندر رہتی ہیں اس لئے مردوں کی طرح نمازِ باجماعت، نمازِ جمعہ اور نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتیں اور نہ حج اور جہاد میں عمومیت سے حصہ لے سکتی ہیں۔ البتہ جب مرد باہر ہوتے ہیں تو وہ ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں، ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے اہل وعیال

کی پوشاک کے لئے چرخہ کاتتی ہیں اور کپڑا بنتی ہیں۔ کیا عورتوں کو بھی
مردوں کے کارہائے خیر کا اجر وثواب ملے گا۔"

رحمت عالم ﷺ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان سے بہت متاثر ہوئے اور صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیا تم نے دین کے بارے میں کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی ہے؟ سب صحابہؓ نے بیک زبان عرض کیا، یارسول اللہؐ! ہمارے خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ کوئی عورت ایسی گفتگو کر سکتی ہے۔ اس پر رحمت عالم ﷺ نے اس خاتون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی بہت ضروری ہے۔ اگر ایک عورت
فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی موافقت اور فرمانبرداری کرتی ہے
تو اس کو بھی مرد کے برابر اجر ملے گا۔"

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سن کر وہ خاتون اور ان کی ساتھی خواتین اس قدر خوش ہوئیں کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ یہ خاتون جن کی فصیح البیانی اور حسن تقریر کا سیّد المرسلین ﷺ نے اعتراف واستحسان فرمایا، حضرت اسماءؓ بنت یزید انصاریہ تھیں۔

(تذکار صحابیات ۳۹۲)

حضرت اُمّ اسحاقؓ کی ہجرت اور صبر

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں اور ابونعیم نے "دلائل" میں ایک صحابیہؓ حضرت اُمّ اسحاقؓ کا ذکر کیا ہے جنہیں ہجرت سے قبل قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، تاہم انہوں نے ہجرت نبویؐ کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ خود ان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ اثنائے راہ میں میرے بھائی نے ایک جگہ مجھ سے کہا، اُمّ اسحاق! تم یہاں ٹھہرو، میں اپنا نفقہ مکہ میں بھول آیا ہوں، اسے جا کر واپس لے آؤں۔ میں نے کہا کہ مجھے اپنے مشرک شوہر کا خوف ہے کہ وہ تمہیں گزند نہ پہنچائے۔ میرے بھائی نے کہا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

اُمّ اسحاقؓ کہتی ہیں کہ میں کئی دن تک وہاں ٹھہری رہی لیکن میرا بھائی واپس نہ

آیا۔ ایک دن ایک شخص وہاں سے گزرا جس کو میں نے پہچان لیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، اُمِ اسحاق! تم یہاں کس لئے بیٹھی ہو۔ میں نے کہا، میں اپنے بھائی کے انتظار میں ہوں جو کئی دن ہوئے مجھے یہاں بٹھا کر مکہ سے اپنا نفقہ لینے گیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ افسوس تیرے بھائی کو تیرے شوہر نے قتل کر دیا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔

اس کے بعد میں طویل پر صعوبت سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپؐ وضو فرما رہے تھے۔ میں آپؐ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور روتے ہوئے عرض کی، یارسول اللہ! میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے میری بات سن کر ایک مٹھی پانی لیا اور میرے چہرے پر چھڑک دیا۔ حضرت اُمِ حکیمؓ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت اُمِ اسحاقؓ کو ایسی تسکین حاصل ہوئی کہ ان پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی پڑتی تو وہ روتی نہیں تھیں اگرچہ ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

(تذکار صحابیات ۳۵۱)

زوجۂ حضرت ابوحمید ساعدیؓ کا آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق

انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں اور مشہور صحابی حضرت ابوحمید ساعدی انصاری کی اہلیہ تھیں۔ ان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی اور عبادت سے بھی بڑا شغف تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرا جی چاہتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہارا اپنی مخصوص کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم گھر کے دوسرے کمروں میں نماز پڑھو اور تمہارا گھر کے کسی کمرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم گھر کی چاردیواری (صحن) میں کسی جگہ نماز پڑھو اور تمہارا گھر کی چاردیواری میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلے (محلے) کی مسجد میں نماز پڑھو اور تمہارا قبیلے (محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں نماز پڑھو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر انہوں نے اپنے گھر کے ایک کونے میں اپنے لئے نماز کی جگہ بنوائی اور جب تک زندہ رہیں، اسی جگہ نماز ادا کرتی رہیں۔ (تذکار صحابیات ۴۵۶)

اُم المصائب حضرت زینبؓ بنت علیؓ کی درد بھری زندگی

سیّدہ زینب کبریٰؓ نے جس گھرانے میں ہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ روئے زمین کا بہترین گھرانا تھا۔ ان کے نانا سیّد الانبیاء فخر موجودات رحمت دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ تھے تو نانی اسلام کی خاتونِ اوّل اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔ والد اسد اللہ الغالب سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو والدہ سیّدۃ النساء خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا بتولؓ تھیں۔ ان کے بھائی جوانانِ جنت کے سردار سیّدنا حسنؓ اور سیّدنا حسینؓ شہید کربلا تھے تو چچا محبوب رسولؐ سیّدنا جعفر طیارؓ شہید موتہ تھے۔ حضرت زینبؓ مستند روایات کے مطابق جمادی الاولیٰ ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ سرورِ عالم ﷺ نے خود ان کا نام زینب رکھا اور اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈالا۔ ان کی کنیت اُمّ الحسن یا بروایت دیگر اُمّ کلثوم تھی۔ واقعہ کربلا کے بعد ان کی کنیت ''اُمّ المصائب'' بھی مشہور ہو گئیں۔

حضرت زینبؓ کی پرورش اور تربیت کا آغاز سرورِ کونین ﷺ، حیدر کرارؓ اور سیّدۃ النساءؓ کے زیر سایہ ہوا۔ ایک دن عہد طفلی میں حضرت زینبؓ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اتر گئی۔ سیّدۃ النساءؓ نے دیکھا تو ان کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا، بیٹی! اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔

ایک دن حضرت حسینؓ اور حضرت زینبؓ میں معصومانہ لڑائی ہو گئی۔ سیدۃ النساءؓ نے انہیں کلام مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا، بچو! لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔ دونوں بچے خوفِ خدا سے کانپ اٹھے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے۔ سیّدۃ فاطمۃ الزہراؓ بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینے سے لگا لیا۔

رسول اکرم ﷺ بھی حضرت زینبؓ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ حسینؓ کی طرح وہ بھی حضور ﷺ کے دوش مبارک پر سوار ہوئیں۔ سرورِ عالم ﷺ حجۃ الوداع کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت زینبؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں، اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ نے رحلت فرمائی تو سیّدہ زینبؓ کی عمر چھ برس کے

لگ بھگ تھی، چھ ماہ بعد وہ ماں کی آغوش شفقت سے بھی محروم ہوگئیں۔ ان حادثوں نے ننھی زینبؓ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفیق ناناؐ اور جاں نثار ماں کی جدائی سے وہ اور ان کے دوسرے بہن بھائی سبھی غم والم کی مورتیں بن گئے۔ سیدنا حضرت علیؓ نے اب بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کے لئے اُمّ البنین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کرلیا۔

بحر علوم خود معلم ہوں تو شاگردوں کی خوش بختی کا کیا ٹھکانہ۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل و دماغ علم و حکمت کے خزانوں سے معمور ہوگئے۔ حضرت زینبؓ نے بھی اپنے جلیل القدر باپ کے علم اور دوسرے اوصاف سے خوب خوب استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ زہد و تقویٰ، عقل و فراست، حق گوئی و بے باکی، عفت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؓ کا نمونہ بن گئیں۔ دراز قد اور متناسب الاعضاء تھیں، چہرۂ مبارک پر اپنے ناناؐ کا جلال تھا اور حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں وقار حیدری نمایاں تھا۔ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم و فضل میں صرف بنو ہاشم ہی نہیں بلکہ تمام قریش میں کوئی لڑکی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بے مثال خطیب تھے، وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے۔ حضرت زینبؓ کو اپنے عظیم باپ کی فصاحت و بلاغت اور زور بیان ورثہ میں ملے۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کرلئے ہیں، انہیں پڑھ کر کون سا دل ہے جو پگھل نہ جائے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہوجائے۔ (تذکار صحابیات ۲۸۰)

حضرت زینبؓ کی شادی

سیدہ زینبؓ جب سن بلوغ کو پہنچیں تو قبیلہ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لئے پیغام نکاح بھیجا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بوجوہ انکار کردیا۔ اس کے بعد حیدر کرارؓ کے بھتیجے، شہید موتہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب کے فرزند عبداللہ اپنے عم محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت

کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے خود عبداللہؓ کی پرورش و تربیت فرمائی تھی اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ان کے نگران و سرپرست تھے۔ وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اور سیرت وصورت میں جوانانِ قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ اس کے بعد خاندان کے چند بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی لختِ جگر کا نکاح حضرت عبداللہؓ سے پڑھا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کا ہے، اس وقت سیّدہ زینبؓ کی عمر بہ اختلاف روایت گیارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ کے گھر خود پہنچا آئیں۔ دوسرے دن انہوں نے دعوتِ ولیمہ کی۔ مہر کی رقم کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے، بعض نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے اور بعض نے چالیس ہزار۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ اس وقت تجارت کیا کرتے تھے اور ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔

حضرت زینبؓ کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی، وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں اور عبداللہؓ بھی ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ اگرچہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں اور خادم بھی لیکن وہ گھر کا کام کاج زیادہ تر اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرمایا کرتے تھے:

''زینب بہترین گھر والی ہے۔''

حضرت عبداللہؓ نہایت کشادہ دست اور فیاض تھے، سیّدۃ النساء کی بیٹی بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے یا کسی کی مصیبت کا انہیں پتہ چلے اور وہ اس کی خبر گیری نہ کریں۔ دونوں میاں بیوی کی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ کئی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دستِ کرم سے فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ امام حسینؓ نے حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ سے کہا، اے ابن عم! تم بہت اسراف سے کام لیتے ہو اور غیر مستحق لوگوں کو بھی اپنی کمائی میں شریک کر لیتے ہو۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا، جان برادر! کیا کروں، سائل کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا، اللہ نے مجھے دولت اسی لئے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں۔

خاوند کے گھر میں دولت کی ریل پیل حضرت زینبؓ کے دل میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی اور وہ بدستور صبر وقناعت، سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔ (تذکار صحابیات ۲۸۲)

حضرت زینبؓ کوفہ میں

۳۷ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ وا پنا مستقر بنایا تو حضرت زینبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بھی مدینہ منورہ سے کوفہ آ گئے۔ کوفہ میں حضرت زینبؓ نہایت تندہی سے درس وتدریس اور وعظ وہدایت کے کام میں مشغول ہوگئیں۔ کوفہ کی خواتین اکثر سیّدہ زینبؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور نہ صرف ان کے پند ونصائح سے مستفیض ہوتیں بلکہ ان سے قرآن کریم کے معانی ومطالب بھی پوچھا کرتیں۔ ایک دفعہ سیّدہ زینبؓ چند عورتوں کے سامنے سورۂ مریم کی تفسیر بیان کر رہی تھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ وہاں تشریف لائے اور بڑے غور سے اپنی لخت جگر کی تقریر سنتے رہے۔ جب ان کا بیان ختم ہوا تو امیر المومنینؓ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا:

"جانِ پدر! میں نے تمہارا بیان سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم کلامِ الٰہی کے اتنے عمدہ طریقے سے بیان کرسکتی ہو۔"

جلد ہی حضرت زینبؓ کے علم وفضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہ ان کی زندگی کا بہترین دور تھا لیکن افسوس کہ سکھ اور اطمینان کا یہ زمانہ بہت مختصر ثابت ہوا۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مسجد کوفہ میں بارگاہِ ربّ العزت میں سجدہ ریز تھے کہ ایک بدبخت خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا اور اپنی زہر آلود تلوار کے بھرپور وار سے امیر المومنین کو شدید زخمی کر دیا۔ ابن ملجم کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔ حضرت زینبؓ نے اسے دیکھا تو غم وغصہ سے بے تاب ہوگئیں اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، او دشمن خدا! تو نے امیر المومنین کو زخمی کر ڈالا۔ ابن ملجم نے کہا، امیر المومنین کو نہیں تمہارے باپ کو۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا، ان شاء اللہ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ابن ملجم نے نہایت بے حیائی سے جواب دیا، تو پھر آہ وفغاں کیوں کرتی ہو، خدا کی قسم! میں نے کئی روز تک اپنی تلوار کو زہر پلایا ہے۔

اسی زہر آلود تلوار کے زخم سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو جام شہادت پی کر خلد بریں میں پہنچ گئے۔ اپنے عالی رتبہ اور معدن علم و فضل باپ کی شہادت سے حضرت زینبؓ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن ابھی ان کی قسمت میں اور بڑے بڑے صدمے لکھے تھے۔ ۴۹ ہجری یا ۵۰ ہجری میں انہیں اپنے برادر بزرگ سیّدنا حضرت امام حسنؓ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا، اس وقت وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھیں۔ (تذکار صحابیات ۴۸۳)

حضرت زینبؓ کربلا میں

ذی الحجہ ۶۰ ہجری میں سیّدنا حضرت امام حسینؓ نے اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل و عیال اور جاں نثاروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکہ سے کوفہ کا عزم کیا تو حضرت زینبؓ بھی اپنے دو نوخیز فرزندوں کے ہمراہ اس مقدس قافلے میں شامل ہوگئیں۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ اگرچہ خود اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے لیکن انہوں نے حضرت زینبؓ اور اپنے بچوں کو امام حسینؓ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت زینبؓ کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے، بھتیجے، بھائی اور ان کے متعدد ساتھی شامی فوج سے مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہوگئے۔

اس موقع پر سیّدہ زینبؓ نے جس حوصلے، شجاعت اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نو اور دس محرم کی درمیانی شب کو حضرت امام حسینؓ کی تلوار صاف کی جانے لگی تو انہوں نے چند عبرت انگیز اشعار پڑھے، حضرت زینبؓ قریب ہی تھیں، یہ اشعار سن کر ان پر رقت طاری ہوگئی اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے:

> ”اے کاش! آج کا دن دیکھنے کے لئے میں زندہ نہ ہوتی۔ ہائے میرے نانا، میری ماںؓ، میرے باپؓ اور میرے بھائی حسنؓ سب مجھ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اے بھائی! اللہ کے بعد ہمارا سہارا اب آپ ہی ہیں، ہم آپ کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے؟“

امام حسینؓ نے فرمایا، زینب! صبر کرو۔ حضرت زینبؓ نے روتے ہوئے عرض کیا، میرے ماں جائے! آپ کے بدلہ میں، میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔ امام حسینؓ اپنی پیاری بہن کی دلدوز باتیں سن کر اشکبار ہو گئے لیکن مؤمنانہ شان سے فرمایا، اے بہن! صبر کرو، خدا سے تسکین حاصل کرو، خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کے لئے فنا ہے۔ ہمارے لئے ہمارے نانا خیر الخلائقؐ کی ذات اقدس نمونہ ہے، تم انہیں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا۔ اے بہن! تمہیں خدا کی قسم ہے کہ اگر میں راہِ حق میں کام آجاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ کو نہ نوچنا اور بین نہ کرنا۔

۱۰ محرم کو جب تمام جاں نثار اہل بیت ایک ایک کر کے دوشِ رسولؐ کے سوار پر قربان ہو گئے تو جوانان اہل بیت کی باری آئی۔ ہم شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبر بن حسینؓ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تو حضرت زینبؓ ...... یا ابن اخاہ ...... کہتی ہوئی خیمے سے باہر دوڑیں، اس بھتیجے کو انہوں نے بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا، ان کی خون آغشتہ لاش سے چمٹ گئیں۔ حضرت حسینؓ نے انہیں وہاں سے اٹھا کر خیمہ کے اندر بھیجا اور جوان فرزند کی لاش اٹھا کر خیمے کے سامنے لے آئے۔

علی اکبرؓ کے بعد عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ، احمد بن حسنؓ، ابو بکر عبداللہ بن حسنؓ، جعفر بن عقیلؓ، عمر بن علیؓ، عثمان بن علیؓ اور دوسرے نوجوان سوائے سات نفوس کے ایک ایک کر کے نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب حضرت زینبؓ نے اپنے نوخیز فرزندوں عونؓ اور محمدؓ کو رزمگاہ میں بھیجنے کے لئے سیّدنا حسینؓ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دینے میں تامل کیا لیکن حضرت زینبؓ نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ بادل نخواستہ انہیں میدان جنگ میں بھیجنے پر مجبور ہو گئے۔ زینبؓ کے دونوں لال اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ آخر شامیوں نے انہیں نرغے میں لے کر تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسا دیا اور دودمان ہاشمی کے دونوں نونہال جام شہادت پی کر خلد بریں میں پہنچ گئے۔ دکھیاری زینبؓ اور مظلوم ماموںؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے لیکن آسمان کی طرف نظر کی اور خاموش ہو گئے۔

عون و محمد کی شہادت کے بعد خانوادۂ نبوت کے باقی نوجوان بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے، عباس بن علیؓ پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ اب سیّدنا حسینؓ تنہا رہ گئے۔ زین

العابدین علیؓ بن حسینؓ بیمار تھے اور لڑنے کے قابل نہ تھے، ان کو اللہ اور زینبؓ کے سپرد کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر سبط رسولؐ اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔ پیاس کا غلبہ تھا، اپنے جگر کے ٹکڑوں اور جاں نثاروں کی شہادت سے سخت دل فگار تھے لیکن آخر حیدر کرارؓ کے فرزند تھے، اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ جس طرف رخ کرتے، دشمن کا دَل بادل کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ شامی بار بار نرغہ کرتے تھے لیکن جونہی شمشیر حسینی چمکتی، بھاگ کھڑے ہوتے۔ دوش رسول کے سوار لڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہو گئے لیکن اللہ رے ہیبت کہ کوئی تنہا سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا، جمگھٹے بنا کر ہر طرف سے تیروں، تلواروں، خنجروں اور نیزوں کی بارش کر رہے تھے۔ حصین بن نمیر نے ایک نیزہ پھینکا جو گلوئے مبارک میں پیوست ہو گیا اور دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اپنے چلو میں تھوڑا سا خون لے کر آسمان کی طرف اچھالا اور فرمایا:

''الٰہی! جو کچھ تیرے حبیبؐ کے نواسے کے ساتھ کیا جا رہا ہے تجھی سے اس کی فریاد کرتا ہوں۔''

حضرت زینبؓ نے دور سے اپنے محبوب اور شفیق بھائی کو خون کی کلیاں کرتے دیکھا تو بے تاب ہو گئیں اور دوڑتی ہوئی رزمگاہ کے قریب ایک ٹیلہ پر کھڑی ہو گئیں۔ وہیں سے شامی فوج کے سردار عمر بن سعد کو پکار کر کہا، اے عمر بن سعد! کیا قیامت ہے کہ ابو عبداللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو۔ عمر بن سعد کی آنکھوں پر رَے کی حکومت کی لالچ نے پردہ ڈال رکھا تھا لیکن پھر بھی حضورؐ کے ماموں زاد بھائی (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) کا فرزند تھا، فرطِ ندامت سے رونے لگا اور حضرت زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ تاہم شامیوں کو لڑائی سے روکنا اب اس کے بس میں نہیں تھا یا ظلم سے روکنے کی سعادت اس کی قسمت ہی میں نہ لکھی تھی۔ سیّدنا حسینؓ حضرت زینبؓ کے سامنے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ظالم شامیوں کے دل ان کی شہادت سے بھی ٹھنڈے نہ ہوئے، انہوں نے شہدائے کربلا کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ سیدۃ النساءؓ کے لال کا سر اقدس نیزے پر چڑھایا اور پھر اہل بیت کے خیموں کا رخ کیا۔ ایک بدبخت نے چاہا کہ حضرت زین العابدین کو بھی جو علیل تھے، شہید کر دے لیکن حضرت زینبؓ ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور فرمایا، خدا کی قسم! جب تک

میں زندہ ہوں، اس بیمار کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ ان کا عزم دیکھ کر وہ بدبخت اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ (تذکار صحابیات ۴۸۴)

شہادت حسینؓ کے بعد

۱۲ محرم ۶۱ ہجری کو قافلہ حسینی کے پسماندگان کو جن میں کچھ خواتین، بچے اور عابد بیمار تھے، شامی فوج اسیر کر کے کوفہ کی طرف لے چلی۔ شہداء کے لاشے ابھی میدان کربلا میں بے گور و کفن ہی پڑے تھے۔ جب یہ ستم زدہ قافلہ ان کے پاس سے گزرا تو اہل قافلہ فرطِ الم سے نڈھال ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت زینبؓ کے جذبات غم ان الفاظ میں ڈھل گئے:

......اے محمد مصطفیٰ! آیئے دیکھئے، آپ کے حسینؓ کا خون آغشتہ لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے......

......اس کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے......

......آپؐ کے گھرانے کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں......

......آپؐ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دی گئی ہے اور اس پر خاک اڑ رہی ہے

......اے میرے نانا! یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے......

......ذرا حسین کو دیکھئے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے......

......اس کا عمامہ اور چادر چھین لی گئی ہے......

زینب کبریٰؓ کا نوحہ سن کر دوست دشمن سبھی روتے تھے۔ جب اسیران حق کا لٹا ہوا قافلہ کوفے میں داخل ہوا تو اہل کوفہ ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے، ان میں سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بے وفا کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر شیر خدا کی بیٹی کو تاب ضبط نہ رہی، ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''لوگو! اپنی نظریں نیچی رکھو، یہ محمد رسول اللہ کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔''

(تذکار صحابیات ۴۸۸)

کوفیوں سے خطاب

اس کے بعد انہوں نے اہل کوفہ کے سامنے ایک عبرت انگیز خطبہ دیا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ خود حیدر کرارؓ تقریر فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

''اے کوفیو! اے مکارو! اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو! خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔ تمہاری مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتتی ہیں اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتہ بیعت جوڑا اور پھر خود ہی توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے، تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ خوشامد، شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے۔ تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے، وہ بہت برا ہے۔ تم نے خیر البشر ﷺ کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، قتل کیا ہے۔ خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ آہ اے کوفہ والو! تم نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔ یاد رکھو تمہارا ربّ نافرمانوں کی تاک میں ہے، اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔''

اس خطبہ کو سن کر کوفیوں کو اس قدر ندامت ہوئی کہ ان میں سے اکثر کی روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ حذلم بن کثیر جو عرب کے فصیح ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، وہ بھی حضرت زینبؓ کا خطبہ سننے والوں میں شامل تھا، خطبہ سن کر وہ سیّدہؓ کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت سے دنگ رہ گیا اور بے ساختہ کہنے لگا:

''واللہ! اے علیؓ کی بیٹی! تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے، تمہارے جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' (تذکار صحابیات ۲۸۹)

جرأت و بہادری

دوسرے دن کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے دربار منعقد کیا اور اسیران اہل بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینبؓ بہت خستہ حالت میں تھیں، ابن زیاد نے پوچھا، یہ

عورت کون ہے؟ ایک لونڈی نے کہا، زینبؓ بنت علیؓ ہیں۔ ابن زیاد نے کہا، خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔ حضرت زینبؓ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں عزت بخشی، ان شاء اللہ فاسق رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔ ابن زیادہ نے کہا، تم نے دیکھا، تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟ حضرت زینبؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انہیں درجہ شہادت پر فائز کیا، عنقریب وہ اور تم دار محشر کے سامنے جمع ہوں گے، اس وقت تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ابن زیاد جھلا کر بولا، بنی ہاشم کے سب سے سرکش آدمی کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

حضرت زینبؓ کو ابن زیاد کے اس طرح اظہار مسرت کرنے پر بڑا دکھ ہوا۔ ان کا آبگینہ دل حوادث کربلا سے ٹوٹ چکا تھا۔ بے اختیار رو پڑیں اور فرمایا، خدا کی قسم! تو نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا، ہمارے ادھیڑوں کو قتل کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا، ہماری جڑوں کو اکھاڑا، اگر اسی سے تمہارا دل ٹھنڈا ہونا تو ہو گیا۔ ابن زیاد سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اب اس کی نظر حضرت زین العابدینؒ پر پڑی۔ پوچھا، لڑکے! تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا، علی بن حسینؓ۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد سے پوچھا، اسے کیوں نہیں قتل کیا؟ اس نے جواب دیا، بیمار ہے۔ ابن زیاد نے کہا، اسے میرے سامنے قتل کرو۔ حضرت زینبؓ یہ حکم سن کر تڑپ اٹھیں اور بولیں، اے ابن زیاد! کیا تو ابھی تک ہمارے خون سے سیر نہیں ہوا، کیا اس نقاہت اور بیماری کے مارے ہوئے مصیبت زدہ بچے کو بھی مارو گے۔ اگر اسے قتل کرنا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال۔ یہ کہہ کر حضرت زین العابدینؒ سے چمٹ گئیں۔ ابن زیاد کے دل میں کچھ خیال آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے چھوڑ دو۔ چند دن بعد ابن زیاد نے شہداء کے سروں اور اسیران اہل بیت کو فوج کے پہرے میں یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ (تذکار صحابیات ۲۸۹)

یزیدی دربار میں حضرت زینبؓ کی حق گوئی

طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیران اہل بیت دمشق پہنچے تو تین

چار دن کے بعد انہیں یزید کے دربار میں پیش کیا گیا، ایک سرخ رنگ کے شامی نے فاطمہؓ بنت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا، امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے دے دیجئے۔ حضرت زینبؓ تڑپ اٹھیں اور بولیں، خدا کی قسم! یہ لڑکی نہ تجھے مل سکتی ہے اور نہ یزید کو جب تک کہ اللہ کے دین کو ترک کرنے کا اعلان نہ کر دے، پیغمبرؐ کے خاندان میں کسی کو تو یا تیرا بادشاہ ہرگز لونڈی نہیں بنا سکتا۔ شامی نے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن یزید نے اسے روک دیا۔ جب امام حسینؓ کا سر اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین اہل بیت نے رونے لگیں۔ حضرت زینبؓ نے سر اقدس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے حسینؓ، اے محمد مصطفیٰؐ کے دل بند، اے دوش پیغمبرؐ کے سوار،
اے فاطمۃ الزہراؓ کے لخت جگر، اے جنت کے جوانو کے سردار۔''

یزید نے پوچھا، یہ عورت کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ حسینؓ کی چھوٹی بہن زینبؓ ہیں۔ یزید نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر کہا، کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔ حضرت زینبؓ نے دلیری سے جواب دیا، بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا۔ یزید نے کہا، میری عمر کی قسم! حسینؓ کے نانا میرے دادا سے بہتر تھے، حسینؓ کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں۔ رہا میرا باپ اور حسینؓ کا باپ تو سب کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر حضرت زینبؓ نے یزید اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے ایک دردناک تقریر کی۔ انہوں نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''اے یزید! گردش افلاک اور ہجوم آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا۔ یاد رکھ، ربّ العزت ہم کو زیادہ عرصے تک اس حال میں نہ رکھے گا، ہمارے مقاصد کو ضائع نہ کرے گا، تو نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا اپنے آپ کو پہنچایا ہے۔ آہ! تیرے آدمیوں نے دوش رسولؐ کے سوار اور اس کے بھائیوں، فرزندوں اور ساتھیوں کو نہایت بے دردی سے ذبح کر دیا، انہوں نے پردہ نشینان اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ اے کاش! تو اس وقت شہیدان کربلا کو دیکھ سکتا تو اپنی ساری دولت وحشمت کے بدلے ان کے پہلو میں کھڑا ہونا پسند کرتا۔ ہم عنقریب اپنے ناناؐ کی

خدمت میں حاضر ہو کران مصائب کو بیان کریں گے جو تو تیرے بے درد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں اور یہ اس جگہ ہوگا جہاں اولادِ رسول اور اس کے ساتھی جمع ہوں گے، ان کے چہروں کا خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی، وہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسینؓ اور ان کے ساتھی مرے نہیں، اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کے لئے کافی ہے۔ وہ عادل حقیقی، نبیؐ کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا، وہی ہماری امید گاہ ہے اور اسی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔''

حیدر کرارؓ کی بیٹی کی گرج سن کر یزید اور اس کے درباری سکتے میں آ گئے۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندان رسالتؐ کی حمایت میں میرے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اس نے خواتین اہل بیت کو اپنے خاص حرم سرا میں ٹھہرایا اور جہاں تک ہو سکا ان کی دلجوئی کی کوشش کی۔ چند دن بعد اس نے حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ کے زیر حفاظت قافلہ اہل بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا:

''محملوں میں سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ سیّدۃ النساءؓ کی دل فگار اولاد ہے۔'' (تذکار صحابیات ۴۹۱)

اُمّ المصائبؓ مدینۃ الرسولؐ میں

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے جہاں تک بن پڑا، ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو وہاں بزرگ صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت زینبؓ نے فرطِ الم میں پکارا:

''اے بنی ہاشم! تمہارا چاند غروب ہو گیا، اے میرے نانا کے صحابی! تو نے جس بچے کو کبھی اپنے آقا کے دوش مبارک پر سوار کیا تھا، اس کا جسم اطہر گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو گیا۔''

اس کے بعد اس قدر روئیں کہ غش آ گیا۔ اس موقع پر موجود دوسرے سب لوگ بھی رونے لگے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا۔ فاتح خیبرؓ کی غیور بیٹیوں زینبؓ اور فاطمہؓ نے حضرت نعمان بن بشیر کو ان کے حسن سلوک کے عوض اپنی چوڑیاں اتار کر پیش کیں اور ساتھ ہی معذرت کی کہ اس وقت ہمارے پاس اور کچھ نہیں کہ آپ کی خدمت کا معاوضہ دیں۔ نعمانؓ اشک بار ہو گئے اور کہا، اے بنات رسولؐ! خدا کی قسم! میں نے جو کچھ کیا ہے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے لئے کیا ہے۔ یہ چوڑیاں لے کر میں اپنا اجر ضائع نہیں کروں گا۔ خدا کے لئے انہیں اپنے پاس ہی رکھئے۔ اس دن سارا مدینہ سوگوار تھا۔ ہزاروں لوگوں نے روتے ہوئے ان مصیبت زدہ مسافروں کی پیشوائی کی۔ حضرت زینبؓ روضہ نبویؐ پر حاضر ہوئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

> ''اے میرے پیارے نانا جانؐ! میں آپؐ کے فرزند اور اپنے بھائی حسینؓ کی شہادت کی خبر لائی ہوں، آپؐ کی اولاد کو رسیوں سے باندھ کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔''

اس وقت روضہ نبویؐ کے قریب جتنے لوگ موجود تھے، سب حضرت زینبؓ کے الفاظ سن کر رونے لگے۔ پھر وہ اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے مزار پر گئیں اور اس درد سے روئیں کہ پتھروں کا کلیجہ بھی پانی ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے دوسروں سے ملیں، انہیں اپنی رودادِ غم سنائی اور سب کو صبر کی تلقین کی۔

بے پناہ مصائب نے حضرت زینبؓ کے دل و جگر کے ٹکڑے اڑا ڈالے تھے۔ کربلا سے واپس آنے کے بعد کبھی کسی نے ان کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۶۲ ہجری میں مدینہ منورہ ہی میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی اور یوں یتیمان اہل بیت کی سرپرست، شہدائے کربلا کی یادگار اور دشمنوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والی بے مثال خطیبہ اپنے محبوب اور مظلوم بھائی سے جنت الفردوس میں جا ملیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت زینؓ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ شام چلی گئیں۔ دمشق کے پاس حضرت عبداللہؓ کی کچھ زمینداری تھی۔ وہاں پہنچنے کے بعد بیمار ہوئیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت زینبؓ مدینہ منورہ پہنچ کر شہیدان کربلا کے مصائب نہایت درد انگیز لہجہ میں کمال فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو سنایا کرتی تھیں۔ لوگ ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان میں اولادِ رسولؐ کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا۔ عامل مدینہ نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی، اس نے حکم بھیجا کہ زینبؓ کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دو۔ حضرت زینبؓ پہلے تو جانے پر آمادہ نہ ہوئیں، پھر بعض ہواخواہوں کے سمجھانے بجھانے سے رضامند ہو گئیں اور حضرت سکینہؓ و فاطمہؓ بنات حسینؓ اور کچھ دوسری قرابت دار خواتین کے ہمراہ مصر چلی گئیں۔ وہاں کے والی حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاریؓ نے ان کی نہایت عزت و تکریم کی اور اپنے دارالاقامہ میں ٹھہرایا۔ قریباً ایک سال بعد ۶۳ ہجری میں حضرت زینبؓ وہیں دارِ فنا سے عالم بقا کو سدھاریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تذکار صحابیات ص ۴۹۲)

فاطمہ کے متعلق ایک شامی کی جسارت اور زینب کی جرأت

محرم ۶۱ ھ میں فاطمہ اپنے بھائی حسین بن علیؓ کے ساتھ تھیں جب وہ کربلا میں شہید ہو گئے تو انہیں حضرت حسینؓ کے دوسرے عیال کے ساتھ دمشق لے جایا گیا اور یزید بن معاویہ کے ہاں حاضر کئے گئے تو یزید کے ہاں ایک واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل حارث بن کعب نے حضرت فاطمہ سے نقل کی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بیٹھے تو وہ ہمارے لئے نرم خو ہوا اور ہمارے لئے کچھ چیزیں لانے کا حکم دیا اور ہم پر مہربان ہوا۔ پھر ایک شامی شخص جس کا رنگ لال تھا یزید کے سامنے کھڑا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا کہ یہ لڑکی مجھے ہبہ کردو، اس وقت میں بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے کہنے سے مجھے خوف محسوس ہوا اور میں نے گمان کیا کہ یہ ان کے نزدیک جائز ہے تو میں نے اپنی بڑی بہن زینب کے کپڑے پکڑ لئے۔ وہ مجھ سے بڑی اور زیادہ عقلمند تھیں اور وہ یہ جانتی تھیں کہ یہ جائز نہیں۔ تو انہوں نے اس شخص کو کہا کہ خدا کی قسم! تو نے جھوٹ بولا اور تجھے لعنت پڑے۔ نہ تیرے لئے یہ جائز ہے اور نہ اس کے لئے۔ یزید غصہ ہوا اور بولا کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ خدا کی قسم! یہ میرے لئے جائز ہے اور اگر میں چاہوں تو یہ کر بھی دوں گا۔ زینبؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس کا اختیار نہیں دیا سوائے یہ کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارے دین کے علاوہ دوسرا دین اختیار کر

لو۔اس پر یزید نے غصہ سے تلوار نکال لی اور کہا کہ تم کیسے کہہ رہی ہو؟ دین سے تو تمہارے والد اور تمہارا بھائی نکلے۔ زینب نے کہا، اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی اور نانا کے دین سے تمہیں، تمہارے والد اور دادا کو ہدایت ملی۔ اس نے کہا کہ اللہ کی دشمن تو جھوٹ بول رہی ہے۔ زینب نے کہا کہ تو مؤمنین پر امیر مسلط ہوا ہے تو ظلماً گالیاں دیتا ہے اور اپنی حکومت کی وجہ سے غصہ دکھاتا ہے۔

فاطمہ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! اسے گویا کہ شرم آ گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ پھر اسی آدمی نے دوبارہ کھڑے ہو کر کہا کہ امیر المومنین یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو اور دوبارہ میری طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کو یزید نے کہا، دفع ہو جا۔ اللہ تجھے فیصلہ کن موت ہبہ کرے۔

(دور تابعین کی نامور خواتین ۱۶۶)

ایک جنتی خاتون

ایک روایت میں ہے کہ وہ انصار کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ حبشیہ تھیں اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھیں۔ بدقسمتی سے وہ مرگی کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں، جب اس نامراد بیماری کا دورہ پڑتا تو وہ بے ستر ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یارسول اللہؐ! مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں بے ستر ہو جاتی ہوں، میرے لئے دُعا کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر تو صبر کرے تو اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں جگہ دے گا اور اگر تو چاہے تو میں تیری صحت اور عافیت کے لئے دُعا کروں۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں صبر کروں گی یہاں تک کہ اللہ پاک کے حضور پہنچوں لیکن اس بات کے لئے دُعا فرمایئے کہ میں بے ستری سے محفوظ ہو جاؤں۔ چنانچہ حضورؐ نے دُعا فرمائی اور پھر دورے میں وہ کبھی بے ستر نہ ہوتیں۔

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ مسند احمد میں حضرت عطاء سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے کہا، کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھادوں؟ میں نے کہا، ضرور دکھایئے۔ انہوں نے (ایک عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا، وہ یہ کالے رنگ والی عورت ہے۔ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی۔ اس کے بعد اوپر والی روایت ہے۔ (تذکار صحابیات ۵۰۴)

ایک صحرانشین صحابیہؓ کا استفسار

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک پڑاؤ ملا جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا، تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا، ہم مسلمان ہیں۔ تھوڑی دور ایک خاتون بیٹھی چولہا سلگا رہی تھیں اور ان کا ننا بچہ قریب بیٹھا تھا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو وہ خاتون بچے کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ایک ماں کو اپنے بچے سے جس قدر محبت ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، ہاں بے شک ہے۔ انہوں نے کہا، کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی۔ (ان کی مراد یہ تھی کہ اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو آگ میں نہیں ڈال سکتی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نارِ جہنم کے حوالے کیسے کرے گا)۔ خاتون کی یہ بات سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، پھر سر اٹھا کر فرمایا:

"اللہ صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔"

ایک دوسری روایت میں صورتِ واقعہ یوں بیان کی گئی ہے کہ جب آگ کی لپٹ اٹھتی تو وہ خاتون اپنے بچے کو ایک طرف ہٹا لیتیں۔ انہوں نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا تاہم شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، رسول اللہؐ آپ ہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ہی ہوں۔ انہوں نے کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، کیا خدا ارحم الراحمین نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، بے شک ہے۔ انہوں نے عرض کیا، کیا خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں کے اپنے بچوں پر؟ فرمایا، بے شک ہے۔ انہون نے کہا، ایک ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی (اللہ جو ارحم الراحمین ہے، اپنے بندوں کو آگے میں کیسے ڈالے گا)۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اقدس جھکا لیا اور آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا:

"اللہ اپنے بندوں میں کسی کو عذاب نہیں دے گا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی اللہ کے ساتھ بھی قائم رہے اور جو لا الٰہ الا اللہ کہنے پر تیار نہیں ہوتا۔"

(تذکار صحابیات ۵۱۳)

حضرت غزیہؓ کی مظلومیت اور نصرتِ خداوندی

حضرت غزیہؓ نواح مکہ کے صحرائی علاقے کی رہنے والی ایک بدویہ خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں ان کے کانوں میں جونہی دعوتِ حق کی آواز پڑی، انہوں نے اس پر لبیک کہا۔

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی'' میں محمد بن حبیب البغدادی (متوفی ۲۴۵ ہجری) کی تصنیف ''المحبر'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ خاتون مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں۔ چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرا نشین بدوَن تھیں، اس لئے انہوں نے ان کو خارج البلد کرنا کافی سمجھا۔ چنانچہ ان کو ایک قافلے کے سپرد کر دیا گیا کہ قید و بند کی حالت میں ان کے قبیلے میں پہنچا دیا جائے۔ قافلے والوں نے انہیں ایک اونٹ کی ننگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا۔ حضرت غزیہؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے ایک بار بھی کھانا پانی نہ دیا بلکہ منزل میں اترتے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ تین دن رات اس حالت میں گزرے تو میری حالت غیر ہوگئی اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی کہ یکایک غیب سے کوئی چیز آ کر منہ کو لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ پانی ہے اور واقعی یہ پانی تھا، میں نے سیر ہو کر پیا اور ہوش میں آ گئی۔ صبح لوگ اٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا تو وہ سخت متاثر اور تائب ہوئے اور سب کے سب اسلام لائے۔

حضرت غزیہ کو سرورِ عالم ﷺ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی، اسی کی بناء پر آیت ......ان وّھبت نفسھا لِلنّبیّ...... ان کے حق میں وارد ہوئی۔ (تذکار صحابیات ۵۲۴)

ایک بادیہ نشین صحابیہؓ کی دعوتِ اسلام

رحمت عالم ﷺ ایک مرتبہ اپنے جاں نثاروں کی ایک کثیر جمعیت کے ہمراہ سفر

میں تھے۔ اثنائے سفر میں آپؐ ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اہل لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عمرانؓ بن حصین سے فرمایا، تم دونوں ادھر ادھر گشت کر کے پانی کا سراغ لگاؤ۔ دونوں حسب ارشاد پانی کی تلاش میں نکلے۔ کچھ دور جا کر انہوں نے ایک بدویہ خاتون کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھیں اور انہوں نے اپنے پاؤں پانی کی دو مشکوں پر لٹکا رکھے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرانؓ نے ان سے دریافت کیا، پانی کہاں سے لا رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا، پانی یہاں سے بہت دور ہے، پانی لا کر یہاں پہنچنے میں میرے آٹھ پہر گزر چکے ہیں۔ دونوں صاحبوں نے کہا، تم ہمارے ساتھ چلو۔ خاتون نے کہا، کہاں چلوں؟ انہوں نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ بولیں، وہ شخص جسے لوگ صابی (بے دین، معاذ اللہ) کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا، ہاں جن کو مشرکین ایسا سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔

اب وہ دونوں ان خاتون کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ نے خاتون سے فرمایا، اگر اجازت دو تو تمہاری مشکوں سے تھوڑا سا پانی لے لیں۔ انہوں نے کہا، لے لیں لیکن تھوڑا سا لینا، میں اسے بہت دور سے لائی ہوں اور یہاں تک پہنچنے میں بڑی مشقت اٹھائی ہے۔

حضور ﷺ نے پہلے تو مشکوں کے بالائی منہ کھولے اور برتن میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر وہ منہ بند کر دیئے۔ پھر نیچے کی طرف سے منہ کھول کر تھوڑا تھوڑا پانی نکالا اور حکم دیا کہ تمام لوگ یہاں آ کر خود بھی پانی پئیں اور جانوروں کو بھی پلائیں۔ چنانچہ تمام صحابہؓ نے خود بھی سیر ہو کر پیا اور سواریوں کو بھی خوب پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں اتنی برکت دی کہ کثیر التعداد آدمیوں اور جانوروں کے سیراب ہونے کے باوجود دونوں مشکیں پہلے سے بھی زیادہ لبریز معلوم ہوتی تھیں۔ وہ خاتون یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئیں۔

اب حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس عورت کے لئے کچھ کھانے کا سامان لاؤ۔ صحابہ کرامؓ نے فوراً بہت سا خوردنی سامان (کھجوریں، ستو آٹا وغیرہ) جمع کیا اور حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ایک کپڑے میں باندھ کر خاتون کے اونٹ پر رکھ دیا۔ پھر حضور ﷺ نے خاتون سے فرمایا، تم اب جاؤ اور یہ چیزیں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ جب وہ چلنے لگیں تو مزید ارشاد ہوا،

دیکھ لو تمہاری مشکیں پانی سے بدستور لبریز ہیں، لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اسے اللہ نے پلایا ہے۔

وہ خاتون گھر پہنچیں تو گھر والوں نے پوچھا، تم نے معمول کے خلاف پانی لانے میں اتنی دیر کیوں کی؟ انہوں نے کہا، راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ اس نے مشکوں کا منہ کھول کر جانوروں سمیت اپنے سارے لشکر کو پانی پلایا لیکن میرے پانی میں کوئی کمی نہ آئی۔ خدا کی قسم! دنیا میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی جادوگر (معاذ اللہ) نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہی ہو جیسا کہ اس کے ساتھی اس کو کہتے ہیں۔

اگرچہ سرورِ عالم ﷺ نے بادیہ نشین خاتون کو ان کے پانی کا صلہ دے دیا تھا تاہم صحابہ کرامؓ پر ان کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب کبھی اس علاقے کے مشرکین سے جنگ آزما ہوتے تو ان (خاتون) کے قبیلے کو چھوڑ دیتے تھے۔ وہ صحابہ کرامؓ کی اس منت پذیری سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے تمام اہل قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا، تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کس قدر رعایت کرتے ہیں، یہ محض اس بناء پر ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کو تھوڑا سا پانی پلایا تھا۔ ان کی یہ احسان شناسی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نہایت اچھے لوگ ہیں اور ان کا سردار خدا تعالیٰ کا سچا رسولؐ ہے۔ میری مانو تو ہم سب بھی ان میں شامل ہو جائیں اور ان کے رسولؐ پر ایمان لے آئیں۔ تمام اہل قبیلہ نے ان کی رائے پر صاد کیا اور سب کے سب سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ (تذکار صحابیات ۵۲۷)

حضرت اُمّ علقمہؓ کا اپنے بیٹے سے راضی ہونا

حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ علقمہؓ نام کے ایک صحابی کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی زبان پر تلقین کے باوجود کلمہ شہادت جاری نہ ہوتا تھا۔ علقمہؓ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی۔ حضورؐ نے دریافت کیا، کیا علقمہؓ کے ماں باپ زندہ ہیں؟ آپؐ کو بتایا گیا کہ صرف ماں زندہ ہے اور وہ علقمہؓ سے ناراض ہے۔ حضور ﷺ نے اُمّ علقمہ کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تم میرے پاس آتی ہو یا میں تمہارے پاس آؤں؟ اُمّ علقمہؓ نے جواب میں کہلا بھیجا، میرے ماں باپ

آپؐ پر قربان ہوں، میں کیونکر آپؐ کو زحمت دے سکتی ہوں، میں خود حاضر خدمت ہوتی ہوں۔

چنانچہ اُمّ علقمہؓ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں تو حضورؐ نے ان سے علقمہؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اُمّ علقمہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! علقمہ نہایت نیک آدمی ہے لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلے میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر تو اس کی خطا معاف کردے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اُمّ علقمہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں اس کی طرف سے بہت دکھی ہوں، اس لئے میرا جی اس کو معاف کرنے کو نہیں چاہتا۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور آگ لگا کر علقمہ کو جلا دو۔ اُمّ علقمہ حضور ﷺ کا ارشاد سن کر گھبرا گئیں اور کہنے لگیں، کیا میرے بچے کو آگ میں جلا دیا جائے گا؟ حضورؐ نے فرمایا، ہاں، اللہ کے عذاب کے مقابلے میں یہ عذاب ہلکا ہے، خدا کی قسم! جب تک تو اس سے ناراض ہے، نہ اس کی نماز قبول ہے اور نہ کوئی صدقہ۔ اُمّ علقمہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں آپؐ کو اور حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے علقمہ کو معاف کر دیا۔ اب حضور ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ علقمہؓ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوا ہے یا نہیں۔

حاضرین گئے اور واپس آ کر حضور ﷺ کو بتایا کہ علقمہؓ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا اور کلمہ پڑھتے ہوئے وہ دارِ آخرت کو سدھار گئے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ اس کو غسل اور کفن پہناؤ۔ جب جنازہ تیار ہو گیا تو حضور ﷺ خود جنازہ کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان کو دفن کر چکنے کے بعد صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''جس شخص نے اپنی ماں کی نافرمانی کی یا اس کو تکلیف پہنچائی تو اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کے فرض قبول کرتا ہے، نہ نفل یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور اپنی ماں سے نیکی کرنے اور جس طرح ممکن ہو اس کو راضی کرے۔ اللہ کی رضا ماں کی رضا پر موقوف ہے اور اللہ کی ناراضی ماں کی ناراضی میں مضمر ہے۔''

(طبرانی)۔

(تذکار صحابیات ۵۵۸)

حضرت اُمّ خلادؓ انصاریہ کا پردہ

انصار کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نکاح سوید بن ثعلبہ (خزرجی) سے ہوا، ان کی صلب سے ایک بیٹے خلاد پیدا ہوئے جو بڑے مخلص صحابی تھے۔ وہ غزوۂ بنی قریظہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، ایک یہودی عورت نے اپنے مکان کی چھت سے ان پر بھاری پتھر گرا دیا جس کے صدمہ سے شہید ہو گئے۔ والدہ کو اڑتی اڑتی خبر ملی تو وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عقل وخرد پر بجلی بن کر گرنے والے اس حادثے کے باوجود ان کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ بارگاہِ نبوت میں جو لوگ حاضر تھے، ان میں سے کسی نے کہا، بی بی! تمہارا بیٹا قتل ہو گیا ہے، تعجب ہے کہ ایسی مصیبت کے وقت بھی تم نے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہے۔ اُمّ خلادؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا، اگر میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے تو کیا اب شرم وحیاء بھی کھو دوں؟ ابوداؤد میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا، تمہارے فرزند کو دہرا ثواب ملے گا کیونکہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ (تذکار صحابیات ۳۰۹)

اُمّ عبداللہ کی بہادری

جس زمانہ میں حبیب بن مسلمہ آرمینیا کے علاقوں میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے، ان کی بیوی اُمّ عبداللہ کلبیہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک دن حبیب کو معلوم ہوا کہ آرمینیا قس کا بطریق ''موریان'' بڑے ساز وسامان کے ساتھ ان کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حبیب کے پاس فوج کم تھی اس لئے انہوں نے موریان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ اُمّ عبداللہ نے اپنے شوہر کو اسلحہ سے آراستہ ہوتے دیکھا تو پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ حبیب نے جواب دیا، موریان کے خیمہ کا یا جنت الفردوس کا۔ حبیب جب موریان کی فوج کا قتل عام کرتے ہوئے موریان کے خیمہ پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی بیوی پہلے ہی سے اسلحہ کے زیور سے آراستہ ان کی مدد کے لئے وہاں موجود ہے۔

(فتوح البلدان بلاذری ۲۰۰، تاریخ ملت ۱/۱۹۶)

عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید

حضرت ابن عمرؓ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ ان کے دستر خوان پر کوئی یتیم یا مسکین نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس عادت نے ان کو جسمانی طور پر لاغر کر دیا تھا اور اس بات پر صفیہ کی گوشمالی بھی ہوئی کہ تم اس شیخ (ابن عمرؓ) کا خیال نہیں رکھتی ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کیا کریں، ہم ان کے لئے کچھ بھی پکائیں، یہ دوسروں کو بلا کر کھلا دیتے ہیں۔ پھر صفیہ نے ان مساکین کو جو عبداللہ بن عمرؓ کے راستے میں، جب وہ مسجد سے نکلتے، بیٹھے ہوتے تھے۔ پہلے ہی سے کھانا بھجوا دیا اور کہا کہ ابن عمرؓ کے راستے میں مت بیٹھو۔ پھر جب ابن عمرؓ آئے تو انہوں نے کہا کہ فلاں اور فلاں کو بلواؤ۔ صفیہ نے ان کے پاس بھی کھانا بھیج دیا اور کہا کہ جب ابن عمرؓ تمہیں بلائیں تو مت آنا۔ اس پر ابن عمرؓ سمجھ گئے اور فرمایا، تم یہ چاہتے ہو کہ میں آج رات کھانا نہ کھاؤں۔ پھر انہوں نے اس رات کھانا نہیں کھایا۔

علامہ ابونعیم نے الحلیہ میں حمزہ بن عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر عبداللہ بن عمرؓ کے پاس کھانا زیادہ بھی ہوتا تب بھی وہ پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن مطیع ان کی عیادت کو آیا تو اس نے دیکھا کہ ان کا جسم بالکل لاغر ہو چکا ہے تو اس نے حضرت صفیہ کو کہا کہ آپ ان کا خیال نہیں رکھتیں۔ ان کے لئے اچھا کھانا پکاؤ شاید ان کا جسم بحال ہو جائے۔ صفیہ نے کہا کہ ہم کچھ بھی پکائیں، یہ گھر والوں اور حاضرین پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اور کسی کو کھانے کے لئے بلا لیتے ہیں، اس بارے میں خود ان سے بات کرو۔ ابن مطیع نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! اگر تم کچھ کھاؤ گے تو تمہارا جسم بحال ہو جائے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسی سال ہو گئے، میں نے آج تک پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اب تو یہ چاہتا ہے کہ میں پیٹ بھروں جب کہ میری عمر باقی صرف گدھے کی پیاس کے برابر رہ گئی ہے۔

(الحلیۃ ۱/۲۹۸، صفۃ الصفوۃ ۱/۲۹۳)

حضرت حفصہؓ اور موت کی تیاری

جب حضرت حفصہ (۱) عبادت، زہد، درویشی اور بزرگی کی چوٹی پر پہنچ گئیں تو

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تیاری کی نایاب مثال قائم کی۔ جولوگ حضرت حفصہ کے امور و احوال سے واقف ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک کفن تھا جو انہوں نے موت کے لئے تیار کیا تھا۔ تو انہوں نے حج کیا اور اس کو بطور احرام پہنا تو وہ خود کو کہہ رہی تھیں کہ وہ اللہ سے ملاقات کو اس کے محترم گھر میں پسند کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ پسند کرتی تھیں کہ ان کے نزدیک یہ بات دہرائی جائے کہ ''موت انسان کی شہ رَگ سے زیادہ قریب ہے۔'' تو چاہئے کہ انسان ان مبارک گھڑیوں کو بیت اللہ الحرام میں غنیمت سمجھے۔

جب حضرت حفصہ اپنے حج یا عمرہ سے فارغ ہوئیں تو لوٹ آئیں اور اس کفن کو اپنے قریب رکھ لیا اور جب رمضان کا آخری عشرہ آیا تو وہ رات میں کھڑی ہوئیں اور اس کفن کو پہنا اور اللہ کے سامنے کھڑی ہوئیں اور خشیت اور رجاء کے ساتھ گڑگڑائیں اور اللہ سے اس کے خوف اور طمع میں دُعا کرنے لگیں کہ وہ ان کے اعمال کو قبول فرمالے۔

حاشیہ.... حضرت حفصہ بنت سیرین مشہور تابعی اور فقیہ علامہ ابن سیرین کی بہن تھیں۔ ۳۱ھ میں پیدا ہوئیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے حدیث اور فقہ کے علوم حاصل کئے۔ بڑی عالم و فاضل خاتون تھیں۔ ہر شب کو آدھا قرآن پاک پڑھتیں، ہمیشہ روزہ رکھتیں۔ تابعی خواتین میں اونچا درجہ رکھتی تھیں۔ ۱۰۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ بصرہ میں آسودۂ خاک ہیں۔

موت کا ذکر ان سے ایک لمحے یا اس سے بھی کم جدا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ یہ خواہش کرتی تھیں کہ وہ طاعون میں شہید ہو کر مریں۔ علامہ ابن سعد نے نقل کیا کہ حفصہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے انس بن مالکؓ نے پوچھا کہ تم کس طرح مرنا پسند کرتی ہو؟ میں نے کہا، طاعون سے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔ یہ جواب حضرت حفصہ کی سمجھ پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ طاعون سے وفات عزت ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے خاص کرتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ (الطبقات)

مہدی ابن میمون فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت سیرین تیس سال تک اپنے مصلے سے سوائے کسی کی بات کا جواب دینے یا قضائے حاجت کے نہیں نکلیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/ ۵۰۷) ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے گھر کی مسجد میں داخل ہوتیں تو وہاں پر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پڑھتیں اور سورج طلوع ہونے تک وہاں رہتیں پھر (اشراق کی) نماز

پڑھ کر باہر نکلتیں، پھر وضو اور نیند سے فارغ ہوتیں۔ پھر جب ظہر کا وقت ہوتا تو اپنی مسجد میں چلی جاتیں۔ (صفۃ الصفوۃ ۴/۲۱)

حضرت اُمّ کلثوم اور ملکہ روم

طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ اُمّ کلثوم بنت علیؓ (امیر المومنین حضرت عمرؓ کی بیوی) نے ملکہ روم کو کچھ خوشبوئیں، مشروبات اور خواتین کے بیگ بذریعہ ڈاک بھیجے۔ ڈاکیا نے انہیں ملکہ کو پہنچا دیا اور وصول ہو گئے تو ہرقل کی بیوی نے خواتین کو جمع کیا اور کہا، یہ تحفے عرب کی ملکہ اور ان کے نبی کی بیٹی نے بھیجے ہیں اور پھر اس نے جواباً کچھ تحفے تحائف بھیجے اور بہت اچھا خوبصورت ہار بھی بھیجا۔ پس جب حضرت عمرؓ کے پاس ڈاکیا یہ لے کر پہنچا تو انہوں نے اس کو روکنے اور نماز کے لئے جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ آ گئے تو ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور پھر فرمایا کہ میرے امور میں کوئی کام بغیر شوریٰ کے ہو جائے، اس میں خیر نہیں۔ آپ لوگ بتلاؤ اس ہدیہ کی بابت کہ اُمّ کلثوم نے روم کے بادشاہ کی بیوی کو بھیجے اور پھر اسے ملکہ روم نے بھیجے ہیں۔

لوگوں نے کہا کہ یہ ہدیئے اُمّ کلثوم کا حق ہیں اور روم کے بادشاہ کی بیوی کسی کے دباؤ میں یا آپ کی غلامی میں نہیں کہ وہ نہ کرے اور آپ سے ڈرے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہمیں بھی تو کپڑے ہدیہ کئے جاتے ہیں کہ ہم پہنیں اور اس لئے کہ ہم خرید و فروخت کر کے نفع کمائیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ لے جانے والا تو مسلمانوں کا آدمی تھا اور ڈاک کا نظام بھی مسلمانوں کا ہے اور مسلمان اسے اپنے دل میں بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان تحائف کو بیت المال میں بھجوا دیا اور اُمّ کلثوم کو ان کے خرچ کے برابر کچھ دے دیا۔

(تاریخ طبری ۲/۶۰۱)

خدمت خلق کی عجیب مثال

حضرت عمرؓ خود مسلمانوں کی ضروریات کو پوری کرتے تھے تو ان کی زوجہ اُمّ کلثوم بنت علیؓ بھی ان سے اس شان میں کم نہ تھیں۔ وہ بھلے کاموں میں حضرت عمرؓ کی مدد کرتیں

اور لوگوں کی تکلیف دور کرنے میں شریک کار رہتیں۔ اور کیسے نہ ہوتیں وہ پاکیزہ بیت نبوت کی بیٹی تھیں اور متقی پرہیز گار عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ تو جب بھی بھلائی کا جھنڈا بلند ہوتا وہ اسے سیدھے ہاتھ سے پکڑتیں تاکہ اجر وثواب حاصل کریں۔

ایک رات حضرت عمرؓ لوگوں کے حالات جاننے کے لئے معمول کے گشت پر تھے اور لوگ سوئے ہوئے تھے تاکہ حضرت عمرؓ اپنی رعیت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ ان کے حالاتؓ اور خبریں پتہ چلیں اور ان کی ضروریات کو پورا کریں۔

حضرت عمرؓ مدینہ کی پشت پر تھے کہ انہوں نے ایک بالوں کا خیمہ لگا دیکھا جس میں روشنی اندھیرے میں باہر آ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب ہوئے تو انہوں نے خیمہ میں سے آتی ہوئی ایک عورت کے رونے کی آواز سنی اور ایک شخص کو بیٹھے دیکھا۔ وہ اس کے قریب گئے اور پوچھا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، گاؤں سے آیا ہوں اور امیر المومنین سے کچھ مدد لینے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ خیمہ سے آتی ہوئی کیسی آواز ہے جو میں سن رہا ہوں۔ تو اس نے کہا، اے بھائی! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ جاؤ اپنا کام کرو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟ اس شخص نے کہا، میری بیوی زچگی کے قریب ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس عورت کے پاس کوئی ہے؟ اس نے کہا نہیں ہم دونوں یہاں اجنبی ہیں۔

حضرت عمرؓ تیزی سے اپنے گھر آئے اور اپنی زوجہ اُمّ کلثوم کو فرمایا، اللہ نے تمہاری طرف ثواب کا موقع بھیجا ہے، اجر حاصل کرنا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا، بہت اچھا۔ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ ایک مسافر عورت زچگی کے قریب ہے اور اس کے پاس کوئی نہیں۔ تو انہوں نے کہا، جی ہاں اگر اے امیر المومنین آپ چاہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرے ساتھ چلو اور جو کچھ ولادت میں سامان کی ضرورت ہے یعنی کپڑا، تیل، ہانڈی، آٹا اور کچھ دانے وغیرہ لے چلو۔ تو اُمّ کلثوم ۔۔ آئیں۔ انہوں نے کہا کہ چلو اور میرے ساتھ آؤ۔

حضرت عمرؓ نے ہانڈی، آٹا، گھی وغیرہ اپنی پیٹھ پر لادا اور اُمّ کلثوم نے اس عورت کی ضروریات ۔۔۔ حضرت عمرؓ کے پیچھے چل دیں۔ حتیٰ کہ خیمہ تک پہنچ گئے تو حضرت عمرؓ نے کہا، جاؤ عورت ۔۔۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ اس شخص کے پاس بیٹھ کر ہانڈی تیار کرنے

لگے اور اس کو کہا کہ آگ جلاؤ۔ اس نے جلادی اور انہوں نے ہانڈی کے نیچے آگ رکھی اور کھانے پکانے لگے۔ یہاں تک کہ وہ پک گیا۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ عورت کے ہاں ولادت ہوگئی اور خیمہ میں سے بچے کے رونے کی آواز آنے لگی تو اُمّ کلثوم خیمہ سے نکلیں اور کہا کہ امیر المومنین اپنے ساتھی کو بیٹے کی خوشخبری دیجئے۔

جونہی اس شخص نے امیر المومنین سنا، دہشت زدہ ہوگیا اور اس کو بڑی بات سمجھتے ہوئے ان سے شرماتے ہوئے دور ہوا اور حضرت عمرؓ سے معذرت کرنے لگا۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا، اپنی جگہ کھڑے رہو جیسے ہو، تم پر کوئی حرج نہیں۔ پھر ہانڈی اٹھا کر خیمہ کے دروازے پر رکھی اور آواز دی کہ اُمّ کلثوم ہانڈی اٹھالو اور اس خاتون کو کھانا کھلاؤ۔ جب اُمّ کلثوم اپنے کھانے سے فارغ ہوئیں تو ہانڈی خیمہ کے سامنے رکھ دی۔ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر اسے لیا اور اس شخص کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ میرے بھائی! کھاؤ تم نے پوری رات جاگ کر گزاری ہے، تھک گئے ہوں گے تو اس شخص نے کھالیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اُمّ کلثومؓ کو آواز دی اور فرمایا کہ نکلو۔ پھر اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب کل صبح ہو تو ہمارے پاس آنا، ہم تمہارے لئے مناسب چیزوں کے انتظام کا حکم دیں گے تو اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے صلہ رحمی کی اور اس کے گھر والوں کے لئے مناسب اسے عطا کیا۔ وہ شخص خوش خوش اپنے گھر لوٹ گیا۔ (مناقب عمر بن الخطاب لابن الجوزی ۸۴)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کو حضرت نائلہ کا خط

اس میں کوئی شک نہیں کہ نائلہ بنت الفرافصہ (۱) بات کرنے میں سب عورتوں سے زیادہ فصیح اور قلب کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاکیزہ اور کامل خلقت تھیں۔

حاشیہ...... نائلہ بنت الفرافصہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی محبوب بیوی تھیں۔ کفہ کے قریب سماوہ نامی گاؤں کی رہنے والی تھیں۔ ان کی بہن ہند بنت الفرافصہ سے گورنر کوفہ سعید بن العاص اموی نے شادی کی اور اسی کے سبب نائلہ کی شادی حضرت عثمانؓ سے ہوئی۔ حسین وجمیل اور پڑھی لکھی عقلمند خاتون تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دردناک واقعہ ان کے سامنے پیش آیا بلکہ آگے بڑھ کر قاتل کی تلوار پکڑلی جس کے کھینچنے سے ان کی انگلیاں کٹ کر ہاتھ سے جدا ہوگئیں۔ جوانی کے باوجود حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا اور وفاداری کی عظیم روایت قائم کردی۔

انہوں نے گاؤں میں فصحاء کی پرورش پائی اور جب قریش میں آئیں تو فصاحت وبلاغت میں دنیا کی سردار بن گئیں۔ یہ یاد رہے کہ ان کے شوہر حضرت عثمانؓ خود بھی بلغاء وفصحاء میں سے تھے۔ نائلہ کو فصاحت کا اعزاز قرآن کریم کے فیض سے اور بلاغت سنت مطہرہ کے جمال سے بخشی گئی تھی۔ شاید نائلہ کے منقل کلمات ہماری بات کی دلیل بن جائیں۔ ہم تھوڑے سے فقرے ان کی طرف سے حضرت معاویہؓ کو لکھے جانے والے خط کے پڑھتے ہیں جو انہوں نے اپنی کٹی ہوئی انگلیوں اور حضرت عثمانؓ کے خون میں رنگی ہوئی ان کی قمیص کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان کے کچھ روشن یادگار کلمات یہ ہیں:

> ''یہ خط نائلہ بنت الفرافصہ کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کو لکھا گیا ہے۔ امابعد! میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتی ہوں جس نے تم پر انعام کیا اور تمہیں اسلام سکھایا اور تمہیں گمراہی سے نکالا اور کفر سے نجات دی اور تمہیں دشمن پر مدد عطا کی اور تم پر ظاہری و باطنی نعمتوں کو پورا کیا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر اس کا حق اور اس خلیفہ کا حق یاد دلاتی ہوں جس کی تم مدد نہ کر سکے۔ اللہ کی تمہیں قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کراؤ اور اگر ایک فریق دوسرے پر چڑھ دوڑے تو باغی گروہ سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف آ جائے۔ (الحجرات آیت ۹)
>
> اور امیر المومنین کے خلاف بغاوت ہوئی اور اگر عثمانؓ کا تم پر ولایت کا حق ہے تو ہر مسلمان پر جو اس کی امامت کو چاہتا ہے، لازم تھا کہ اس کی مدد کرتا اور کیسے نہیں؟ اور تمہیں تو ان کا قدیم الاسلام ہونا معلوم ہے۔ ان کا آزمائشوں سے اچھا مقابلہ اور یہ کہ انہوں نے اللہ کا پیغام قبول کیا اور اس کی کتاب کی تصدیق کی اور اس کے رسولؐ کی اتباع کی۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جب اس نے عثمانؓ کا انتخاب کیا تو اس کو دنیا اور آخرت کا شرف عطا کر دیا۔''

پھر نائلہ کا بقیہ خط ہے جس میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پر اثر اور

بلیغ انداز سے مختصر بیان کیا ہے جوان کی کلام پر گرفت کی شہادت دیتا ہے۔ نائلہ اپنے قلم کی آزادی اور فن خطابت میں بلاغت کے اعتبار سے سب سے زیادہ سامعین کے دلوں پر اثر کرنے والی خاتون تھیں۔ یہ ان کی خطابت میں قدرت اور کلام کو اس کے موقع پر رکھنے، سننے والوں کے اعتبار سے کہنے، ان کے احساسات کو جگانے کی طاقت حاصل ہونے کی وجہ سے تھا۔

عمرؓ کا ربّ ہمیں دیکھ رہا ہے

یہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطابؓ تھے۔ اس تاریک رات میں ان کا گھومنا بہت طویل ہو چکا تھا اور تھکاوٹ ان کے جسم پر طاری ہونے لگی تھی۔ یہ ایک چھوٹے سے مکان کی ایک دیوار سے کچھ استراحت کے لئے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت فجر کی لکیریں ظاہر ہونے کے قریب تھیں۔ اندھیرے کا لشکر اپنی آخری گھڑیاں گن رہا تھا کہ وہ دن کی روشنی کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے۔

انہی لمحات میں ان کے کانوں میں دو عورتوں کی آواز اسی چھوٹے گھر کے اندر سے آ پہنچی۔ یہ گفتگو ایک ماں اور اس کی بیٹی کے درمیان تھی۔ بیٹی اپنی ماں سے لڑ رہی تھی اور وہ دودھ میں پانی ملانے سے انکار کر رہی تھی۔ اس کی ماں کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا کہ عمرؓ نے دودھ میں ملاوٹ کرنے سے منع کیا ہے، کیا تم نے کل اس کے منادی کی آواز نہیں سنی تھی جس نے ملاوٹ سے منع کیا تھا۔ تو اس کی ماں نے کہا کہ عمرؓ ہمیں نہیں دیکھ رہا اور نہ ہی اس وقت رات کے آخری پہر اسے ہمارا کچھ معلوم ہے۔ بیٹی نے فوراً جواب دیا کہ امی جان! اگر عمرؓ ہمیں نہیں دیکھ رہا تو عمرؓ کا ربّ تو ہمیں دیکھ رہا ہے اور میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گی جس سے عمرؓ نے منع کیا ہو۔

اس لڑکی کے یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے دل پر ٹھنڈک اور سلامتی کا باعث بنے اور انہیں اس لڑکی کے سچ، ایمان اور خوف من اللہ کے جامع جواب سے تعجب ہوا۔ یہ جواب اپنے نفس کی سراً وعلانیہ نگرانی کا مظہر تھا۔

حضرت عمرؓ تیزی سے مسجد پہنچے، نماز پڑھائی اور پھر اپنے گھر واپس آئے۔ اس ایماندار لڑکی کے الفاظ کہ اگر عمرؓ ہمیں نہیں دیکھ رہا تو عمرؓ کا ربّ تو ہمیں دیکھ رہا ہے، ان کے

کانوں میں گونج رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عاصم کو بلایا اور یہ بھی رشتہ کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے اسے اس لڑکی کے گھر کا پتہ دیا اور اسے جو سنا تھا، وہ بتایا۔ انہوں نے عاصم کو اپنا مشہور قول کہا کہ جاؤ میرے بیٹے اور اس لڑکی کو نکاح میں لاؤ اور میں اسے مبارک سمجھتا ہوں۔ شاید کہ وہ ایسی اولاد جنے جو عرب کی سردار بنے یعنی حکمرانی کرے۔ عاصم نے اس غریب پرہیز گار لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کا نام عمارہ بنت سفیان بن عبداللہ بن ربیعہ الثقفی تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو ھلال سے ان کا تعلق تھا۔ ان سے ایک لڑکی جس کا نام لیلیٰ رکھا گیا تھا، پیدا ہوئی اور اس کی کنیت اُمّ عاصم ہوئی۔ (نسب قریش ۳۶۱، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ۲۲، مناقب عمر لابن الجوزی ۸۴، تاریخ دمشق ۵۳۷، وفیات الاعیان ۳۰۲/۶)

سلمٰی بنت حفصہ کا جوش ایمانی

سلمٰی بنت حفصہ التیمیہ ''تیم اللات قبیلہ سے متعلق تھیں۔ یہ مشہور صحابی مثنیٰ بن الحارثہ الشیبانیؓ کی بیوی تھیں۔ یہ مثنیٰ وہ تھے جنہوں نے گھوڑے کو سدھایا ہوا تھا اور ان کا شہروں کی فتح میں اہم کردار رہا۔ حضرت ابوبکرؓ اور مسلمان ان کے گھوڑے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور ان کا کام بہت آسان بھی تھا۔ مثنیٰؓ ہیبت ناک بہادر، مبارک سوچ رکھنے والے اچھی رائے کے حامل شخص تھے۔ گھوڑوں کی جنگ میں ایسی بہادری دکھاتے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ابوعبید کے پل والے دن زخمی ہوئے اور ان کا زخم کھل گیا، یہ شہید ہو گئے۔ یہ سن ۱۴ھ کی بات ہے۔

جب مثنیٰؓ شہید ہوئے، اس سے پہلے ہی وہ قادسیہ کی طرف چلنے کا حکم دے چکے تھے، اسی طرح سلمٰی کو بھی وصیت کر چکے تھے۔ پھر صحابہؓ نے بھی حکم دیا کہ وہ سلمٰی کو قادسیہ لے جائیں، قادسیہ قریب تھا۔ جب وہ سعدؓ کے پاس پہنچے تو وصیت انہیں پتہ چلی۔ حضرت سعدؓ نے ان پر رحم کی دُعا کی اور ان کے اہل بیت سے اچھے سلوک کی وصیت بھی کی۔

جب سلمٰی کی عدت گزر گئی تو انہوں نے سلمٰی کو نکاح کا پیغام دیا۔ قبول ہونے پر ان سے نکاح کر لیا اور انہیں مقام شراف میں ٹھہرایا۔ اس دن حضرت سعدؓ کے ہاں ستر سے زائد بدری صحابہؓ، تین سو دس سے زائد بیعت رضوان کے حاضرین اور تین سو کے قریب فتح مکہ کے

شریک صحابہ اور سات سو صحابہ کرامؓ کے بیٹے موجود تھے۔ (الکامل فی التاریخ ۲/۴۵۳)

سعدؓ اپنی زوجہ سلمیٰ کو لے کر گھوڑوں کی ترتیب کے وقت قادسیہ میں اترے۔ سلمیٰ حضرت سعدؓ کے ساتھ قادسیہ اور دوسری جنگوں میں بھی شریک ہوئیں لیکن معرکہ قادسیہ میں ان کا عظیم کردار ہے۔

قادسیہ کا معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت سعدؓ کے جسم پر پھنسی پھوڑے نکل آئے تھے، وہ تکلیف کی شدت سے بیٹھ بھی نہیں پاتے تھے۔ جب ''ارماث'' کا دن ہوا (یہ جنگ قادسیہ کا پہلا دن ہے) لوگ حملہ کرنے لگے لیکن سعدؓ پھنسیوں کی وجہ سے قتال میں شریک ہونے پر قادر نہ تھے لیکن اونچی جگہ پر اپنے آپ اور تکلیف کو سنبھالتے ہوئے چڑھ گئے (اسی جگہ انہیں تکلیف ہوئی تھی)۔ تاکہ وہ اپنے لشکر کی مصلحتوں پر نظر رکھ سکیں۔ اس برج میں وہ اپنے سینے پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت سعدؓ کی بہادری کی وجہ سے ان کے قصر کا دروازہ بند نہیں کیا جاتا تھا، اگر کوئی بھاگتا تو سوار اسے پکڑ لیتے تو وہ چھڑا نہیں پاتا تھا۔ حضرت سعدؓ کے ایک طرف ان کی بیوی سلمیٰ بنت خصفہ تھیں جو ان کی تکلیف دیکھ رہی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت سعدؓ کو تکلیف سے بے چین ہوتے اور تھکتے ہوئے دیکھا۔ حضرت سعدؓ اپنے ساتھیوں پر فارسی سواروں کے حملے سے فکرمند تھے۔ سلمیٰ نے اہل فارس کی حرکتیں دیکھیں تو وہ پریشان ہوگئیں اور کہنے لگیں، ہائے مثنیٰ! گھوڑوں کے لئے آج کوئی مثنیٰ نہیں ہے۔ یہ انہوں نے اس شخص کے سامنے کہا جو اپنے آپ اور ساتھیوں کی حالت کو دیکھ کر ویسے ہی تنگ دل ہو رہا تھا۔ حضرت سعدؓ غصہ ہو گئے اور انہیں ایک طمانچہ لگا دیا اور کہا کہ اس مصیبت میں مثنیٰؓ کہاں ہے جس پر چکی گھوم رہی ہے۔ سلمیٰ نے کہا، کیا غیرت اور بزدلی کی وجہ سے؟ یعنی سلمیٰ انہیں جنگ کے دن قصر میں بیٹھنے پر عار دلا رہی تھیں۔ (الکامل فی التاریخ ۴/۲۷۳)

حضرت سعدؓ نے کہا کہ اگر آج تم مجھے عذر کی وجہ سے بری نہیں کرو گی تو کوئی مجھے بری نہیں کرے گا۔ تم میری حالت دیکھ بھی رہی ہو تو لوگ زیادہ حقدار ہیں کہ وہ مجھے معذور نہ کہیں۔ لوگ حضرت سلمیٰ کے پیچھے پڑ گئے اور انہیں ملامت کرنے لگے۔ سعدؓ نہ تو بزدل تھے اور نہ ہی ملامت زدہ۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سلمیٰ نے جو کچھ اپنے شوہر کو کہا تھا، اس کے

بارے میں معذرت کی اور حضرت سعدؓ سے معافی چاہی۔حضرت سعد نے انہیں معاف کر دیا۔

کیا تم نیک کام کرنا چاہتی ہو؟

ابو محجن ثقفی جن کا نام عبداللہ بن حبیب تھا۔جوان محضرمی شعراء میں سے ہیں جنہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں زمانے پائے۔ابو محجن شاعران چند گنے چنے بہادروں میں سے تھے جو انتہائی جرأت اور دلیری سے معروف تھے لیکن یہ شراب پینے کے عادی تھے۔انہیں حد (سزا) بھی مل چکی تھی اور کئی دفعہ ملی۔حضرت عمر بن الخطابؓ نے انہیں شہر سے نکال دیا اور سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس بھیج دیا تا کہ انہیں وہ قید کر لیں۔سعدؓ نے انہیں جیل میں ڈال دیا تھا اور انہیں زنجیر سے اپنے محل میں قید کر لیا جو''عذیب''میں قادسیہ کے پاس واقع تھا۔

مسلمانوں اور فارسی لشکر کے مابین جب لڑائی خوب تیز ہوگئی اور آوازیں ابو محجن کے کانوں میں آنا شروع ہوئیں تو وہ قصر کے اوپر رات کو پہنچے اور سعدؓ سے جیل سے رہائی کی درخواست کی کہ وہ اسے چھوڑ دیں تا کہ وہ اس گھمسان کے معرکہ میں شامل ہو سکے اور ہوسکتا تھا کہ معاملہ طے ہو جاتا مگر حضرت سعدؓ نے اسے رَد کر دیا۔ابو محجن نیچے اتر آئے،ان کا دل اس واقعے کی وجہ سے شدت غم سے پھٹ جانے کے قریب تھا۔وہ بیڑیاں لگے پاؤں سے حضرت سعدؓ کی بیوی سلمیٰ بنت خفصہ کے پاس آئے اور اسے کہا،اے سلمیٰ! اے آل خفصہ کی بیٹی! کیا تم نیک کام کرنا چاہتی ہو۔انہوں نے کہا،وہ کیا ہے ابو محجن۔کہنے لگے،مجھے چھوڑ دو اور مجھے حضرت سعدؓ کا گھوڑا عاریتاً دے دو۔خدا کی قسم! اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو میں تمہارے پاس واپس آ جاؤں گا اور تم میرے پاؤں میں دوبارہ بیڑی ڈال دینا اور اگر میں قتل ہو گیا تو تمہیں مجھ سے آرام ہی ملے گا۔سلمیٰ ان کی بات سن کر دل میں خوفزدہ سی ہوئیں اور کہا کہ مجھے چھوڑ دو،میں یہ نہیں کر سکتی۔وہ بیڑی لگے پاؤں سے واپس لوٹ گئے اور جلے دل،ندامت سے یہ شعر کہے:

كفى حزنا أن تردى الخيل بالقنا

واترك مشدودا علىّ وثاقيا

''غم کے لئے یہی کافی ہے کہ گھوڑے نیزوں سے مر رہے ہوں اور مجھے

زنجیروں میں باندھ کر چھوڑ دیا گیا ہو۔"

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت
مصاریع دونی قدتصم المنادیا

"جب میں اپنی لوہے کی رسی سے نکل جاؤں یا میرے سامنے اکھاڑے بند کر دیئے جائیں تو آواز دینے والے بہرے ہو جائیں۔"

وقد کنت ذا مال کثیر واخوۃ
فقد ترکونی واحد الاخا لیا

"اور میں تو بہت مال اور بہن بھائی رکھنے والا شخص ہوں لیکن انہوں نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا میرا کوئی بھائی نہیں۔"

وقد شف جسمی اننی کل شارق
اعالج کبلا مصمتا قد برانیا

"اور میرا جسم شفاف ہو گیا ہے کہ میں ہر آنے والے سے (یہ ستارے سے) اپنی بندش کا جو خاموش ہے اور جس نے مجھے کمزور کر دیا ہے علاج کرتا ہوں۔"

وللّٰہ دری یوم اترك موثقا
وتزھل عنی اسرتی ورجالیا

"خدا کی قسم! وہ کتنا برا دن ہے جس دن مجھے باندھ دیا گیا ہو اور مجھ سے میرا خاندان اور آدمی دور کیے جا رہے ہوں۔"

حبیسا عن الحرب العوان وقد بدت
واعمال غیری یوم ذالك العوالیا

"حاضر جنگ سے مجھے قید کر دیا جائے اور وہ ظاہر ہو اور مخیر لوگوں کے اعمال اس دن مجھ سے بڑھ رہے ہوں۔"

وللّٰہ عھد لا احیس بعھدہ
لئن فرجت الا ازور الحوانا

''اور اللہ کو عہد ہے اور میں عہد فراموش نہیں کروں گا اگر میں کھول دیا
جاؤں تو کبھی پیالوں کو نہیں دیکھوں گا۔''

سلمیٰ نے ابومحجن کے اشعار سنے، اس کے تاثر اور ندامت کی شدت کو دیکھا اور اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا تو انہوں نے اس کے چہرے پر سچ کی علامات کو دیکھ لیا۔ اس وقت انہوں نے ابومحجن سے کہا، اے ابومحجن! میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا ہے اور تیرے عہد پر راضی ہوں۔ انہوں نے اس کو قید سے آزاد کردیا، پھر اسے کہا، یہ اتنا کچھ ہی میں تمہارے لئے کرسکتی ہوں لیکن گھوڑا میں عاریت پر نہیں دے سکتی۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر میں لوٹ گئیں۔

ابومحجن بلقاء تک پہنچ سکتے تھے، وہ اسے کھینچ لائے اور قصر کے خندق کے قریب والے دروازے سے اسے نکال لائے۔ اس پر سوار ہوئے اور چلنے لگے۔ ہاتھ میں نیزہ لیا اور چلے حتیٰ کہ لوگوں تک جا پہنچے۔ جب میمنہ تک پہنچے تو نعرۂ تکبیر لگایا، پھر قوم کے میسرہ پر دونوں صفوں کے درمیان اپنے نیچے اور ہتھیاروں سے کھیلتے ہوئے حملہ کیا۔ پھر مسلمانوں کی پشت سے لوٹے، پھر میمنہ پر دونوں صفوں کے درمیان نیزے اور ہتھیاروں سے کھیلتے ہوئے حملہ کیا۔ وہ جس طرف بھی حملہ کرتے، اللہ تعالیٰ دشمن کو شکست سے دوچار کرتا۔ اس رات انہوں نے لوگوں کو بری طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

لوگ ان پر تعجب کر رہے تھے کیونکہ وہ انہیں جانتے نہ تھے اور دن میں انہیں دیکھا بھی نہ تھا۔ بعض لوگوں نے کہا، یہ ہاشم کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے یا خود ہاشم ہے۔ حضرت سعدؓ جو کہ لوگوں کو قصر کے اوپر سے دیکھ رہے تھے۔ ابومحجن کی شجاعت دیکھ کر کہنے لگے، اگر ابومحجن قید میں نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ ابومحجن ہے اور یہ ''بلقاء'' ہے۔ اس وقت بعض لوگ کہنے لگے اور وہ بہت متحیر تھے کہ اگر خضر علیہ السلام جنگوں میں حاضر ہوتے تو ہم کہتے کہ یہ خضر ہیں۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ اگر ملائکہ قتال میں نہ آتے ہوتے تو ہم کہتے کہ کوئی فرشتہ ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہا ہے۔

ابومحجن مسلسل قتال کرتے رہے اور نہ تو مسلمان انہیں پہچان سکے، نہ ان سے آگاہ ہوئے۔ اس لئے کہ انہیں تو یہ معلوم تھا کہ ابومحجن حضرت سعدؓ کی قید میں زنجیروں سے جکڑا رات گزار رہا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آج کی رات اس کے تیز رفتار گھوڑے کی پیٹھ پر گزر رہی

ہے، نہ کہ زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں۔ جب رات آدھی گزر گئی تو اہل فارس دفع ہوئے تو مسلمان بھی لوٹ آئے۔ ابو محجن آئے حتیٰ کہ قصر میں داخل ہو گئے جس راستے سے نکلے تھے۔ گھوڑے پر سے اور خود پر سے سامان اتار دیا اور سلمیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ انہوں نے اسے پھر بیڑیاں ڈال دیں جیسے پہلے تھیں۔ ابو محجن یہ کہنے لگے اور بہادری ان کی زبان پر جاری ہو گئی تھی:

لقد علمت ثقیف غیر فخر
بانا نحن اکرمھم سیوفا

''ثقیف نے یہ بغیر کسی فخر کے کیا باوجود اس کے کہ ہم تلواروں میں ان سب سے معزز ہیں۔''

واکثرھم دروعا سابغاوت
واصبرھم اذا کرھوا الوقوفا

''اور چھپا لینے والے خودوں کے اعتبار سے ان سے زیادہ ہیں اور جب وہ کھڑے ہونے کو بھی ناپسند کرتے ہیں، ہم زیادہ صبر والے ہیں۔''

وانا وفدھم فی کل یوم
فان عموا فسل بسھم عریفا

''اور ہم ہر دن ان پر آتے ہیں اور اگر وہ اندھے ہیں تو ان سے کوئی جاننے والا پوچھ لے۔''

ولیلۃ قادس لم یشعروابی
ولم اشعر بمخرجی الزحوفا

''اور قادسیہ کی رات وہ مجھے نہ پہنچان سکے اور میں اپنے رات کو نکلنے سے بے خبر ہوں۔''

فان احبس فذلکم بلائی
وان اترك اذیقھم حتوفا

''اور اگر مجھے قید کیا جائے تو یہ میری مصیبت ہے اور اگر چھوڑ دیا جاؤں تو انہیں موت چکھاؤں گا۔''

سلمٰی کے ہاتھ پر ابو محجن کی توبہ

سلمٰی نے ابو محجن کے اشعار سنے تو دل میں بہت ہی زیادہ خوش ہوئیں، اس کے وعدہ نبھانے کی وجہ سے بھی۔ ابو محجن کے پاس آئیں اور کہا، تمہیں اس شخص (سعدؓ) نے کس وجہ سے قید کیا ہے۔ اس نے کہا کہ سعدؓ نے مجھے کسی حرام کھانے یا پینے کی وجہ سے بند نہیں کیا مگر یہ کہ میں جاہلیت میں پینے والا آدمی تھا اور میں شاعر بھی ہوں۔ شعر میری زبان پر جاری ہوتے ہیں تو میں کبھی کبھی اس کا ذکر زبان پر لے آتا ہوں، اس لئے برا کہلایا جاتا ہوں اور اسی وجہ سے انہوں نے مجھے قید کیا ہے کیونکہ میں نے یہ اشعار کہے تھے:

اذا امت فادفنی الی کرمة
تروی عظامی بعد موتی عروقها

"جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل کی جڑ میں دفن کرنا تاکہ میری ہڈیاں اس کے رس سے سیراب ہو سکیں۔"

ولا تدفننی بالفلاة فاننی
اخاف اذا مامت الا اذوقها

"اور مجھے بیابان میں دفن نہ کرنا میں ڈرتا ہوں کہ جب میں مروں تو ان کو چکھ نہ سکوں۔"

اس رات کے بعد صبح کو سلمٰی حضرت سعدؓ کے پاس آئیں اور انہیں جنگ کی بات اور ابو محجن کی پوری بات گوش گزار دی۔ انہوں نے ابو محجن کو بلایا، انہیں چھوڑ دیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ شراب کے قریب بھی نہ جائیں گے۔ ابو محجن نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کی اور اس کے بعد کبھی اپنی عادت یا شراب کے ذکر پر نہیں لوٹے اور اس کے بعد کبھی اس بری چیز کی بات بھی نہیں کی۔

سلمٰی بنت خصفہ کا ابو محجن کی توبہ کے سبب بننے میں بڑا اہم کردار ہے اور مسلمانوں کی مدد و نصرت میں بھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد اتاردی اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دھکیل دیا، ان کے بڑوں پر قہر نازل کیا اور ہمیشہ کے لئے انہیں ذلیل کر دیا۔

(تاریخ الطبری ۳/۵۷۶، الاستیعاب ۴/۱۸۱، اسد الغابہ ۵/۲۹۰، البدایۃ والنہایۃ ۷/۴۵، الاغانی ۲۱/۱۳۹، الکامل فی التاریخ ۲/۴۷۵)

جنگ اُحد میں اُمّ عمارہؓ کا کردار

یہ مؤمن خاندان غزوۂ اُحد میں جنگ کے لئے نکلا۔ اُمّ عمارہ ان کے بیٹے اور شوہر تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد میں لگ گئے۔ اس دوران اُمّ عمارہؓ پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے میں لگ گئیں۔ لیکن جنگ کے حالات نے پلٹا کھایا اور اُمّ عمارہؓ مشرکین سے لڑائی پر مجبور ہوگئیں اور یہ بہادروں کی جگہ کھڑے ہوکر آنحضرت ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے لگیں۔ انہیں نہ کوئی ڈر لگا، نہ خوف محسوس ہوا اور ایسے وقت میں جب کہ لوگ پشت پہ ہونے والے حملے کی تاب نہ لاکر منتشر ہو گئے تھے، ایسے وقت میں انہوں نے ایک تلوار اور ایک ڈھال ہاتھ میں لی اور آنحضرت ﷺ کے ایک طرف کھڑی ہوگئیں اور آنحضرت ﷺ کے لئے ڈھال بن گئیں۔ حضرت اُمّ عمارہؓ خود فرماتی ہیں:

میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ لوگ تو منتشر ہو چکے اور ہم کل تقریباً دس افراد وہاں رہ گئے۔ میں، میرے شوہر، میرے دونوں بیٹے آنحضرت ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ لوگ شکست دیکھ کر فرار ہو رہے تھے۔ میرے پاس کوئی ڈھال نہ تھی تو اتنے میں ایک شخص وہاں سے فرار ہوتے ہوئے گزرا۔ اس نے اپنی ڈھال یہاں چھوڑ دی، وہ میں نے لے لی اور رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے لگی۔ ہمیں گھڑسواروں نے جو تکلیف پہنچائی، اگر وہ ہمارے برابر کے ہوتے تو ہم انہیں مزہ چکھا دیتے۔"

(سیر اعلام النبلاء ۲/۲۷۹، المغازی ۱/۲۷۰)

اس جگہ میں اُمّ عمارہ کے ہاتھوں ایک گھڑسوار بھی مارا گیا۔ جس کے متعلق وہ فرماتی ہیں:

"ایک گھڑسوار شخص نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے ڈھال سے اسے روکا تو مجھے کچھ نہ ہوا۔ وہ واپس جانے لگا تو میں نے گھوڑے کی کونچوں پر وار کیا۔ وہ پیٹھ کے بل گر گیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ نے زور سے آواز لگائی، اے اُمّ عمارہ کے بیٹے! اپنی ماں کی مدد کرو تو اس نے میری مدد کی حتیٰ کہ میں نے حملہ آور کو موت کی نیند سلا دیا۔" (طبقات ابن سعد ۸/۴۱۴)

اپنی ماں کو سنبھالو

عبداللہ بن زید فرماتے ہیں:

''میں اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا۔ جب لوگ منتشر ہو چکے تھے تو میں اور میری والدہ آپ کے قریب ہو گئے اور ان کا دفاع کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا، اے اُمّ عمارہ کے بیٹے! میں نے کہا، جی۔ آپ نے فرمایا، پھینکو۔ تو میں نے ایک گھڑ سوار مشرک کو پتھر مارا، وہ اس کے گھوڑے کی آنکھ پر لگا تو گھوڑا مضطرب ہوا اور سوار سمیت گر گیا۔ میں نے اسے پتھروں پر رکھ لیا اور مسلسل پتھر مار کر زبردست چوٹ پہنچا دی۔ آپ دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آپ نے میری والدہ کی گردن کے قریب زخم دیکھا تو فرمایا، اپنی ماں کو سنبھالو، ان کے زخم پر پٹی کرو، اے خاندان والو! اللہ تم پر رحمت کرے اور تمہارے سوتیلے والد کا مرتبہ فلاں فلاں سے بہتر کرے۔ اے خاندان والو! اللہ تم پر رحم کرے۔''

(طبقات ابن سعد ۹/ ۴۱۵)

تم نے آج بدلہ چکا دیا

غزوۂ اُحد میں آنحضرت ﷺ نے اس خاندان کے لئے جنت میں اپنے ساتھ رفاقت کی دُعا فرمائی۔ اس مبارک دُعا کا سننا تھا کہ اُمّ عمارہ اور ان کے بیٹے دشمن کی صفوں میں گھس کر لڑنے لگے۔ عبداللہ بن زیدؓ کا ایک مشرک سے مقابلہ ہوا، مشرک نے انہیں ان کے بازو پر ایک کاری زخم لگایا اور پھر انہیں چھوڑ کر دور بھاگ گیا۔ خون ان کے زخم سے بہہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا، اپنے زخم پر پٹی کرو۔ اتنے میں اُمّ عمارہؓ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو لپک کر آئیں اور پٹیاں نکال کر ان کے زخم پر پٹی کی۔ آنحضرت ﷺ ان دونوں بہادروں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اُمّ عمارہؓ نے اپنے بیٹے کو کہا، جاؤ بیٹا! دشمنوں سے لڑو۔ نبی کریم ﷺ بڑے مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اُمّ عمارہ! تیری طرح کس میں اتنی طاقت ہے؟

اُمّ عمارہؓ تلوار ہاتھ میں لئے مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی رہیں اور جو کوئی دشمن آپؐ کے قریب ہونے لگتا، اس کی مرمت کر دیتیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری کہ وہ مشرک سامنے آیا جس نے ان کے بیٹے کو زخمی کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص نے تیرے بیٹے کو مارا تھا تو اُمّ عمارہؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور اس کی پنڈلی پر وار کیا۔ وہ گر گیا، پھر دوسرے لوگوں نے تلواریں چلا کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ وہ مر گیا تو اُمّ عمارہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اُمّ عمارہ! تم نے آج بدلہ چکا دیا۔

اُمّ عمارہؓ اس واقعہ میں آپؐ کی مسکراہٹ کو بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھا حتیٰ کہ ان کے نواجذ (عقل داڑھ) دیکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ عمارہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے تجھے کامیاب کیا، تیری آنکھ کو دشمن سے ٹھنڈا کیا اور تیرا بدلہ تجھے تیری آنکھوں کے سامنے دلوایا۔

(طبقات ابن سعد ۸/۴۱۴، سیر اعلام النبلاء ۲/۲۸۰، اعلام النساء ۵/۱۷۳)

اُمّ عمارہؓ کا عشق نبوی

اُمّ سعد بن سعد، اُمّ عمارہؓ کے زخم بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں نے ان کی گردن پر ایک بڑا گہرا زخم دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اُمّ عمارہؓ! تمہیں یہ زخم کس نے لگایا۔ اُمّ عمارہؓ یہاں اللہ کے دشمن عمرو بن قمیہ کے حملے کو بیان کرتے ہوئے بولیں کہ ابن قمیہ سامنے سے آیا، اس وقت لوگ منتشر ہو چکے تھے۔ وہ چیخا، مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلاؤ، اگر آج وہ بچ گئے تو میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گا۔ اسے میں نے اور مصعب بن عمیرؓ نے روکا اور وہ لوگ بھی جو آپؐ کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ اس نے مجھے یہ زخم لگا دیا، میں نے بھی اس پر چند وار کئے مگر وہ اللہ کا دشمن دو زِرہیں پہنے ہوئے تھا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۴۱۳)

اس زخم کے کاری ہونے کی وجہ سے اُمّ عمارہؓ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئیں تو اپنے بیٹے یا شوہر کے بارے میں نہیں پوچھا بلکہ صرف یہ پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ مشرکین نے انہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی۔ لوگوں نے انہیں جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے، وہ خیریت سے ہیں۔ ان بہادر خاتون کی اسی وجہ سے وہ حضورؐ سے تعریف پہ تعریف پاتی

رہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کو ان کے عمل کی مدح کرتے سنا اور ان کے یوم اُحد میں جہاد کی تعریف کرتے سنا۔ آپ فرمارہے تھے، آج کے دن نسیبہ بنت کعب کا کردار فلاں فلاں کے کردار سے بہتر ہے۔

یوم حنین میں اُمّ عمارہؓ کی بہادری

حضرت اُمّ عمارہؓ فرماتی ہیں کہ جب یوم حنین میں ہر طرف سے لوگ شکست کھا کر نکلے تو ہم پانچ عورتیں تھیں۔ میرے ہاتھ میں تیز دھار تلوار، اُمّ سلیمؓ کے ہاتھ میں خنجر تھا، اُمّ سلیط اور اُمّ الحارث بھی تھیں۔ میں انصار پر چیخ رہی تھی کہ یہ کون سا طریقہ ہے؟ تم اور فرار ہو، ہو نہیں سکتا۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ایک بنو ہوازن کے شخص کو اونٹ پر سوار جھنڈا ہاتھ میں لئے دیکھا۔ وہ اپنے اونٹ سے مسلمانوں پر چڑھائی کر رہا تھا۔ میں نے اسے روکا اور اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اونٹ بہت اونچا تھا، وہ ضرب سے گر گیا تو میں اس کے سوار کو تلوار کے واروں پر رکھ لیا اور مسلسل وار کر کے اسے اتنا شدید زخمی کر دیا کہ وہ اٹھ نہیں سکا اور اونٹ تڑپ رہا تھا۔

ایک طرف رسول اللہ ﷺ تلوار سونتے کھڑے تھے۔ پھر آپؐ نے اسے نیام میں ڈالا اور آوازیں دی، اے سورۂ بقرہ والو! تو لوگ لوٹ آئے اور وہ کہہ رہے تھے، اے بنی عبدالرحمٰن! اے بنی عبیداللہ! اے خیل اللہ۔ آپؐ نے اپنے لشکر کا نام، خیل اللہ "اللہ کا لشکر" رکھا تھا، مہاجرین کا شعار بنی عبدالرحمٰن اور اوس کا شعار بنی عبیداللہ رکھا تھا۔ تو انصار بھی لوٹ آئے اور ہوازن اونٹنی کے دودھ کی طرح کم رہ گئے، پھر انہیں شکست ہوگئی۔ خدا کی قسم! میں نے اس طرح کی شکست نہیں دیکھی تھی کہ وہ ہر طرف سے بھاگ گئے ہوں۔ میرے دونوں بیٹے میرے پاس لوٹے تو وہ قیدی ساتھ لائے جن کی مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ میں غصہ میں ان کی طرف گئی اور ایک شخص کی گردن پر ہاتھ جما دیا۔ لوگوں نے قیدی لانا شروع کئے تو میں نے بنو مازن بن نجار کے پاس تیس قیدی دیکھے۔ بعض مسلمان شکست کھا کر مکہ پہنچ گئے تھے، وہ دوبارہ لوٹ آئے تو نبی کریم ﷺ نے سب کو حصہ دیا۔ (المغازی ۳/۹۰۳)

جنگ یمامہ میں اُمِّ عمارہؓ کی شرکت

مسیلمہ کذاب ایک مرتبہ بنو حنیفہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفد لے کر آیا تھا۔ قبیلے کے مزید لوگ اسے اپنے علاقے میں چھوڑ کر آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ جب یہ لوگ واپس اپنے علاقے میں گئے تو مسیلمہ مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ بنو حنیفہ میں سے بعض لوگ اس کے پیروکار بن گئے اور بعض لوگ نہیں بنے۔ جو لوگ اس کے متبع بنے، چند مضطرب وجوہات کی بناء پر بنے، ان میں سے اہم ''قومی عصبیت'' تھی۔ اس کا فتنہ پھیلنا شروع ہوا اور زمین میں فساد برپا ہو گیا۔

یہاں سے ایک شہید صابر کا کردار نمودار ہوتا ہے جو اُمِّ عمارہؓ کے صاحبزادے حبیب بن زیدؓ تھے۔ مدرسہ نبوت کے ایک ذہین، قابل فاضل نوجوان جن کی ایمان سے پرورش ہوئی، تقویٰ پر دودھ چھوڑا، جہاد پر جوان ہوئے، اپنی ماں کی گود میں پلے بڑھے اور بھلائی سیکھی۔ جنگ اُحد اور دوسری جنگوں میں شریک رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسیلمہ کذاب کے پاس اس کی گمراہی، جھوٹ اور دجل پر زجر کرنے کے لئے خط دے کر بھیجا لیکن مسیلمہ نے قاصد کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا بلکہ انہیں گرفتار کر کے قید کر دیا۔

مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، جی ہاں۔ اور جب انہیں یہ کہا کہ کیا تم یہ گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو انہوں نے کہا میں بہرا ہوں، سن نہیں سکتا۔ اس طرح کئی بار ہوا تو مسیلمہ نے ان کے اعضاء ایک ایک کر کے علیحدہ کر دیئے اور یہ شہید ہوئے۔ ان کی روح باری تعالیٰ کی طرف خوشی خوشی پرواز کر گئی۔ (الاستیعاب ۱/۳۲۷)

حبیبؓ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور جب اُمِّ عمارہؓ کو اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے عہد کیا، وہ مسیلمہ کے قتل بغیر نہیں مریں گی یا خود قتل ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی ہو گئیں اور بہترین صبر کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو، اپنی اولاد اور تمام مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی نذر کر دیا تا کہ جنات وعیون میں ٹھکانہ پائیں۔ انہیں یہ کافی تھا کہ اللہ کے نبیؐ نے ان کے اور ان کے اہل بیت کے لئے برکت

اور بھلائی کی دُعا کی اور نبی کریم ﷺ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ وہ اُمّ عمارہؓ اور ان کی اولاد سے راضی تھے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے ایک لشکر مسیلمہ کذاب سے قتال کے لئے روانہ ہوا تو یہ مجاہد صحابیہ اُمّ عمارہؓ سیّدنا صدیق اکبرؓ کے پاس آئیں اور یمامہ جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، ہم تمہاری جنگوں کی کارکردگی دیکھ چکے ہیں، اس لئے اللہ کا نام لے کر نکل پڑو۔ پھر سیّدنا خالد بن ولیدؓ کو جو کہ لشکر کے امیر تھے، ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ویسے بھی ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اُمّ عمارہؓ اپنے کردار کا دوسرا پہلو روشن کرنے نکل پڑیں، وہ اپنی نذر جلد پوری کرنا چاہتی تھیں۔ صرف اپنے بیٹے حبیبؓ کا بدلہ لینا مقصد نہیں تھا کیونکہ حبیبؓ تو اپنے رَبّ سے جا ملا اور اس کی رَضا کے حصول میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ یہ کفر اور ارتداد کے جراثیم کے خاتمے میں شریک ہونا چاہتی تھیں جو ایک شخص مسیلمہ اور اس کے متبعین سے پھوٹ رہے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے زائد ہو چکی تھی اور ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے لیکن ان کا دل بہادری سے بھرپور اور ایمان سے لبریز تھا۔ نہ ان کی ہڈیاں کمزور ہوئیں اور نہ ان کا عزم کمزور پڑا تھا۔ یمامہ میں تو انہوں نے حیرت انگیز جہاد کیا، انہیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی شہید ہوا لیکن وہ ان تکالیف سے بد دل نہیں ہوئیں بلکہ وہ اللہ کے دشمن مسیلمہ کا سامنا کرنا چاہتی تھیں۔

پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کا بیٹا عبداللہؓ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ اپنی تلوار جو مسیلمہ کے خون سے رنگی تھی، صاف کر رہا ہے تو ان کے شعور میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہیں ارتداد کے خاتمہ میں شریک ہو کر انتہائی سعادت محسوس ہوئی۔ ان سے مروی ہے، اس بارے میں انہوں نے فرمایا کہ اس دن میرا ہاتھ کٹا تو میں بہت غمگین تھی۔ پھر میں اپنے بیٹے کے پاس آئی تو اسے دیکھا کہ اس نے مسیلمہ کو قتل کر دیا ہے اور اپنی تلوار سے اس کا خون صاف کر رہا ہے تو پھر میں اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کے سجدے میں گر گئی۔

(جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین ۸۶)

اُمِّ عمارہؓ کی قدر دانی

حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس کچھ ریشمی چادریں آئیں، ان میں ایک بڑی اچھی اور کشادہ چادر بھی تھی۔ بعض اصحابؓ نے کہا کہ یہ بہت مہنگی چادر ہے، اسے عبداللہ بن عمرؓ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید کو دے دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں ایسی شخصیت کے پاس بھیجوں گا جو اس سے زیادہ حقدار ہے۔ وہ اُمِّ عمارہؓ نسیبہ بنت کعب ہیں اور میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم اُحد میں یہ فرماتے سنا تھا:

''کہ میں نے جب بھی اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اُمِّ عمارہؓ کو اپنے دفاع میں لڑتا ہوا پایا۔'' (انساب الاشراف ۱/۳۲۶)

اُمِّ عمارہؓ کے استفسار پر وحی کا نزول

مروی ہے کہ حضرت اُمِّ عمارہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ہر چیز مردوں کے لئے دیکھتی ہوں یعنی قرآن پاک میں انہی کا ذکر ہوتا ہے اور عورتوں کا کسی قسم کا ذکر نہیں دیکھتی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿اَنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾

(الاحزاب ۳۵)

''بے شک اسلام کا کام کرنے والے مرد اور عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور عورتیں، اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الاستیعاب ۴/۴۵۶)

حضرت اُمّ سلیم بنت ملحانؓ

جب اُمّ سلیمؓ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں تو اس وقت ان کے شوہر موجود نہ تھے۔ جب وہ آئے اور انہیں ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو وہ شدید غضب ناک ہوئے اور اُمّ سلیمؓ کو کہا، کیا تو صابیہ بن گئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں صابیہ نہیں بلکہ اس شخص پر ایمان لے آئی ہوں۔ وہ اتنی سی بات کر کے خاموش نہیں ہوئیں بلکہ اپنے صاحبزادے انس کو کلمہ کی تلقین کرنے لگیں کہ بیٹا کہو...... لا الہ الا اللہ...... کہو...... اشھد ان محمد الرسول اللہ...... تو حضرت انسؓ نے اس تلقین کا جواب دیا، شہادت اسلام زبان سے ادا کی اور سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مالک کو بہت غصہ آیا اور اس نے کہا کہ میرے بیٹے کو مت بگاڑو۔ مگر حضرت اُمّ سلیمؓ نے بڑے آرام سے جواب دیا کہ میں اسے بگاڑ نہیں رہی بلکہ سدھار رہی ہوں۔

مالک بن نضر غصہ میں شام چلے گئے، راستے میں انہیں ان کے دشمن نے قتل کر دیا۔ حضرت اُمّ سلیمؓ کو جب اپنے شوہر کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا، میں اب اپنے بیٹے کا دودھ اس وقت تک نہیں چھڑواؤں گی جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اور میں دوسری شادی نہیں کروں گی جب تک کہ مجھے انس نہ کہے اور یہ کہہ دے کہ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۳۰۴)

اُمّ سلیمؓ کا گھی

حضرت اُمّ سلیم کی ایک بکری تھی۔ انہوں نے اس کے دودھ سے گھی نکال کر ایک چمڑے کے تھیلے میں جمع کر رکھا تھا۔ انہوں نے یہ تھیلا اپنی ربیبہ (سوتیلی بیٹی) کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے ہاں بھجوایا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور انہیں بتایا کہ یہ تھیلا حضرت اُمّ سلیم نے بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے خالی کرنے کا حکم دیا اور تھیلا خالی کر کے اس کو واپس دے دیا گیا۔ وہ آئی اور اس نے خالی تھیلا کیل پر ٹانگ دیا۔ حضرت اُمّ سلیمؓ اس وقت موجود نہیں تھی۔ جب وہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ تھیلا گھی سے بھرا ہوا ہے اور اس

سے گھی ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے ربیبہ سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں یہ رسول اللہ ﷺ کو دے آنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ اس نے کہا، میں تو دے آئی، آپ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ سکتی ہیں۔

اُم سلیمؓ نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ آئی تھی اور گھی دے کر گئی تھی۔ پھر انہوں نے بتایا کہ وہ تھیلا گھی سے یونہی بھرا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اُم سلیم! کیا تم تعجب کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح کھلا رہا ہے جس طرح تم اس کے نبی کو کھلاتی ہو۔ جاؤ اسے کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ۔

حضرت اُم سلیمؓ فرماتی ہیں کہ میں نے واپس آ کر اس میں سے ایک بڑے پیالے میں گھی نکالا اور ایک یا دو مہینے تک سالن پکاتی رہی۔ (حیاۃ الصحابہ ج۱/۶۳۵)

حضرت اُم ورقہ الانصاریہؓ کی شہادت

جب نبی ﷺ غزوہ بدر کو تشریف لے جارہے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے بھی آپؐ کے ساتھ جہاد میں جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے، میں وہاں مریضوں کی خدمت کروں گی اور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمادیں۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے گھر میں قرار سے رہو اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت نصیب فرمائیں گے۔

(سنن ابی داؤد ا/۹۷)

یہ سن کر یہ عبادت گزار صحابیہؓ آنحضرت ﷺ کا حکم سن کر اطاعت کرتے ہوئے گھر آگئیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واجب ہے۔ بہرحال یہ لوٹ آئیں، اپنے گھر میں سکونت پذیر ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا انتظار کرنے لگیں۔ اسی اطاعت نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا اہل بنادیا تھا۔ نبی کریم ﷺ جب ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لاتے تو کچھ صحابہ کرامؓ کو ہمراہ لے لیتے اور انہیں فرماتے کہ ہمارے ساتھ چلو، ہم ایک شہید کی زیارت کریں گے۔ (اسد الغابہ)

اُم ورقہ پھر اسی پاک معطر نام سے مشہور ہوگئیں۔ انہیں شہیدہ کہا جانے لگا۔

حضرت اُم ورقہؓ ایک غلام اور ایک باندی کی مالک تھیں اور ان سب سے اپنی موت

کے بعد آزادی کا وعدہ بھی کر چکی تھیں۔ ان دونوں کے دل میں سمائی کہ وہ اُمّ ورقہ کو قتل کر دیں تو ایک رات انہوں نے حضرت اُمّ ورقہ کو بے ہوش کر کے قتل کر دیا اور فرار ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''واللہ! آج میں نے اپنی خالہ اُمّ ورقہ کی تلاوت کی آواز نہیں سنی۔''

پھر وہ ان کے گھر میں داخل ہوئے تو کچھ نظر نہ آیا۔ جب کمرے میں داخل ہوئے تو وہ ایک کونے میں چادر میں لپٹی پڑی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔ پھر آپؓ منبر پر تشریف لائے اور حکم فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس ڈھونڈ کر لاؤ۔ چنانچہ انہیں پکڑ کر لایا گیا۔ آپؓ نے ان سے پوچھ گچھ کی۔ انہوں نے حضرت اُمّ ورقہ کے قتل کا اعتراف کر لیا تو آپؓ نے انہیں پھانسی دینے کا حکم دیا۔ مدینے میں یہ پہلے اشخاص تھے جنہیں پھانسی دی گئی۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۴۵۷)

اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات صحیح ثابت ہوگئی ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ چلو، ایک شہید کی زیارت کریں گے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۸۱)

اُمّ حرام بنت ملحانؓ کی شہادت

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُمّ حرام بنت ملحانؓ کے پاس آئے۔ جیسے وہ آپؐ کو کھلاتی تھیں، اسی طرح آپؐ کو کھانا کھلایا اور پھر سر سے جوئیں نکالنے بیٹھ گئیں۔ پھر آپؐ سو گئے اور ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو اُمّ حرامؓ نے پوچھا، کیا چیز آپؐ کو ہنسا رہی ہے اے رسول خدا ﷺ۔ آپؐ نے فرمایا، میری اُمت میں سے ایک گروہ مجھ پر پیش کیا گیا اس حال میں کہ وہ راہِ خدا میں جہاد کر رہے ہیں اور اس سمندر کے بڑے حصہ پر سوار ہیں۔ اس خاندان پر بادشاہوں کی طرح ہیں یا بادشاہ ہیں۔ میں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا، اللہ سے دُعا کیجئے مجھے بھی ان میں سے بنا دے۔ فرمایا، تو اوّلین میں سے ہے (شروع شروع میں تو ہی ہے)۔ لہٰذا اُمّ حرامؓ نے واقعی معاویہ بن ابی سفیانؓ کے زمانہ میں سمندری سفر کیا۔ جب سمندر سے نکلے تو اپنے جانور سے پھسلیں اور شہید ہو گئیں۔ (ترمذی)

حضرت اُمّ دحداح رضی اللہ عنہا

علامہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابودحداح اُحد کے دن حاضر ہوئے اور جنگ کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ مسلمان منتشر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے سامنے آئے اور چیخنے لگے، اے انصار کی جماعت! آؤ آؤ میری طرف، میں ثابت بن دحداح ہوں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے تو بے شک اللہ زندہ ہے، کبھی نہ وفات پائے گا لہٰذا اپنے دین کی نگہبانی میں جہاد کرو، بے شک اللہ تمہیں غلبہ دینے والا ہے اور تم ہی کو مدد پہنچانے والا ہے۔ تو انصار کی ایک جماعت ان کی طرف اٹھ پڑی اور ابودحداح اسی طرح اپنے ساتھ موجود مسلمانوں کو ابھارنے اور اکسانے لگے یہاں تک کہ ایک جماعت ان کے گرد وپیش جمع ہوگئی۔

پھر ان کے سامنے کفار کا بھی ایک بڑا ہی سخت گروہ آن کھڑا ہوا جن کے پاس خوب ہتھیار تھے اور اس گروہ میں کفار کے بڑے بڑے بہادر اور رؤساء بھی تھے۔ خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عکرمہ بن ابی جہل، ضرار ابن خطاب تو پھر ان دونوں جماعتوں کا خوب قتل وقتال ہوا اور خالد بن ولید نے ابودحداح رضی اللہ عنہ پر نیزہ اٹھایا اور مارا تو نیزہ حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ کے پار ہو گیا اور یہ شہید ہو کر گر پڑے اور دوسرے انصار جو ساتھ تھے وہ بھی شہید ہو گئے۔

وہ لمحات جب حضرت اُمّ دحداح کے پاس ان کے رفیق حیات کی شہادت کی خبر آن پہنچی۔ حضرت ابودحداح کے راہِ خدا میں شہادت سے سرفراز ہونے کی خبر حضرت اُمّ دحداح کے کانوں میں پہنچی تو انہوں نے نہ ہی اپنے چہرے کو پیٹا اور نہ کپڑے پھاڑے اور نہ اپنے سر پر مٹی ڈالی۔ صرف اللہ اکبر کہا اور ...... انا للہ وانا الیہ راجعون ...... پڑھا اور اللہ عزوجل سے ثواب کی امید رکھی۔ اس لئے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ بے شک حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ اونچے شرف ومرتبہ کو پا گئے ہیں اور اللہ عزوجل کی رضا حاصل کر گئے ہیں اور وہ دائمی باغوں میں شہداء کے ساتھ زندہ سلامت ہیں۔

اور جب حضرت اُمّ دحداح رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی میں سے زندہ سلامت لوٹ آنے کی خبر پہنچی تو خوشی ان پر چھا گئی کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کے بعد ہر قسم کی مصیبت آسان ہے۔ (الاستیعاب ۱/ ۱۹۷)

اُمّ دحداح انصاریہؓ..... اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرنے کا جذبہ

امام قرطبی اپنی جامع تفسیر قرطبی میں ذکر کرتے ہیں۔ راوی زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ فرمان شاہی نازل ہوا:

﴿من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا﴾

تو ابو دحداحؓ بارگاہ رسالتؐ میں گویا ہوئے۔ اے رسول خدا! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ کیا اللہ پاک ہم سے قرض طلب کرتے ہیں حالانکہ وہ قرض سے غنی ہیں۔ فرمایا، ہاں وہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ تمہیں اس بہانے جنت میں داخل فرمادیں۔ ابو دحداح نے عرض کیا، بے شک میں اپنے ربّ کو قرض دیتا ہوں کہ وہ میرے اور میری بچی دحداد کے لئے جنت کے ضامن بن جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، صحیح ہے۔ ابو دحداح نے عرض کیا، پھر آپؐ مجھے ہاتھ دیں تو آپؐ نے اپنا ہاتھ دے دیا۔ (یعنی ہاتھ میں ہاتھ دے دیا)۔

حضرت ابو دحداح نے عرض کیا، میرے دو باغ ہیں، ایک نشیبی زمین میں اور ایک باغ اوپر والی زمین میں ہے۔ خدا کی قسم! ان کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں، بے شک میں دونوں باغوں کو راہِ خدا میں وقف کرتا ہوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، ان میں سے ایک راہِ خدا میں وقف کردو اور دوسرا اپنے اہل وعیال کی معیشت و نان نفقہ کے لئے رکھ لو۔ پھر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپؐ گواہ رہیں، ان میں سے ایک جو بہتر ہے، وہ راہِ خدا میں وقف کرتا ہوں جس کے گرد دیواریں ہیں اور وہ سبز باغ ہے۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر تمہیں اللہ اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائیں گے۔ ابو دحداح وہاں سے چل پڑے، اُمّ دحداحؓ بھی ان کے پیچھے بچوں کے ساتھ پہنچ گئیں اور باغ میں کھجوروں کے درختوں کے نیچے گھومنے لگے تو ابو دحداحؓ نے یہ اشعار کہے:

ھداك ربّی سبل الرشاد
الی سبیل الخیر والسداد

"اے میری بیوی تجھ کو میرا ربّ بہتر راستہ عطا کرے، عمدہ بہتر اور درست راہ کی طرف۔"

بینی من الحائط بالوداد
فقد مضی قرضا الی التناد

''دیوار سے میرے درمیان (پورا احاطہ) محبوب ہے جو بے شک قیامت کے دن کی طرف قرض ہو گیا۔''

اقرضه اللّٰه علی اعتمادی
بالطوع لامن ولا ارتداد

''اسے میں نے اللہ کو قرض دیا اپنے اعتماد کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ بغیر احسان کے جتلائے اور لوٹائے۔''

الا رجاء الضعف فی المعاد
فبار تحلی بالنفس والاولاد

''مگر یہ کہ قیامت میں اضافہ کی امید ہے پس اب کوچ کر جا جان اور اولاد کے ساتھ۔''

والبر لاشك فخیر زاد
قدمه المرء الی المعاد

''اور نیکی کوئی شک نہیں کہ بہترین توشہ ہے جس کو آدمی آخرت کی طرف آگے بھیج دے۔''

اُمّ دحداح ؓ نے فرمایا، تیری تجارت نفع مند ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو برکت دے خریدی ہوئی چیز میں۔ پھر اُمّ دحداح ؓ نے یہ اشعار کہے:

بشرك اللّٰه بخیر وفرح
مثلك ادی مالدیه ونصح

''اللہ تجھ کو بھلائی اور کامیاب خوشی کی بشارت دے تیرے مثل واقعی ادا کر دیتا ہے جو اس کے پاس ہو اور بھلائی حاصل کرتا ہے۔''

قد متع اللّٰه عیالی و منح
بالعجوة السوداء والزهو البلح

''بے شک اللہ میرے عیال کو نفع دے اور عطا کرے کالی پکی کھجوروں اور سرخ پکی کھجوروں کے بدلہ۔''

والعبد لیسعی ولہ ما قد کدح
طول اللیالی وعلیہ ما اجترح

''اور بندہ تو کوشش ہی کرتا ہے اور اس کے لئے وہی ہے جس کے لئے مشقت اٹھائے لمبی راتوں میں اور وہی نقصان دہ جس کا جرم کرے۔''

پھر اُمّ دحداح رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کی طرف متوجہ ہوئی اور جوان کے منہ میں (کھجوروں) سے کچھ تھا، اس کو نکلوانے لگی اور خوشوں میں جو کچھ تھا، اس کو وہیں چھوڑ دیا اور دیوار سے باہر آ گئیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿کم من عذق رداح فی الجنۃ لابی الدحداح﴾

''کتنے ہی جنت میں درختوں کے بڑے بڑے خوشے ابو دحداح کے لئے ہوں گے۔'' (قرطبی ۳/۲۳۸)

اُمّ معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کا جذبہ خدمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینے کی طرف ہجرت کے لئے تیار ہوئے۔ ان حضرات کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ برائے خدمت ساتھ ہو گیا۔ یہ مہاجر قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ سواریاں ان کو لے کر چلنے لگیں، کبھی تیز کبھی آہستہ۔ اس طرح یہ جنگل کے غبار آلود صحراء میں بڑھتے چلے جا رہے تھے جہاں کہیں سفر کی تکان ان کو بوجھل کر دیتی تو جگہ پڑاؤ ڈال دیتے اور کچھ آرام کرتے اور جوان کے آس پاس دیہات میں لوگ ہوتے، ان سے کھانا پانی حاصل کرتے۔ یہاں تک یہ مختصر قافلہ اپنے راستے سے ہوتا ہوا اُمّ معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرا۔ اُمّ معبد رضی اللہ عنہا کا گھر ''قرید'' میں تھا۔ یہ سخی اور گاؤں والی عورت تھیں۔ ان کے چہرے پر قوت، صبر، محنت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اپنے خیمے (جھگی) کے آگے سخیوں کی طرح بیٹھ جاتیں اور جو بھی سامنے سے قافلے والا یا کوئی بھی مسافر گزرتا تو ان کو کھلاتی پلاتیں۔

جب یہ بابرکت قافلہ نبوی ﷺ اُمّ معبد کے پاس سے گزرا تو انہوں نے اس خاتون سے گوشت اور کھجور وغیرہ پوچھیں تا کہ خرید لیں لیکن قسمت سے اس وقت ان کے پاس کچھ نہ پایا۔ یہ خاتون بڑے افسوس سے عذر پیش کرنے لگیں کہ اللہ کی قسم! اگر ہمارے پاس کچھ بھی ہوتا تو ہم آپ حضرات کی مہمانی سے ہرگز کنارہ نہ کرتے۔ اس وقت آپ کو کچھ سوال کرنے اور قیمت ادا کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ پیش آتی۔ (یہ سال بڑا ہی قحط والا تھا، دیہات بالکل بے آب وگیاہ تھے، سخت قحطوں اور توشہ ختم ہونے کی وجہ سے عوام الناس بڑے قحط زدہ اور بھوکے تھے۔) اس اثناء میں نبی کریم ﷺ نے اُمّ معبدؓ کے خیمے کے کونے میں بکری بندھی دیکھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا یہ بکری دودھ نہیں دیتی اے اُمّ معبد!

عرض کیا...... مشقت اور بیماری نے اس کو کمزور اور بوڑھا کر دیا ہے۔

فرمایا...... کیا اس میں دودھ ہے؟

عرض کیا...... اس کی بالکل طاقت نہیں رکھتی۔

فرمایا...... کیا تو مجھے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت دیتی ہے؟

عرض کیا...... بے شک۔ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اگر آپؐ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دوھ لیجئے۔

تو صاحب معجزات ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں کے ساتھ اس کے تھنوں کو چھوا۔ اللہ کا نام لیا اور یوں دُعا فرمائی:

﴿اللّٰهم بارك لها في شاتها﴾

''اے اللہ! اُمّ معبد کے لئے اس کی بکری میں برکت ڈال دے۔''

بکری تو کھل گئی (پچھلے قدم پھیلا لئے) اور دودھ سے بھر گئی۔ آپؐ نے ایک بڑا برتن منگوایا جو پوری جماعت کو سیر کر سکے۔ پھر اس میں دودھ نکالا یہاں تک کہ اس کے جھاگ (کنارے تک) بلند ہو گئے۔ پھر آپؐ نے اُمّ معبدؓ کو دودھ پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئیں۔ پھر اپنے اصحابؓ کو پلایا یہاں تک کہ وہ بھی سیراب ہو گئے۔ پھر سب سے آخر میں یوں فرماتے ہوئے ''قوم کا ساقی سب سے آخر میں پیتا ہے'' خود بھی نوش فرمایا۔

پھر آپؐ نے دوبارہ بھی دودھ دوہا یہاں تک کہ برتن بھر گیا اور وہ اُمّ معبدؓ کے پاس

چھوڑ دیا۔ پھر وہاں سے آپؐ نے کوچ فرمایا اور اُمّ معبدؓ آپ کی دُعائے مستجاب سے کامیاب و بابرکت ہوگئیں۔ (طبقات ابن سعد ا/ ۲۳۰، اسد الغابہ ۵/ ۴۹۷)

امیمہ بنت صبیحؓ کا اسلام

امام مسلم نے اپنی ''مسلم'' میں اپنی سند کے ساتھ ابوکثیر یزید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا رہتا تھا اور وہ مشرکہ تھیں۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بڑی نامناسب باتیں کہیں۔ یہاں تک کہ میں روتا ہوا رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتا رہتا ہوں، وہ انکار کرتی رہتی ہیں۔ پھر آج میں نے جوان کو دعوت دی تو انہوں نے مجھے آپؐ کے بارے میں نامناسب باتیں کہیں۔ لہٰذا آپؐ بارگاہ الٰہی میں دُعا کیجئے کہ وہ اُمّ ابی ہریرہؓ کو ہدایت بخشئے۔ پھر حضورؐ نے وہی دُعا فرمائی۔ میں نبی ﷺ کی دُعائے مستجاب کی وجہ سے بڑا خوش خوش نکلا۔

جب میں گھر آیا تو بیرونی دروازے کی طرف متوجہ ہوا، وہ بند تھا، والدہ نے میرے قدموں کی آہٹ سن لی تھی۔ فرمانے لگیں، اے ابوہریرہؓ! اپنی جگہ رکو، میں نے پانی کے ہلانے جلانے کی آواز سنی، وہ والدہ غسل فرما رہی تھیں۔ جب غسل کرلیا اور کپڑے پہن لئے تو جلدی سے دوپٹہ بھی اوڑھا، پھر دروازہ کھولا اور فرمانے لگیں، اے ابوہریرہؓ!...... اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ...... حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، پہلے رنج وغم کی وجہ سے روتے ہوئے شکایت کرنے گیا تھا اور اب میں آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں خوشی کی وجہ سے روتا ہوا آیا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! خوشخبری لیجئے، اللہ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور میری والدہ اُمّ ابی ہریرہؓ کو ہدایت بخشی۔ آپؐ نے اللہ ربّ العزت کی حمد وثناء بیان کی۔

(اسد الغابہ ۵/ ۶۲۵، مسلم)

حضرت درہؓ بنت ابی لہب

حضرت درہؓ ہجرت سے مشرف ہوتے ہوئے تشریف لائیں اور رافع بن معلیٰ

انصاری زرقیؓ کے گھر مقیم ہوئیں تو بنی زریق کی چند عورتوں نے ان کو کہا، کیا تو اسی ابولہب کی بیٹی ہے جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾

فرمایا کہ ابولہب کے ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ ہلاک ہو گیا لہٰذا آپؓ کی ہجرت آپؓ کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ حضرت درہؓ حضورؐ کی خدمت میں ان کی گفتگو کا شکوہ لے کر حاضر ہوئیں اور بڑی غمگین حالت میں تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسکین خاطر دلائی اور فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ پھر لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور تھوڑی دیر بعد منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا:

''اے لوگو! کیا بات ہے مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں ستایا جاتا ہے۔ پس اللہ کی قسم! میری شفاعت میرے رشتہ داروں کو ملے گی اگرچہ وہ قبیلہ صدا اور حکماء اور سلجھہ (قبائل یمن ہیں یعنی اگر مسلمان میرے رشتے دار کسی بھی قبیلے کے ہوں) ان کو بھی میری شفاعت پہنچ کر رہے گی۔'' (اسد الغابہ ۴۵۰/۵)

کبشہ بنت رافع انصاریہؓ کا عشق رسولؐ

غزوۂ اُحد میں حضرت سعد اور عمرو رضی اللہ عنہم راہِ خدا میں اوّلین مجاہدین میں سے تھے اور بنی اشہل کے چند آدمیوں کے ساتھ حضرت عمروؓ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو حضرت اُمّ سعدؓ دوڑتی ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر سوار تھے، حضرت سعدؓ اس گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے تھے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! یہ میری والدہ (آئی ہیں)۔ آپؐ نے فرمایا، خوش آمدید ہو آپ کو۔ تو وہ آپؐ کے قریب ہو گئیں اور غور سے آپؐ کی زیارت فرمانے لگیں، پھر عرض کیا، بہرحال جب میں نے آپؐ کو صحیح سالم دیکھ لیا تو ہر مصیبت آسان ہو گئی۔ پھر حضورؐ نے عمرو بن معاذؓ کے متعلق ان سے تعزیت فرمائی اور فرمایا، اے اُمّ سعد! خوشی مبارک ہو اور ان شہداء کے اہل خانہ کو بھی خوشخبری دے دو کہ ان کے شہداء جنت میں ساتھ ساتھ ہیں اور ان شہداء کی سفارش ان کے اہل خانہ کے متعلق قبول کر لی گئی ہے۔ حضرت اُمّ سعدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہم راضی ہیں اور اس (خوشخبری) کے بعد کون روئے گا۔ پھر دوبارہ عرض کیا، اے رسول اللہؐ!

پیچھے رہ جانے والوں کے لئے دُعا فرمادیجئے تو آپؐ نے یہ دُعا فرمائی:

﴿اللّٰھم اذھب حزن قلوبھم واجبر مصیبتھم واحسن الخلف علی من خلفوا﴾

''اے اللہ! ان کے دلوں کے رنج کو دور فرمائیے اور ان کی مصیبت کو ختم فرمائے اور پیچھے رہ جانے والوں کو اچھا بدلہ عطا فرمائیے۔''

(سیرت حلبیہ ۲/۵۴۵)

اُمّ سعدؓ کا رنج وغم

ان کے فرزند حضرت سعدؓ چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے جس میں ان کے ہاتھ بھی ظاہر ہو رہے تھے۔ یہ بنی حارثہ کے قلعے کے سامنے سے گزرے جس میں عورتیں بچے وغیرہ تھے، انہی میں حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ سعد کبشہؓ بھی تھیں تو سعدؓ کو ان کی والدہ اُمّ سعدؓ نے فرمایا، اے میرے بچے! خدا کی قسم! تو نے دیر کر دی، جا رسول اللہ ﷺ سے مل (لڑائی میں)۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اللہ کی قسم! اے اُمّ سعدؓ! میں چاہتی ہوں کہ سعد کی زرہ اس سے بڑی ہوتو اچھا رہے گا۔ اُمّ سعدؓ نے کہا، اللہ ہی کرنے والا ہے، جو کچھ بھی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کر دکھایا کہ حضرت سعدؓ کو ایک بازو پر تیر لگا جس سے ان کے بازو کی ایک اہم رگ کٹ گئی۔ حضرت سعدؓ دُعا کی طرف متوجہ ہوئے کہ اے اللہ! مجھ کو اس وقت تک تو شفاء دے دے کہ میں بنی قریظہ کے یہودیوں سے انتقام لے کر آنکھیں ٹھنڈی کرسکوں جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور اللہ و رسولؐ اور مسلمانوں سے خیانت و غداری کی، لہٰذا ان کی دُعا قبول ہوئی اور زخم صحیح ہو گیا (سبحان اللہ)۔

غزوۂ خندق کے بعد انہی بنی قریظہ سے جنگ پیش آئی اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ پھر وہ سعد بن معاذؓ کے حکم کو قبول کرنے پر تیار ہو گئے تو حضورؐ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی اور حضرت سعدؓ کو فیصلہ کے لئے فرمادیا۔ انہوں نے یہ فیصلہ جرأت مندانہ صادر کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے، ان کے عورتوں بچوں کو قید کیا جائے۔ جب حضرت سعدؓ کے حکم

پر عملی نفاذ ہو گیا تو قدرت کی شان دیکھئے ان کا وہی زخم پھر ہرا ہو گیا اور اسی میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کی والدہ اُمّ سعدؓ (جب حضرت سعدؓ کی نعش مبارک اٹھائی جا رہی تھی) کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور واقعی ان آنکھوں کے لئے حق بھی تھا کہ وہ سعدؓ پر سخاوت کریں۔ پھر حضرت اُمّ سعدؓ نے اس وقت یہ اشعار پڑھے:

ویــل امّ ســعــد ســعــداً
صــرامــة وحــداً

''ہائے افسوس اے اُمّ سعدؓ! سعدؓ پر، جو مضبوط درست رائے والا تلوار کی دھار تھا۔''

ســوددا مــجــدا
خــادســا مــعــدا

''جو بلند مرتبہ سردار، بزرگ اور شہسوار (جنگوں کے لئے) تیار رہنے والا تھا۔''

ســدبــی مسك
یــقــدبــهــا مــا قــدا

''قائم مقام (سردار) بننے کے لائق تھا، (جب کسی کافر کو ٹھکانے لگاتا تو) طول میں اس کو کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔''

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا:

﴿کل باکیة تکذب الا امّ سعد﴾

''ہر رونے والی جھوٹ پر روتی ہے مگر اُمّ سعدؓ۔''

پھر آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا تیرے آنسو نہیں تھمتے اور تیرا رنج نہیں جاتا (جب کہ) تیرا فرزند وہ پہلا شخص ہے جس سے اللہ خوب راضی ہوا اور اس کے لئے عرش حرکت کرنے لگا۔ (دورِ نبوت کی برگزیدہ خواتین ۲۹۶)

امامہ بنت ابی العاصؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

حضرت عائشہؓ امامہ کی بڑائی کو خود بیان فرماتی ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہار تحفتاً پیش کیا گیا جس پر سونے سے ملمعہ

سازی کی گئی تھی۔ آپؐ کی سب بیویاں ایک گھر میں تھیں، موتیوں کا ہار آپؐ کے پاس حاضر تھا اور امامہ بنت زینب بنت رسول علیہ السلام چھوٹی بچی گھر کے کونے میں مٹی سے کھیل رہی تھی تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں سے پوچھا، یہ ہار کیسا ہے؟ بیویوں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا، اے اللہ کے رسولؐ! ہم نے اس سے حسین اور تعجب والا کوئی اور ہار نہیں دیکھا۔ تو آپؐ نے فرمایا، یہ مجھے دو۔ پھر لے کر فرمایا، اللہ کی قسم! اس ہار کو میں اپنے گھر والوں میں جو سب سے زیادہ مجھے محبوب ہوگا، اس کو یہ ہار پہناؤں گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے اور آپ علیہ السلام کے درمیان مجھے زمین تاریک نظر آنے لگی، اس ڈر اور خوف سے کہ کہیں یہ ہار میرے علاوہ کسی اور کی گردن میں نہ پہنا دیں۔ جو کیفیت مجھے پیش آئی، میں دیکھ رہی تھی کہ سب کا یہی حال ہے اور سب ڈر کی وجہ سے گفتگو سے عاجز تھیں۔ پھر آپؐ متوجہ ہوئے اور یہ ہار امامہ بنت ابی العاص کی گردن میں پہنا دیا تو ہم سب کو بہت خوشی ہوئی۔ (السمط الثمین ۱۹۱)

حضرت شیماء بنت حارث سعدیہؓ

حضرت حلیمہؓ آپ علیہ السلام کو دور نہ جانے دیتی تھیں اور اپنی بیٹی شیماء کو ہدایت و تاکید فرماتی رہتیں کہ ان کو دور نہ جانے دینا اور جہاں کہیں ہوں، ان کے ساتھ رہنا۔ ایک مرتبہ سخت کڑکتی دھوپ میں حضرت حلیمہؓ کو پتہ نہ چلا اور شیماء حضور ﷺ کو لے کر نکل گئی۔ حضرت حلیمہؓ پیچھے پیچھے چلی آئیں، دھوپ کی شدت نے ان کو بھی گھبراہٹ میں ڈال رکھا تھا تو حضرت حلیمہؓ نے دیکھا کہ حضرت شیماءؓ اس ننھی جان کو لئے بیٹھی ہے اور چہکتی ہوئی یہ اشعار گا رہی ہے:

هذا اخ لی لم تلده امی
ولیس من نسل ابی وعمی

”یہ میرے بھائی ہیں ان کو میری اماں نے نہیں جنا، اور یہ نہیں ہیں میرے والد و چچا کی نسل سے۔“

فانمه اللّٰهم فیما تنمه

''پس اے پروردگار! تو ان کی پرورش فرما جن چیزوں میں تو پرورش فرماتا ہے۔''

حضرت حلیمہؓ نے اپنی دختر نیک کو غصہ کے لہجہ میں ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی، اے شیماء! اتنی گرمی میں۔ شیماء نے عرض کیا، اے امی جان! میرے بھائی کو کچھ گرمی بھی نہیں پہنچی، میں نے بادل دیکھا جوان پر مسلسل سایہ کئے ہوئے تھا۔ جب میرا بھائی ٹھہر جاتا تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب یہ چل پڑے تو وہ بھی چل پڑتا یہاں تک کہ یہ اس جگہ تک آن پہنچے۔ تعجب حضرت حلیمہؓ کے چہرے پر گھومنے لگا اور پوچھا، اے میری بچی! کیا یہ سچ ہے؟ شیماءؓ نے عرض کیا، جی ہاں، اللہ کی قسم! جی ہاں اللہ کی قسم۔ (سیرت حلبیہ ۱/۸)

میں تمہارے سردار کی بہن ہوں

جب جنگ ہوازن کا دن آیا تو مسلمان ان پر کامیاب ہوئے اور جو قید میں آئے، ان میں حضرت شیماءؓ بھی تھیں۔ شیماءؓ نے مسلمانوں کو کہا، میں تمہارے سردار کی رضاعی بہن ہوں۔ مسلمانوں نے ان کی تصدیق نہ کی یہاں تک کہ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ وہاں یہ گفتگو ہوئی۔

حضرت شیماءؓ...... اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم...... اس کی کیا نشانی ہے؟

حضرت شیماءؓ...... یہ کاٹنے کا نشان ہے جو آپؐ نے مجھے کاٹا تھا اور میں آپؐ کو اپنی گود میں لئے بیٹھی تھی۔

حضور علیہ السلام نے پہچان لیا اور ان کے لئے اپنی عظمت والی چادر بچھادی، اس پر بٹھایا اور بہت اچھا سلوک فرمایا۔ پھر فرمایا، اگر آپ پسند کرتی ہیں تو میرے پاس ٹھہر جائیں بڑی محبت واکرام کے ساتھ اور اگر پسند کرتی ہیں کہ اپنی قوم کے ہاں چلی جائیں تو میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں اور آزاد کرتا ہوں۔ شیماءؓ نے کہا، میں اپنی قوم میں واپس جاتی ہوں۔ پھر حضرت شیماءؓ اسلام سے مشرف ہوگئیں اور آپ کی رسالت کی گواہی دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکحول نامی غلام، ایک باندی، بکریاں اور دوسرے

مویشی جانور اور کافی مال عطا فرمایا اور ان کو ان کی قوم کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اس پر حضور ﷺ کا اکرام ختم نہیں ہوا بلکہ آپ علیہ السلام کا عفو وکرم سارے بنی سعد کو شامل رہا، بنوسعد جو ہوازن کا قبیلہ ہے۔ اور یہ تب ہوا جب حنین کی جنگ میں حنین والوں پر آپ علیہ السلام فتحیاب ہوئے اور مسلمانوں کو ان کی غنیمت کے اموال عورتیں اور بچے غلام ہاتھ آئے۔ اس وقت آپؐ کے پاس ہوازن کا ایک وفد آیا جن میں آپؐ کے رضاعی چچا بھی تھے اور یہ سب حضرات آپؐ سے عفو درگزر کے امیدوار تھے اور عاجزی اور اسلام کو پیش کر رہے تھے۔ اس وقت ان کا نمائندہ خطیب آگے بڑھا جس کا نام زہیر بن مرد تھا اور یوں درخواست گزار ہوا:

''اے اللہ کے رسولؐ! بے شک ان قبیلوں اور افراد میں وہ حضرات بھی ہیں جنہوں نے آپؐ کی پرورش اور کفالت کی۔ آپؐ کی پھوپھیاں، خالائیں، پرورش کرنے والیاں ہیں۔ اور بے شک ہم نے آپؐ کی اپنی گودوں میں پرورش سرانجام دی اور اپنے پستانوں سے دودھ پلایا، سیراب کیا۔ بے شک میں آپؐ کو دودھ پیتا دیکھ چکا ہوں اور آپؐ سے بہتر دودھ پینے والا میں نے نہیں دیکھا اور میں نے آپؐ کو دودھ چھوڑنے والا دیکھا اور آپؐ سے بہتر دودھ چھوڑنے والا نہیں دیکھا۔
پھر میں نے آپؐ کو نوجوان دیکھا اور آپؐ سے بہتر کسی کو نوجوان نہیں دیکھا اور آپؐ میں خیر وبھلائیاں مکمل ہو چکی ہیں۔ ان مناسب باتوں کے ساتھ ساتھ ہم آپؐ کی اصل ہیں اور آپؐ کے خاندان و قبیلے سے ہیں۔
لہٰذا ہمیں پناہ عطا کریں اور احسان فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر احسان فرمایا ہے۔''
پھر یہ اشعار کہے:

امنن علینا رسول اللّٰہ فی کرم
فانک المرؤ نرجوہ وننتظرہ

''اللہ کے رسولؐ! ہم پر احسان فرمایئے، بے شک آپؐ ایسے شخص ہیں جس سے ہم کو امید تھی اور اس کا انتظار تھا۔''

امنن علی نسوۃ قد کنت ترضعها
اذفوك یملؤہ من محضها درد

''آپؐ احسان فرمایئے ایسی خواتین پر جن کا آپؐ دودھ پیتے رہے جب کہ آپؐ کے منہ مبارک کو دودھ ان کے پستانوں کے پر کر دیتے تھے۔''

فالبس العفو من قد کنت ترضعه
من امهاتك ان العفو مشتهر

''لہٰذا آپ عفو و درگزر کا لباس پہن لیجئے ان ماؤں پر جن کا آپؐ دودھ پیتے رہے۔ بے شک آپ کا عفو و درگزر مشہور ہے۔''

انا نؤمل عفوا منك تلبسه
هذی البریة اذ تعفو وتنتصر

''ہم آپؐ سے عفو و کرم کی امید رکھتے ہیں جس کو آپؐ پہنے ہوئے ہیں اس مخلوق پر اس لئے کہ آپؐ درگزر و مدد سے کام لیتے ہیں۔''

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جادو انگیز بیان اور شیریں اشعار سماعت فرمائے تو آپؐ نے ارشاد صادر فرمایا:

﴿ما کان لی ولنبی عبدالمطلب فهو لکم﴾

''جو (خیر و بھلائیاں) میرے اور ال عبدالمطلب کے لئے ہیں وہ (سب) تمہارے لئے (بھی) ہیں۔''

یہ سن کر قریش بھی پکار اٹھے، جو ہمارے لئے ہے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے ہیں۔ پھر انصار بھی پکارے، جو ہمارے لئے ہے، اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ۴/۳۶۳، تاریخ طبری ۲/۱۷۳)

سب سے پہلی شہیدہ...... حضرت سمیہؓ بنت خباط

علامہ بیہقی حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ اور ان کے والدین کے پاس سے گزرے جن کو عذاب دیا جا رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا:

''اے آل یاسر! تمہیں خوشخبری ہو تمہارا ٹھکانہ جنت ہوگا۔''

ان کے والد کو کفار نے تکلیف دے دے کر شہید کر ڈالا مگر وہ اسلام سے ذرہ برابر نہ ہٹے۔

مؤمنین شہداء کی پہلی جماعت میں حضرت یاسرؓ تھے جو سمیہؓ کے شوہر ہیں، اس لئے کہ یہ مؤمن مشرکین کے ہاتھوں تکلیف و عذاب سے شہید ہو گئے۔ پھر شہداء کی بہادر حضرت سمیہؓ کو کافروں نے فرعون اُمت کافر اکفر ابوجہل کے حوالہ کر دیا، ان کو حضرت عمارؓ کے چچا لعین ابوحذیفہ بن مغیرہ نے اس کافر کے حوالے کیا تھا۔ یہ بہت ہی بوڑھی خاتون تھیں لیکن تکالیف و عذابات کے وہ پہاڑ جھیلے جو بڑے بہادر بھی نہیں جھیل سکتے۔ اللہ عزوجل ابوجہل کو خوب ذلیل کرے، وہ اپنے کینے وحسد کو ان کے عذاب میں خوب نکالتا، اس امید میں کہ وہ ان کو ان کے دین سے ہٹالے گا لیکن ایسا کب ہو سکتا تھا۔

حیاء و شرم کی کوئی حد ہوتی ہے یعنی یہ حضرت سمیہؓ ضعیف العمر کو بکواس کرتا کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان صرف اس لئے لائی ہے کہ تو اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس پر عاشق ہوگئی ہے لیکن صبر کا پہاڑ حضرت سمیہؓ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیتی۔

(سیرۃ نبویہ دحلان ۱/۲۴۰)

مجسمہ پیکر صبر بنی خاموش رہیں اور بار بار عذاب برداشت کرتی رہیں۔ ابوجہل اور اس کے کافر ہجولیوں پر بلند و غالب رہیں کہ اپنے عقیدے سے بالکل ذرہ بھر بھی منحرف نہ ہوئیں اور اللہ عزوجل کے راستے میں عذاب کو بالکل ہلکا محسوس کیا۔

جب فاسق لعین آپؓ کی ثابت قدمی کی وجہ سے مایوس ہو گیا اور آپؓ کے صبر نے اس کو ذلیل کر دیا تو آپؓ کی شرم گاہ میں تیزی سے نیزہ مارا جس سے آپؓ شہید ہو گئیں اور وہ اس میں بھی راضی ہو گئیں کہ اپنی روح کو خالق اجل کے سپرد کر دیں، اس کی راہ میں خوشی کے ساتھ چلی جائیں۔ بلکہ اس کی رَضا کو حاصل کرنے کے لئے عجلت سے کام لیا۔ آپؓ کی شہادت بعثت سے چھٹے سال واقع ہوئی۔ اسلام میں یہ سب سے پہلی شہیدہ ہیں مردوں اور عورتوں دونوں میں۔ ابھی چند سال نہ گزرے تھے کہ اللہ کا دشمن ابوجہل مسلمانوں کے ہاتھ قتل و ذلیل ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو خوشخبری سنائی کہ:

﴿قتل اللّٰه قاتل امك﴾

''اللہ نے تیری ماں کے قاتل کو قتل فرما دیا۔''

(دورِ نبوت کی برگزیدہ خواتین ۴۳۵)

حضرت جمیلہ بنت سعد بن ربیعؓ

جب حضرت سعد بن ربیعؓ جنگ اُحد میں جام شہادت نوش فرما چکے تو ان کے بھائی نے ان کی میراث پر قبضہ جمالیا جب کہ سعد بن ربیعؓ کی دو یتیم بچیاں اور ایک بیوہ خاتون تھی۔ تب تک مسلمان اس طرح وراثت کی تقسیم کرتے چلے آرہے تھے جس طرح جاہلیت میں کرتے تھے۔ چونکہ زمانہ تاریکی و جہالت میں سارا مال مردوں کو ملتا تھا، عورتوں کو بالکل محروم رکھا جاتا اور یہ عرب کی دوسری جہالتوں میں سے ایک جاہلیت کی عادت تھی۔ وہ اس بارے میں یوں کہتے تھے، ہمارا وارث کوئی نہیں بن سکتا مگر وہی شخص جو شہسوار مرد ہو اور حسب ونسب کی حفاظت کرتا ہو۔ لہٰذا آدمی مرجاتا تو اس کا بیٹا وارث ہوتا اور اگر وہ نہ ہوتو اس کے رشتے داروں میں جو زیادہ قریبی ہوتا لیکن ہوتا مرد، تو اس کو ملتا۔ ان میں باپ، بھائی یا چچا وغیرہ تھے۔

جب اسی طرح سعد بن ربیعؓ شہید ہوئے تو ان کے بھائی نے میراث لے لی، ابھی تک میراث کے اسلامی احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ حضرت عمرہ سعدؓ کی بیوی محتاط اور صابرہ خاتون تھیں تاہم ان کو اپنے دیور کی کارستانی بری محسوس ہوئی لیکن انہوں نے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاکر شکوہ پیش کیا تاکہ اس بارے میں کوئی خدائی فیصلہ صادر ہو اور دوسروں کو بھی انصاف فراہم ہو۔ اور ان کو اور ان کی صاحبزادیوں کو بھی جاہلیت کے ظلم سے نجات حاصل ہو تو ایسا ہی ہوا۔

اس بارے میں سیّد جابر بن عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ بارگاہِ رسالتؐ میں حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوہ آئیں اور عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! یہ سعد بن ربیعؓ کی دو بیٹیاں ہیں، ان کے والد آپؐ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے تھے۔ ان بچیوں کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے، کچھ بھی نہیں چھوڑا اور کوئی ان سے نکاح بھی نہیں کرتا سوائے مال کے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ ہی اس بارے میں فیصلہ فرمائیں۔ تو آیت میراث

نازل ہوئی۔ پھر حضور علیہ السلام نے بچیوں کے بچیاں کے پاس پیغام بھیجا کہ سعد کی بیٹیوں کو (کل مال کا) دو تہائی حصہ دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچے، وہ تیرے لئے ہے۔ (مسند احمد ۳/۳۵۲، ترمذی، ابوداؤد)

اُمّ کلثوم کی ہجرت

اُمّ کلثومؓ بنت عقبہ اُموی اپنی ہجرت کے قصے اور اپنے مدینے کی طرف نکلنے کے حیلے کو خود بیان فرماتی ہیں کہ میں مکہ سے اپنے گاؤں جایا کرتی تھی جہاں میرے اہل تھے۔ وہاں تین چار دن ٹھہر کر واپس مکہ آجاتی، اس وجہ سے وہ میرے گاؤں کی طرف نکلنے کو منع نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ میں نے (مدینے کو) نکلنے کی تیاری کرلی۔ میں مکہ سے نکلی اس طرح ظاہر کرتی ہوئی کہ میں گاؤں جانا چاہتی ہوں۔ جب مجھے چھوڑنے کے لئے جو ساتھ آئے تھے، وہ واپس ہو گئے تو چلتی رہی۔ راستے میں ایک خزاعہ کا آدمی ملا، اس نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا، تیرا کیا مسئلہ ہے اور تو کون ہے؟ آدمی نے کہا، میں خزاعہ قبیلے سے ہوں۔

آدمی نے جب خزاعہ کا ذکر کیا تو میں مطمئن ہوگئی، اس لئے کہ خزاعہ والے حضورؐ کے عہد و پیمان میں داخل تھے یعنی حلیف تھے۔ میں نے کہا کہ میں قریش کی ایک عورت ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جانا چاہتی ہوں لیکن راستے کا مجھے علم نہیں ہے۔ آدمی نے کہا، میں تیری رہنمائی کرتا ہوں یہاں تک کہ مدینے پہنچادوں۔ پھر وہ میرے پاس اونٹ لے آیا، میں سوار ہوگئی اور ہم مدینے پہنچ گئے۔ وہ شریف و بھلا آدمی تھا، اللہ اس کو بہتر جزاء عطا فرمائے۔ میں وہاں حضرت اُمّ سلمہؓ اُمّ المومنین کے پاس گئی اور اپنا تعارف کرایا۔ وہ مجھے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں، اللہ و رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آئی ہیں۔ میں نے کہا، جی ہاں لیکن میں خوف کرتی ہوں کہ آپؐ مجھے واپس نہ کردیں۔

جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے اُمّ سلمہؓ کے پاس تو اُمّ سلمہؓ نے ان کے متعلق عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ان کو مرحبا و خوش آمدید کہا۔ پھر میں (اُمّ کلثوم) نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں اپنے دین کی حفاظت لے کر آپؐ کے ہاں بھاگی آئی ہوں، مجھے روکئے گا اور ان کے پاس واپس نہ لوٹا دیجئے گا۔ وہ مجھے آزمائش میں ڈالیں گے اور عذاب دیں

گے اور مجھے عذاب پر تحمل نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عز وجل نے عورتوں کے بارے میں عہد کو توڑ دیا ہے (یعنی صلح حدیبیہ میں جو قرار پایا تھا کہ جو بھی مسلمان مکہ سے مدینے آئے گا، اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ یہ بات عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے منع فرما دی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ﴾

''اے ایمان والو جب تمہارے پاس مؤمنات ہجرت کر کے آ جائیں تو ان کا امتحان لو اللہ ان کے ایمان کو خوب جاننے والا ہے پس اگر تم ان کو مؤمنات جان لو تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ لوٹاؤ'' (الممتحنة ۱۰-۱۱)

(عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین ۵۰۷)

اُمّ کلثومؓ کے حالات

مدینے میں حضرت اُمّ کلثومؓ نے صحابہؓ کی خواتین میں عمدہ لائق مرتبہ حاصل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اکرام فرماتے، ان کے صدق ایمان کی بڑائی کرتے اور بعض جنگوں میں اپنے ساتھ لے جاتے تا کہ زخمیوں کی دوا و علاج کریں۔ پھر ان کے لئے حصہ بھی مقرر فرمایا۔ اس کے علاوہ حضورؐ ان کے معاملات کا اہتمام وخیال فرماتے تھے۔

وارد ہے کہ حضرت زبیر بن عوام، زید بن حارثہ، عبدالرحمن بن عوف، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے ان کو شادی کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس بارے میں اپنے ماں شریک بھائی حضرت عثمان بن عفانؓ سے مشورہ لیا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ حضورؐ کے پاس جائیں اور آپؐ سے مشورہ لیں۔ حضرت اُمّ کلثومؓ حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچیں اور مشورہ طلب کیا۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا:

﴿تزوجي زيد بن حارثه فانه خير لك﴾

''زید بن حارثہ سے شادی کر لو وہ تمہارے لئے بہتر رہیں گے۔''

تو انہوں نے حضرت زیدؓ سے شادی فرمائی جن سے ان کے ہاں دو بچے، ایک لڑکا زید دوسری لڑکی رقیہ پیدا ہوئے۔ پھر جنگ موتہ میں حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت اُمّ کلثومؓ سے زبیر بن عوام نے شادی کی اور ان سے ان کے ہاں زینب لڑکی پیدا ہوئی۔ چونکہ حضرت زبیرؓ عورتوں پر سخت تھے، اس وجہ سے حضرت اُمّ کلثومؓ نے ان سے طلاق کا مطالبہ کیا تو انہوں نے طلاق دے دی۔ پھر ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے شادی کی اور ان سے ان کے ہاں دو لڑکے ابراہیم اور حمید پیدا ہوئے۔ جب حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے ان سے شادی کی اور ان کی زندگی میں اُمّ کلثومؓ وفات پا گئیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۲۷۷، تہذیب التہذیب ۱۲/۴۷۷)

اُمّ ہانی بنت ابی طالبؓ کی قدر ومنزلت

حضرت اُمّ ہانیؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی بلندی کی طرف گئے تو دو آدمی جو میرے سسرال سے تھے، میرے پاس بھاگے آئے۔ وہ قبیلہ بنی مخزوم کے تھے۔ میرے بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آ گئے اور فرمایا، اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو قتل کروں گا۔ میں ان دونوں کو کمرے میں بند کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچی۔ آپؐ نے فرمایا، مرحبا،! خوش آمدید اے اُمّ ہانی! کیا چیز تم کو لائی ہے تو میں نے دونوں آدمیوں کی اور اپنے بھائی حضرت علیؓ کی خبر سنائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک ہم نے اس کو پناہ دی جس کو تو نے پناہ دی اے اُمّ ہانی! اور ہم نے اس کو امن دیا جس کو تو نے امن دیا چنانچہ وہ (حضرت علیؓ) ان کو قتل نہ کریں۔" (سیر اعلام النبلاء ۲/۳۱۳)

معراج کا سفر اُمّ ہانیؓ کے گھر سے

حضرت اُمّ ہانیؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہی گھر سے معراج پر گئے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر آپؐ ہمارے گھر سو گئے تھے۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے آپؐ کو صبح کی نماز کے لئے بیدار کر دیا۔ آپؐ نے صبح کی نماز میں فرمایا:

''اے اُمّ ہانی! میں بیت المقدس میں گیا، اس میں نماز پڑھی، پھر صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی۔''

میں نے عرض کیا، لوگوں سے آپؐ یہ نہ بیان کرنا، وہ آپؐ کو جھٹلائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کی قسم! میں ان کو بیان کروں گا۔ پھر آپؐ نے ان کو خبر دی اور بعض لوگوں نے تعجب کیا۔ (سیرت نبویہ ۲/۴۱۱، زاد المیعاد ۳/۳۰۴)

مکے میں اُمّ ہانیؓ ذکر کرتی ہیں کہ وہ حضورؐ کے قرآن شریف کو سنا کرتی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ کعبہ کے پاس آدھی شب میں حضور ﷺ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور میں اس کو اپنے گھر کی چھت سے سنا کرتی تھی۔ (دلائل نبوۃ بیہقی ۶/ ۲۵۷)

حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ اور نزول وحی

حضرت خولہ اس قصے کو خود بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میرے اور میرے شوہر کے بارے میں اللہ عزوجل نے سورۂ مجادلہ کا شروع حصہ نازل فرمایا۔ میں اس کے پاس تھی۔ وہ بوڑھا، برے اخلاق والا اور سخت آدمی تھا۔ ایک دن میرے پاس آیا تو کسی چیز میں، میں اس سے تکرار کر بیٹھی۔ وہ غضب میں آ گیا اور کہہ دیا، تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ پھر چلا گیا اور اپنی قوم کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا۔ پھر واپس میرے پاس آ گیا اور مجھ سے (مباشرت کی) خواہش کرنے لگا۔ میں نے اس کو کہہ دیا، ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو تو نے کہہ دیا وہ کہہ دیا۔ اب جب تک اللہ و رسولؐ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرمادیں تب تک تو میرے قریب نہیں آ سکتا۔

میں نے اس کو چھوڑا اور نکل پڑی اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ پہنچی۔ آپؐ کے سامنے بیٹھ گئی اور جو مجھ کو شوہر سے تکلیف وغیرہ پہنچی تھی، ان کا تذکرہ کیا۔ اس بداخلاقی کی شکایت کرنے لگی تو حضورؐ نے فرمایا، اے خویلہ! تیرے چچا کا بیٹا (تیرا شوہر) بوڑھا آدمی ہے چنانچہ اس کے بارے میں اللہ سے ڈر۔ حضرت خولہ فرماتی ہیں کہ میں برابر حضور ﷺ سے اصرار کرتی رہی یہاں تک کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہو گیا اور حضور ﷺ پر وہ آثار چھا گئے جو وحی کے وقت چھا جاتے تھے۔ پھر آپؐ پر خوشی طاری ہو گئی اور فرمایا، اے خویلہ!

اللہ عزوجل نے تیرے اور تیرے شوہر کے بارے میں قرآن نازل فرمایا ہے۔ پھر میرے سامنے یہ سورۂ مجادلہ کی آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ﴾

چوتھی آیت تک۔

''بے شک اللہ نے اس عورت کو بات کو سنا جو آپ سے جھگڑا کرتی ہے اپنے شوہر کے بارے میں اور اللہ کی طرف وہ شکوہ کرتی ہے اور اللہ نے تمہاری باہمی گفتگو کو (بھی) سنا بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا تو حضور ﷺ بھی خوش ہو گئے۔ جب خولہؓ نے نبیؐ کے مسکرانے کو دیکھا تو یہ بھی خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ پھر آپؐ نے ان کو فرمایا کہ ان (شوہر) کو حکم کرو کہ ایک غلام آزاد کر دیں۔

حضرت خولہؓ...... یا رسول اللہؐ! ان کے پاس کوئی چیز (غلام وغیرہ) نہیں جو وہ آزاد کر سکیں۔

آپ ﷺ...... تو پھر وہ دو مہینے کے روزے پے در پے رکھیں۔

حضرت خولہؓ...... اللہ کی قسم! وہ تو بوڑھے شخص ہیں کیسے وہ روزے رکھیں گے۔

آپ ﷺ...... پھر ان کو چاہئے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھجور کا آدھا وسق (جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً صدقہ فطر کے برابر ہوتا ہے) کھلا دیں۔

حضرت خولہؓ...... اللہ کی قسم! یا رسول اللہؐ! یہ کچھ ان کے پاس نہیں ہے۔

حضور ﷺ ہم ان کی مدد کرتے ہیں کھجور کے ایک خوشے کے ساتھ اور ایک روایت میں ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ان کو (شوہر) کو حکم کرو کہ اُمّ منذر بنت قیس کے ہاں جائیں (وہاں کھجوریں زیادہ تھیں) اور اس سے آدھا وسق کھجور کا لے لیں اور وہ ساٹھ مسکینوں پر (آدھا آدھا) صدقہ کر دیں اور آپ سے رجوع کر لیں۔ حضرت خولہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! میں بھی ایک خوشے کے ساتھ ان کی مدد کرتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، بے شک تو نے صحیح کیا اور اچھا کیا، پس جا اور اس کو اس کی طرف سے صدقہ کر دے، پھر اپنے چچا کے بیٹے کے

ساتھ اچھا معاملہ کر۔ حضرت خولہؓ فرماتی ہیں، میں نے ایسا کر دیا۔

(الطبقات ۸/۳۷۹)

حضرت عمرؓ کو خولہؓ کی نصیحتیں

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ان کے پاس سے گزرے جب کہ آپؓ مسلمانوں کے اوپر خلیفہ تھے اور خود عمرؓ کے ساتھ جارود عبری بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خولہؓ کو سلام کیا، حضرت خولہؓ نے جواب دیا اور کہا، اے عمرؓ! بیٹھ جایئے۔ حضرت عمرؓ بیٹھ گئے، ان کے قریب آ گئے اور متوجہ ہو گئے۔ حضرت خولہؓ نے سختی سے وعظ و نصیحتیں کیں، حضرت عمرؓ بھی برابر کھڑے سنتے رہے۔ حضرت خولہؓ نے فرمایا:

> ''اے عمرؓ! کیا وہ زمانہ دور ہو گیا کہ تجھے (زمانہ جاہلیت کے اندر بچپن میں) عمیر عمیر (چھوٹا سا عمر) کہا جاتا تھا اور تو عکاظ کے بازار میں اپنی لاٹھی سے بھیڑیں چراتا تھا اور زیادہ زمانہ نہ گزرا کہ (تو بڑا ہو گیا) اور تجھے عمر کہا جانے لگا اور پھر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ تجھے امیر المومنین کہا جانے لگا۔ لہٰذا اللہ سے ڈر اپنی رعایا کے بارے میں اور جان لے کہ جو وعید (آخرت وغیرہ کے عذاب) سے ڈرا تو اس پر بعید (مشکل کام) قریب ہو گیا اور جس نے موت سے خوف کیا تو وہ فوت (ہلاکت) سے ڈرا۔''

حضرت جارود نے حضرت خولہؓ کو کہا، اے عورت! تو نے امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، (اے جارود) اس کو چھوڑ دو، آپ جانتے بھی ہو، یہ کون ہے؟ عرض کیا، نہیں۔ تو فرمایا، یہ وہ خاتون ہے جس کے شکوے کو اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کے اوپر سے سنا۔ تو کیا ربّ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، ان کی بات کو سنے اور عمر نہ سنے۔ جب کہ اللہ کی قسم! اگر ساری رات یہ مجھ سے نہ ہٹیں تو میں بھی نہ ہٹوں گا جب تک کہ یہ اپنی حاجت پوری کر لیں۔ (اسد الغابہ ۵/۴۴۴)

حضرت بسرہ بنت صفوانؓ ......ایمان کی سچائی

• حضرت بسرہؓ اپنے ایمان کی سچائی اور معاملات میں حق بجانت ہونے کو اس طرح مضبوط رکھتیں جس میں کسی قرابت دار، رشتہ دار کا خیال نہ فرماتیں جب وہ شرع کی مخالفت کر رہا ہو۔ غزوۂ بدر میں ان کا ماں شریک بھائی عقبہ بن ابی معیط ملعون مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید اور پھر اپنے مشرک ساتھیوں کے ساتھ قتل ہو گیا۔

جنگ اُحد میں حضرت بسرہؓ کا بیٹا معاویہ کفار کے ساتھ نکلا مسلمانوں سے لڑنے کے لئے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مسلمان شہداء کی لاشوں کو بدشکل کر دیا تھا۔ پھر اللہ عزوجل نے اس کو مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار کروا دیا اور نبی علیہ السلام نے اس کو اُحد سے واپسی کے وقت قید میں قتل کروا دیا اور وہ اپنے مشرک گروہ کے ساتھ جہنم واصل ہو گیا۔ جب یہ خبر بسرہؓ کو پہنچی تو کوئی پرواہ نہ کی بلکہ اس اور اس جیسے کافروں سے مسلمانوں کی خلاصی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ان جیسی اعلیٰ مثالوں کے ساتھ حضرت بسرہؓ نے ایمانی قوت کا ثبوت دیا۔

(تہذیب الاسماء واللغات ۲/۳۳۳)

فاطمہ بنت خطابؓ کی استقامت

حضرت عمرؓ اپنی سخت طبیعت اور رسول اکرم ﷺ سے حد درجہ دشمنی میں بہت مشہور ومعروف تھے۔ ایک مرتبہ اپنی تلوار کو ننگا کر کے سونتے ہوئے نکلے اور حضورؐ کے قتل کا پکا عزم کر لیا۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ تمام ملے۔ انہوں نے پوچھا، اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے۔ کہا، میرا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا، تو بنی ہاشم اور بنی زہرہ سے مطمئن ہو گیا ہے جو تو محمد (ﷺ) کو قتل کرنے چلا ہے۔ عمرؓ نے کہا، میں سمجھتا ہوں کہ تو بھی ضرور بد دین ہو گیا ہے اور اپنے پہلے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ نعیم نے کہا، اے عمرؓ! کیا میں تجھے تعجب انگیز بات نہ بتلاؤں،، وہ یہ کہ تیری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں اور تیرے دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

حضرت عمرؓ غضبناک حالت میں لوٹ پڑے اور دونوں کے پاس آئے۔ دونوں کے

پاس قاری قرآن خباب بن ارتؓ بیٹھے ہوئے قرآن پاک پڑھا رہے تھے جو سورۃ ''طٰہٰ'' تھی اور کسی چیز پر لکھی ہوئی تھی۔ جب انہوں نے عمرؓ کی آہٹ سنی تو دونوں میاں بیوی نے جناب کو گھر میں چھپا دیا۔ فاطمہؓ نے صحیفہ قرآن بھی چھپا لیا لیکن حضرت عمرؓ گھر کے قریب آتے ہوئے تلاوت کی آواز سن چکے تھے جو حضرت خبابؓ کر رہے تھے۔ جب عمرؓ اندر آئے تو پوچھا، یہ کیسی آواز تھی جو میں نے سنی۔ دونوں نے ان کے سامنے کہا، سوائے گفتگو کے اور ہم کچھ نہیں کر رہے تھے۔ عمرؓ نے کہا، شاید تم بد دین ہو گئے، مجھے خبر ملی ہے کہ تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین پر ہو گئے ہو۔

حضرت عمرؓ کو ان کے بہنوئی حضرت سعیدؓ نے فرمایا، اے عمرؓ! اگر دین حق تیرے دین کے علاوہ ہو تو پھر آپؓ کا کیا خیال ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب نہ بن پڑا، اپنے بہنوئی پر کود پڑے اور خوب مارا پیٹا۔ حضرت فاطمہؓ آپؓ کی بہن چھڑانے کو کھڑی ہوئیں اور حضرت عمرؓ کو اپنے شوہر کے اوپر سے ہٹایا تو اپنی بہن حضرت فاطمہؓ کو بھی منہ پر ایسا طمانچہ مارا کہ چہرے سے خون بہہ پڑا۔ آخر کار حضرت فاطمہؓ بھی کہہ اٹھی، اے عمر! اگر حق تیرے دین کے علاوہ ہوا تو ہم وہی قبول کریں گے لہٰذا میں پڑھتی ہوں۔...... اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھدان محمداً رسول اللّٰہ...... جب عمرؓ نے اپنی بہن کے چہرے پر خون بہتا ہوا دیکھا تو نادم و پشیمان ہو گئے۔ دل میں حق کا طوفان اٹھ پڑا اور کہا، اچھا وہ کتاب لاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔

چونکہ حضرت عمرؓ لکھے پڑھے تھے اس لئے کتاب منگوائی۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا، جب کہ ان کو ان کے اسلام کی امید کی کرن پھوٹتی نظر آ گئی تھی، فرمایا کہ آپؓ ناپاک ہیں اور اس کو پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی اور نہیں چھو سکتا۔ لہٰذا کھڑے ہوں، پہلے غسل فرمالیں...... سبحان اللّٰہ...... حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور غسل فرمالیا۔ پھر وہ قرآن پاک لے کر پڑھنا شروع کیا:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ...... طٰهٰ ما انزلنا...... اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾

سورت تلاوت کی۔ آخری لکھے ہوئے حصے کا معنی ہے:

''بے شک میں اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے لہٰذا میری ایسی عبادت کرو اور نماز قائم کرو میری یاد کے لئے۔''

تو یہاں تک پڑھا تھا کہ دل کی ویران بستی سرسبز و شاداب ہونے لگی اور کہہ اٹھے۔

کس قدر اچھا اور باعزت کلام ہے۔ مجھے محمد (ﷺ) کے پاس لے چلو۔ پھر ان عمدہ لمحات میں حضرت خبابؓ اپنی خفیہ جگہ سے نکل پڑے، تیزی سے حضرت عمرؓ کی طرف آئے اور فرمایا، اے عمرؓ! خوشخبری ہو آپ کو۔ مجھے لگ رہا ہے کہ حضور ﷺ کی جمعرات والی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوئی ہے کہ آپؐ نے یہ دُعا فرمائی تھی:

''اے اللہ! اسلام کو باعزت بنا عمر بن خطاب کے ذریعے یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے۔''

حضور ﷺ ابھی صفا پر ارقم کے گھر ہوں گے لہٰذا حضرت عمرؓ ارقم کے گھر کے لئے صفا پہاڑی کی طرف چل پڑے، وہاں جا کر نبی ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ یہ سننا تھا کہ مسلمانوں نے زور سے نعرۂ تکبیر......اللہ اکبر...... بلند کیا کہ مکہ کے در و دیوار ہلتے محسوس ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام نے مشرکین میں ذلت و رسوائی کی بڑی دراڑ پیدا کر دی اور مسلمانوں میں عزت و شرف اور خوشی کی لہریں دوڑ پڑیں۔

(سیرت ابن ہشام ۱/۳۵، الطبقات ۸/ ۲۶۷، اسد الغابہ ۴/۵۲، البدایہ والنہایہ ۳/ ۷۷)

حضرت ہند بن عتبہؓ......اسلام سے پہلے

مشرکین مکہ سے نکلے، ان کے آگے سرداران مکہ تھے اور ان کے بہادر حضرات تھے۔ یہ تجارت کے مال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو موت کی نیند سلا کر پھر تین دن وہاں جشن منائیں گے، اونٹوں کو ذبح کریں گے اور شراب کا دور چلائیں گے۔ جب یہ عرب سنیں گے تو ہمیشہ کے لئے ان کے اندر قریش کی ہیبت و رعب بیٹھ جائے گا۔

لشکر کے اندر ان کے یعنی ہند کے قریشی ایک تو والد اور دوسرے بھائی تھے اور چچا و شوہر بھی تھے۔ مسلمانوں کے لشکر میں ان کے رشتے دار صرف بھائی ابوحذیفہ بن عتبہ اپنے غلام سالم کے ساتھ تھے۔ جنگ بدر میں ابوحذیفہؓ کا عظیم کردار تھا، انہوں نے اپنے مشرک کافر باپ کو اپنے سے لڑائی کے لئے سب کے سامنے طلب کیا تو ان کی بہن ہند نے یہ شعر کہے:

الا حول الا ثعل المذموم طائره

ابو حذیفة شر الناس فی الدین

اما شكرت اباً رباك من صغر
حتى شببت شبابا غير محجون

"(وہ بھائی) بھینگا ہے دانتلا ہے اس کی (قسمت کا) پرندہ منحوس ہے وہ ابوحذیفہ ہے دین کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بدتر ہے نہ تو نے اپنے باپ کا شکر کیا (اور خیال) جس نے تجھے بچپن سے پرورش کی حتیٰ کہ تو کسی عیب کے بغیر مکمل جوان ہو گیا۔"

حقیقت میں یہاں مسلمانوں کے ساتھ وفاداری عمدہ طرح سے نبھانے کا ایک عظیم کردار ہے جو یہ ثبوت بھی پیش کرتا ہے کہ ان کی نبی ﷺ کے ساتھ کس قدر محبت تھی اور آپؐ کی رسالت پر کتنا اٹل ایمان تھا کہ ابوحذیفہؓ نے اپنے باپ کی بھی ان راہوں میں رکاوٹ برداشت نہیں کی اور اپنے ساتھ معاملے پر خود طلب کر لیا۔ بلکہ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے کافر مشرک بھائی و چچا کو اعلان جنگ کر دکھایا اور معرکے کے شروع میں ہی عتبہ، اس کا بیٹا، اس کا بھائی تینوں واصل جہنم ہو گئے۔

آخر میں جنگ کا اختتام کفار کے لئے ستر (70) کافر لاشوں اور ستر (70) کافر قیدیوں کے تحفہ کی صورت میں بدترین شکست کا پیغام لایا، وہ مشرک و کفر کے پتلے آخر میں پشت دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی آنکھیں ذلت و رسوائی سے جھکی پڑی تھیں کوئی ایک دوسرے سے نظر نہ ملا سکتا تھا بلکہ شرمندگی و حسرت و افسوس سے اپنے چہرے کو چھپا لینے لگے اسی عذاب کی وجہ سے جو ان پر نازل ہو چکا تھا اور بھاگنے والوں کے شروع میں ابوسفیان امیہ تھا۔

مسلمان اللہ عزوجل کی نصرت و مدد سے خوش و خرم ہو گئے۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت دیا اور مکہ کے کافروں میں ان کے کافر سرداروں پر مصیبت موت کی جو خبر پہنچی، ان چیزوں نے مزید مسلمانوں کے لئے بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ مکہ میں پہلے خبر پہنچی تو اپنی انا کے گھمنڈ میں خبر کی تصدیق نہ کی یہاں تک کہ شکست خوردہ، زخموں، ذلتوں سے چور کافر بھاگے آئے تو پھر ان پر یہ خبر بجلی کی طرح بن کر گری اور یقین ہوا۔ یہاں تک کہ شدت غم کی وجہ سے دشمن خدا ابولہب تو سخت بیمار پڑ گیا جب کہ یہ جنگ میں بھی نہ گیا تھا اور سات دنوں کے بعد ذلت و پستی کی موت مر گیا۔ اس کے علاوہ قریش مکہ کی عورتوں میں شرم و افسوس سے ماتم برپا

ہو گیا، چیخنے چلانے لگیں اور ایک مہینے تک ان کے پت جھڑ کا موسم رہا۔ اپنے مقتولوں پر رونا دھونا، اپنے سر کے بالوں کو کھینچنا، غرض جو کچھ ہو سکا کیا۔ جب کسی آدمی کی سواری لائی جاتی اور اس کا سوار جہنم میں ہوتا تو اسی کے گرد اکٹھی ہو کر رونے کا میلہ برپا کر لیتیں۔

ان سب معاملات میں صرف ایک خاتون رہ گئی جس نے ایسا کچھ نہ کیا، وہ یہی خاتون ہند بنت عتبہ ہیں جب کہ ان کے بھائی، والد، چچا بھی قتل ہوئے تھے۔ اس وجہ سے عورتیں ان کے پاس آئیں اور کہا کہ تو اپنے بھائی، والد، چچا پر کیوں نہیں روتی؟ انہوں نے بہت ہی عقل مندی کا جواب دیا کہ میں روؤں تو یہ بات جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں کو پہنچے گی تو وہ ہمارے اوپر ہنسیں گے اور انصار کی عورتیں بھی ہنسیں گی۔ اللہ کی قسم! جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھیوں سے ہم جنگ نہ کریں، بدلہ نہ لے لیں تو مجھ پر تیل لگانا حرام ہے۔ اور اللہ کی قسم! اگر میں جان لیتی کہ رونے سے میرے دل سے رنج وغم ختم ہو جائے گا تو میں ضرور رو لیتی لیکن وہ رنجم وغم جا ہی نہیں سکتا، جب تک کہ اپنے اہل وعیال کے قاتلوں سے قصاص لے کر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔

ہندا پنے شوہر کے قریب نہیں لگتی تھی، نہ تیل لگاتی تھی۔ (ان کے ہاں یہ بات بھوک ہڑتال کے قریب تھی) بلکہ لوگوں کو بدلے پر برانگیختہ کرتی رہی یہاں تک کہ جنگ اُحد کا واقع پیش آ گیا۔ ان دونوں کے درمیان میں بدر کے مقتولوں پر مرثیہ خواں رہی، ان میں سے چند اشعار یہ ہیں:

ابکی عمید الا بطحین کلیها
وحامیهما من کل باغ یریدها

"میں دونوں گرائے ہوؤں پر اور ان کے حفاظت کرنے والوں پر میں روتی ہوں ہر سرکش سے جوان کا ارادہ کرے۔"

ابن عتبة الخیرات ویحدو فاعلمی
وشیبة والحامی الزماء ولیدها

"(دونوں میں سے ایک تو) ابو عتبہ (باپ) بھلائیوں کا رضامند تھا افسوس تجھ پر (اے ہند) اور تیرے بڑھاپے پر اور (دوسرا بھائی) جو

حسب نسب کی حفاظت کرنے والا تھا۔ان میں وہ ولید تھا۔''

اولئك ال المجد من ال غالب

وفی العزمنها حین ینمی عدیدها

''یہ ان کی غالب سے بزرگی کی اولاد ہیں اوران میں سے جنگی تعداد کو بھی بڑھایا جائے وہ عزت ہی میں ہیں۔''

جنگ اُحد کی تیاری

بدر کے بعد قریش کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے بلکہ انتقام کی آگ بھڑکتی رہی۔عورتیں اپنے بیٹوں، باپوں اورشوہروں ودیگر رشتے داروں کا تذکرہ کرکے روتی رہتی تھیں اور پھر قریش بھڑکتے، دردمند ہوتے۔آخر کار مشرکین نے بدلہ لینے کا عزم کرلیا اور طے پایا کہ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ جائیں لیکن بعض سرداران مکہ اور بہادر عورتوں کے نکلنے پر آڑے آگئے جن میں سے صفوان بن اُمیہ بھی تھا۔اس وقت ہند بنت عتبہ چیخ پڑی ان پر جو عورتوں کو روک رہے تھے اور صفوان کو مخاطب کرکے کہنے لگی:

''خدا کی قسم! تو جنگ بدر سے سلامت اپنی عورتوں کے پاس واپس آگیا تھا اور لڑ نہ سکا۔اب ہم نکلیں گی اور قتال میں شریک ہوں گی اور اب ہمیں کوئی واپس نہیں لوٹا سکتا جیسے کہ پہلے تم نے جحفہ کے مقام پر واپس کردیا تھا اور پھر اس دن ہمارے احباب قتل ہو گئے۔''

آخر کار قریش کے ساتھ عورتیں بھی نکل کھڑی ہوئیں۔ (اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے) عورتوں کے آگے ان کی بڑی ہند بنت عتبہ تھی۔ یہ تیرہ عورتیں تھیں اور یہ وہ تھیں جو انتقام کی آگ میں سب سے زیادہ بھڑک رہی تھیں۔ یہ سب مشرکین مدینے کی طرف چل پڑے۔ہند نے ایک حبشی آدمی وحشی نامی کو بہت مال وزیورات دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس بات پر بھڑکایا تھا کہ وہ حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو ضرور قتل کرے گا اس لئے کہ بدر میں انہوں نے ہی اس کے اعزاء کو قتل کیا تھا۔

اُحد کے میدان میں دونوں جماعتیں جمع ہوگئیں اور دونوں طرف کے فریق

خونریزی کے لئے چوکنا ہو گئے۔ قریش اپنے بدر کے مقتولوں کا تذکرہ کر کر کے اپنے آپ کو خوب انتقام کی وادی میں دھکیل رہے تھے۔ عورتیں پیچھے صفوں کی صورت میں ڈھول طبلے بجاتیں، بھڑکیلے اشعار گاتیں ان کو طاقت پہنچا رہی تھیں۔ ان میں سب سے آگے ہند بنت عتبہ تھی اور کہہ رہی تھی:

نحن بنات طارق
نمشی علی النمارق

''ہم ستارے کی بیٹیاں ہیں اور ہم نرم گدوں پر چلنے والی نازنین ہیں۔''

ان تقبلوا نعانق
او تدبروا نفارق

''اگر تم لڑائی میں بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور اگر لڑائی کو پشت دو گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔''

فراق غیر وامق

''ایسی جدائی جو کبھی ختم نہ ہو۔''

یہ تو کفار کا حال تھا لیکن مسلمان اللہ عزوجل کو یاد کر رہے تھے اور اس سے مدد طلب کر رہے تھے۔ نبی ﷺ نے تیراندازوں کا ایک جتھہ پہاڑ پر مقرر کر دیا تھا اور پھر لشکر کو ایسے طریقے سے ترتیب دیا جس سے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ مدد ضرور نازل ہو جب تک کوئی اس ترتیب و قواعد کی پابندی کرے۔ آخر لڑائی شروع ہوئی، شروع میں خونریزی کی چکی نے مشرکین کو پیسا اور اگرچہ مسلمانوں کی تعداد سات سو سے زیادہ نہ تھی جو تین ہزار کفر کے مجسموں سے لڑ رہے تھے لیکن مسلمانوں کا پلہ پھر بھی بھاری تھا۔ یہاں تک کہ قریش منتشر ہو گئے، ان کی عورتیں واویلا کرنے لگیں کہ اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم کو قید کر لیا جائے گا۔ اس اثناء میں بعض مسلمان غنیمت اکٹھی کرنے لگے اور بعض تیرانداز جو پہاڑ پر مقرر تھے، حکم نبویؐ کو فتح تک کے لئے سمجھ کر اتر پڑے۔ (حکم نبویؐ کی مخالفت کی وجہ سے اگرچہ خطا اجتہاداً ہوئی تھی) پانسہ پلٹ گیا۔ مشرکین نے مسلمانوں کے مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہونے کو غنیمت جانا اور بھاگتے ہوئے واپس پلٹ کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ دوبارہ خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔

اس موقعہ پر مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے، ان میں حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ ان کو وحشی نے مال کے لالچ میں دھوکے سے قتل کر دیا۔

اس دفعہ قریش خوشی سے بھر گئے اور سمجھے کہ اب بدر کا خوب انتقام لے لیا۔ سب سے زیادہ ہند خوشی میں لت پت تھی۔ اس کو حمزہؓ کے قتل پر قرار و چین نہ آیا بلکہ وہ چلی، اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ یہ سب مسلمانوں کی نعشوں کو بری شکل بنا رہی تھی (ناک کان وغیرہ کاٹ کاٹ کر) اور خوب گھناؤنی بدتمیزی پر تلی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ ابوسفیان بھی ان سے عاجز آ گیا اور کہا کہ میں ان کی بری حرکتوں سے بری ہوں اگر چہ وہ شریک رہا ہو۔ اور ایک مسلمان کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تمہارے مقتولوں کی جو شکلیں بگاڑی گئی تھیں، اللہ کی قسم! میں اس پر راضی نہ تھا۔ نہ ناراض تھا، نہ روکا، نہ حکم کیا۔ اس کے بعد ہند ایک بلند چٹان پر چڑھی اور چیختی ہوئی یہ اشعار پڑھے:

نحن جذینا کم بیوم بدر
والحرب بعد الحرب ذات سعر

''ہم نے بدر کے دن کا بدلہ تم کو چکھا دیا اور جنگ جنگ کے بعد بڑی بھڑکنے والی جہنم ہے۔''

ما کان عن عتبة لی من صبر
ولا اخی وعمی وبکری

''اور مجھے صبر نہ ہو سکا عتبہ (باپ) اور بھائی اور چچا اور پہلے بیٹے سے۔''

شفیت صدری وقضیت نذری
شفیت وحشی غلیل صدری

''میرا سینہ شفایاب ہو گیا اور میں نے اپنی منت پوری کر لی۔ اے وحشی! تو نے میرے سینے کی بیماری کو شفاء بخش دی۔'' (تاریخ اسلام ۲/۲۰۵)

مشرکین ننگ و عار کا دھبہ اپنے سے دھو کر خوشی سے واپس لوٹے۔ پھر اُحد سے واپسی کے وقت ہند نے کہا:

رجعت وفی نفسی بلابل جمة
وقد فاتنی بعض الذی کان مطلبی

''میں لوٹ رہی ہوں اس حال میں کہ میرے نفس میں بہت غم ہیں اور ان
میں سے کچھ کم ہوئے ہیں جو میرے مطلب میں تھے۔''

ولکننی قد خلت شیئا ولم یکن
کما کنت ارجو فی میسری ومطلبی

''لیکن تھوڑا کچھ (اپنا مطلب) حاصل کرلیا اور نہیں تھا وہ ایسا جیسا میں
اپنے سفر و مطلب میں ارادہ رکھتی تھی۔'' (سیرت نبویہ ۲/۱۶۸)

حضرت ہندؓ کا اسلام اور بیعت

روایات متفق ہیں اس بات پر کہ ہندؓ کا اسلام فتح مکہ کے دن تھا اپنے شوہر ابوسفیانؓ کے اسلام کے بعد۔ بہر حال ہند کے اسلام کے قصے کے بارے میں کتابوں نے کہا ہے کہ ہند نے ابی سفیانؓ کو کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرلوں۔ ابوسفیانؓ نے کہا، کل تک تو میں تجھ کو دیکھ رہا تھا کہ اس بات کو بھی انتہائی ناپسند کرتی تھی۔

ہند...... اللہ کی قسم! میں نے آج کی پہلی رات اس مسجد حرام میں اللہ کی عبادت کما حقہ ادا کرتے دیکھی ہے۔ (الطبقات ۸/۲۳۶، تاریخ طبری ۲/۱۶۱، اسد الغابہ ۵/۵۶۲)

اس رات سے پہلے میں نے اس مسجد میں ایسی عبادت خدا ہوتے نہیں دیکھی اور وہ لوگ (مسلمان) اس میں (سرکشی واکڑتے ہوئے) نہیں آئے بلکہ قیام رکوع، سجدے کرتے آئے۔ یعنی عبادت ہی بجالائے نہ کہ فتح کی خوشی میں فخر کرتے رہے۔ ابوسفیان نے کہا، ٹھیک ہے، اپنے کسی قوم والے آدمی کو ساتھ لے جا۔ پھر حضرت عثمانؓ یا حضرت عمرؓ کے پاس گئی اور جو عورتیں اور بھی اسلام لائی تھیں، وہ بھی ساتھی تھیں۔ یہ شخص جن کے پاس وہ گئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس کے لئے اجازت مانگنے گئے۔ وہاں تو رحمت اللعالمین رحمت کا دریا تھے لہٰذا اجازت مل گئی۔ پھر اپنے واقعہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کے ساتھ کیا تھا، یاد کرتی ہوئی اور انتہائی خوف بھی کہ کہیں حضورؐ اس واقعے کے بدلے پکڑوا نہ دیں، چل پڑیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسولؐ! تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے

دین کو غالب کیا جس کو میں اختیار کرتی ہوں تا کہ مجھے آپؐ کا رحم مل جائے۔اے محمدؐ! میں ایمان لانے والی عورت ہوں اور اللہ کے رسولؐ کی تصدیق کرنے والی ہوں۔''

پھر یہ کہہ کراس نے اپنا نقاب اٹھادیا۔(شاید حضورؐ کو پہلے پتہ نہ تھا کہ یہ ہند ہے) اور کہنے لگی، میں ہند بنت عتبہ ہوں۔قربان جایئے رسولؐ پر۔آپؐ نے فرمایا، مرحبا ہو تجھ کو (خوش آمدید)۔

پھر ہند نے کہا۔خدا کی قسم! زمین میں بسنے والوں کے اندر پہلے مسلمانوں کی ذلت ورسوائی مجھے سب سے پسند تھی اور اب اللہ کی قسم! روئے زمین میں بسنے والوں کے اندر آپ حضرات کی عزت مجھ سب سے پسند ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اللہ تجھے مزید ترقی دے۔پھر آپؐ نے ان پر قرآن پاک کی تلاوت کی اور ان کو بیعت فرمایا اس شرط پر کہ شرک نہ کریں گی تو ہند نے کہا، اللہ کی قسم! آپؐ ایسی شرط لگا رہے ہیں جو آپ مردوں سے ذکر نہیں کرتے اور ہم وہ شرط بالکل تسلیم کرتی ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا، نہ چوری کریں گی۔ہند نے کہا، اللہ کی قسم! اگر میں نے ابوسفیان کے مال سے بھی کوئی تھوڑی سی چیز استعمال کی ہو اور میں اس کو بھی نہیں جانتی کہ آیا وہ میرے لئے حلال ہے یا حرام۔ابوسفیانؓ وہاں موجود تھے، کہہ پڑے، کبھی کبھی اگر تو نے کوئی چیز استعمال کی ہو تو وہ تیرے لئے حلال ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، بے شک تو ہند بنت عتبہ ہے۔(یعنی بلند ہمت)۔ہند نے کہا، میں ہند بنت عتبہ ہی ہوں لہٰذا جو گزر چکا، مجھے معاف فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپؐ کو معاف فرمائے گا۔

پھر آپؐ نے بیعت کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا، اور نہ زناء کریں گی۔ہندؓ نے کہا، یارسول اللہؐ! کیا آزاد عورت بھی زناء کرتی ہے؟ فرمایا، نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی۔ ہندؓ نے کہا، ہم نے ان کی بچپن سے پرورش کی اور آپؐ نے ان کو بدر میں قتل کردیا، آپؐ اور وہ جانیں تو حضرت عمرؓ ہنس پڑے اور خوب ہنسے۔پھر آپؐ نے فرمایا، نہ کوئی بہتان اپنے ہاتھوں پیروں سے اختراع (گھڑ) کر کے لائیں گی۔ہندؓ نے کہا، اللہ کی قسم! بہتان باندھنا برا ہے

اور حد سے گزرنا ہے۔ فرمایا، نہ میری کسی بھلی بات میں نافرمانی کریں گی۔ ہندؓ نے کہا، ہم یہاں اس مجلس میں اس لئے نہیں بیٹھے کہ آپ کی نافرمانی کریں۔

پھر حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم فرمایا کہ ان کو بیعت کرلو کیونکہ حضورؐ کے ہاتھ نے کبھی کسی غیر عورت کے جسم کے کسی حصے کو چھوا تک نہیں، علاوہ ان عورتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے حلال کردی ہیں۔ (تہذیب الاسماء واللغات ۲/ ۳۵۷)

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ

جب ہند بن عتبہ اسلام لائیں تو حضور ﷺ کی خدمت میں جب کہ مقام ابطح میں تھے، ہندؓ نے دو بکریاں بھنی ہوئیں اور پانی کا مشکیزہ خاطر تواضع کے لئے بھیجا اپنی باندی کے ہاتھ۔ جب باندی قریب پہنچی تو سلام کیا۔ آپؐ اپنی بیویوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ اُمّ سلمہؓ، میمونہؓ اور دوسری عبدالمطلب کی اولاد سے کچھ خواتین تھیں۔ باندی نے عرض کیا، میری آقا نے یہ آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ معذرت کرتی ہیں کہ ہماری بکریاں بچے جننے والی کم ہیں یعنی بکریاں تھوڑی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تمہاری بکریوں میں برکت دے اور ان کی والدہ کو جننے والی زیادہ کرے۔

باندی نے واپس جا کر اپنی آقا ہند کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے یوں دُعا دی ہے تو ہندؓ خوش ہوگئیں۔ باندی کہتی تھیں کہ ہم نے بکریوں میں اور ان کی والدہ میں وہ کثرت دیکھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہند کہتی ہیں کہ یہ رسول ﷺ کی دُعا ہے اور ان کی برکت سے، پس اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی۔ پھر ہند کہتی ہیں کہ میں پہلے خواب دیکھا کرتی تھی کہ میں سورج کی تپش میں کھڑی ہوں اور سایہ قریب تو ہے لیکن میں اس کے نیچے آنے پر قادر نہ ہوسکتی تھی۔ پھر اب جب ہم رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوگئے تو اب دیکھتی ہوں کہ میں سائے میں داخل ہوگئی ہوں۔ (الاعلام ۸/ ۹۸)

ہند اور معاویہؓ

حضرت ہندؓ نے اپنے جگر گوشہ امیر معاویہؓ کو بچپن میں فضائل بہادری، احتیاط،

طفل دعزت کی لوریاں دیتے ہوئے دودھ پلایا تھا۔ ہندؓ نے یہ درج ذیل اشعار بھی ان کے بچپن میں ان کو بہلاتے ہوئے کہے ہیں:

ان بنی معرق کریم
محبب فی اهله حلیم

''میرا بچہ خاندانی شریف کریم ہے اور اپنے گھر میں محبوب و بردبار ہے۔''

لیس بفحاش ولا لیئم
ولا بطخرور ولا شنووم

''نہ وہ فحش ہے نہ کمینہ ہے اور نہ سخت ہے اور نہ منحوس ہے۔''

صخر بنی فهر به زعیم
لا یخالف الظن ولا یخیم

''بنی فہر قبیلے کی چٹان ہے اور اس کا سردار ہے۔ وہ (لوگوں کے اچھے گمان کی اپنے بارے میں) گمان کی مخالفت نہیں کرتا اور نہ بزدلی دکھاتا ہے۔''

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کی طرف کسی نے دیکھا جب کہ یہ بچے تھے اور اس نے کہا، میرا خیال ہے کہ یہ بچہ اپنی قوم کا سردار بنے گا۔ تو ہند ماں نے کہا، یہ مجھ سے گم ہو جائے اگر اپنی قوم کا سردار نہ بنے۔ (تاریخ دمشق ۲۳۷، الاعلام ۸/ ۹۸)

اُمّ حکیم بنت حارثؓ...... جہاد و بہادری

حضرت اُمّ حکیمؓ اپنے شوہر عکرمہؓ کے ساتھ شام کی طرف روم سے جہاد کے لئے نکل پڑیں۔ یرموک کی جنگ میں زبردست لڑائی ہوئی، عورتوں نے بھی تلواروں کے ساتھ جنگ کی۔ ان میں سے اُمّ حکیمؓ بھی ہیں۔ یہاں تک کہ لڑنے میں عورتیں مردوں سے سبقت لے گئیں، اسی معرکے میں حضرت عکرمہؓ شہید ہو گئے۔ اُمّ حکیمؓ نے عدت کے چار مہینے دس دن گزارے، پھر ان سے خالد بن سعید بن عامر نے شادی کر لی۔ جب مرج الصفر کا واقعہ پیش آیا دمشق کے جنوبی حصے میں تو خالد نے ان سے مباشرت کا ارادہ کیا، انہوں نے کہا، اللہ ان کافروں کو شکست دے جب تک آپ نہ چھیڑیں تو بہتر ہو۔ خالد نے کہا، میری جان کہتی ہے

کہ میں اس جنگ میں شہید ہو جاؤں گا تو کہا ٹھیک ہے۔ پھر حضرت خالد نے ان کے ساتھ شب سہاگ منائی ایک ٹیلے کے پاس جو صفر مقام میں تھا، اس وجہ سے اس جگہ کا نام اُمّ حکیمؓ کا ٹیلہ پڑ گیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے ولیمے کی دعوت کی اور ابھی یہ حضرات ولیمے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ رومی آ پہنچے۔ لڑائی و خونریزی شروع ہو گئی اور حضرت خالد واقعی شہید ہو گئے۔

پھر اُمّ حکیمؓ نے جوش لڑائی میں اپنے کپڑے مضبوط کر لئے، ان کے کپڑوں میں خوشبو تھی۔ پھر لڑائی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ مرد بھی عاجز آ گئے۔ بغیر تلوار کے صرف اس خیمے کی لکڑی سے جس میں انہوں نے شب سہاگ منائی تھی، اس کی لکڑی سے سات آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ حضرت اُمّ حکیمؓ سے ان کے بعد حضرت عمرؓ نے شادی فرمائی اور ان سے ان کے ہاں فاطمہ بنت عمرؓ پیدا ہوئی۔ اس فاطمہ کی شادی حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی زید بن خطاب سے ہوئی۔ (تاریخ دمشق ۵۰۳، اصابہ ۴۲۶)

خولہ بنت ازورؓ کی حیران کن بہادری

حضرت خالدؓ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے اپنے لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے کہ اچانک آپ نے کمیت، قد آور، کوتاہ گردن گھوڑے پر ایک سوار جس کے ہاتھ میں ایک چمکدار لانبا نیزہ تھا اور جس کی وضع قطع، شکل و شباہت سے دانائی، باگیں کاٹنے اور پھیرنے سے شجاعت ٹپکتی تھی، دیکھا۔ جو باگیں ڈھیلے چھوڑے زین پر پوری طرح جمے ہوئے زرہ کے اوپر سیاہ کپڑا پہنے سبز عمامہ کا پٹکا کمر سے باندھے ہوئے ہے، جس کو اس نے اپنے سینے سے پشت تک ڈال رکھا تھا، فوج کے آگے آگے جا رہا تھا۔ جس وقت آپؓ نے اسے اس شان و شوکت کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے فرمایا، کاش کہ میں اس سوار سے واقف ہوتا کہ یہ کون ہے؟ واللہ! یہ شخص نہایت دلیر اور بہادر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سوار چونکہ سب سے آگے آگے مشرکین کے گروہ کی طرف جا رہا تھا، آپؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

حضرت رافع بن عمیرۃ الطائیؓ حضرت خالدؓ کو اپنی کمک کے لئے آتے دیکھ کر اور لشکر کے پہنچتے ہی اس سوار کو جس کی ہم ابھی تعریف و توصیف کر چکے ہیں، رومیوں پر اس طرح

گرتے دیکھا جس طرح باز چڑیا پر۔ اس کا ایک حملہ تھا جس نے ان کے لشکر میں تہلکہ ڈال دیا، کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بڑھتے بڑھتے وسط لشکر روم میں گھستا چلا گیا۔ وہ کوندتی ہوئی بجلی تھی کہ آناً فاناً میں چند جوانوں کے سروں پر گرتی ہوئی چمکی، دو چار کو بھسم کر کے پانچ سات کے بدن پر گر کے پھر اسی جگہ نمودار ہوئی۔ اس سوار کا نیزہ جس وقت وسط لشکر میں سے نکلا، خون آلود، دل میں قلق و اضطراب، چہرے سے افسوس و ناامیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ یہ اپنی جان کو چونکہ معرض ہلاکت میں ڈال چکا تھا، اس لئے دوبارہ پلٹا اور بڑھ کے اس بے جگری کے ساتھ نڈر ہو کر حملہ کیا۔ لوگوں کو کاٹتے، لشکر کو چیرتے ہوئے بہادروں کی صفوں میں کھلبلی ڈال دی اور رومیوں میں بڑھ کے اپنے لشکریوں کی نظروں سے غائب ہو گیا مگر اس کا قلق و اضطراب ہی باقی پر تھا۔

رافع بن عمیرۃ الطائی اور ان کے عسکریوں کا خیال تھا کہ یہ خالدؓ ہیں اور حضرت حضرت خالدؓ کے سوا ایسے کارہائے نمایاں کون کر سکتا ہے؟ یہ اسی خیال میں تھے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے لشکر کے ہمراہ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت رافع بن عمیرۃ الطائی نے زور سے چلا کر کہا کہ اے دلیر! یہ سوار جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے راستہ میں بے خوف و خطر پیش کر رہا تھا اور خدا تعالیٰ کے دشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہا ہے، کون ہے؟ آپؓ نے فرمایا، خدا کی قسم! میں اس سے خود ناواقف اور اس کی شجاعت، دلیری اور جرأت سے حیران ہوں۔ حضرت رافع نے کہا، اے امیر! یہ عجیب شخص ہے کہ رومیوں کے لشکر میں گھس جاتا ہے اور دائیں بائیں سے مار مار کر لوگوں کو گرا دیتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا، مسلمانو! حمایت دین کے لئے مستعد ہو جاؤ اور ایک متفقہ حملہ کر دو۔

یہ سنتے ہی بہادران اسلام نے باگوں کو درست کیا، نیزوں کو سنبھالا اور صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے۔ حضرت خالدؓ صف کے آگے کھڑے ہوئے، ارادہ تھا کہ دشمن پر حملہ کریں کہ اچانک وہی سوار جو خون میں لت پت اور جس کا گھوڑا پسینے میں غرق تھا، رومیوں کے قلب لشکر سے شعلہ کی طرح نکلا۔ رومیوں کا اگر کوئی سپاہی اس کے قریب آجاتا تو پشت دے کر بھاگ جاتا تھا اور یہ تن تنہا رومیوں کے کئی کئی آدمیوں کے ساتھ لڑتا تھا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی جمعیت کے ساتھ حملہ کر دیا اور جو رومی اس سوار پر حملہ کر رہے تھے، ان

کے حملہ سے اس کو بچایا اور اس طرح یہ سوار مسلمانوں کے لشکر میں آملا۔ مسلمانوں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ گویا وہ گلاب کے پھول کی ایک ارغوانی پنکھڑی تھی جو خون میں رنگی ہوئی تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسے آواز دی اور کہا، اے مخلص! تو نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور اپنے غصہ کو اس کے دشمنوں پر صرف کیا ہے، تمہیں باری تعالیٰ جل مجدہ جزائے خیر عنایت کریں۔ بہتر ہو کہ تو اپنے نقاب کو کھول دے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تو کون ہے؟

کہتے ہیں کہ اس سوار نے ان کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کی اور قبل اس کے کہ آپؓ سے مخاطب ہو، لوگوں میں جا گھسا۔ اہل عرب نے چاروں طرف سے چیخنا اور کہنا شروع کیا کہ خدا تعالیٰ کے بندے! امیر افواج اسلامیہ تجھے آواز دیتا اور مخاطب کرتا ہے مگر تو اس سے اعراض کرتا اور بھاگتا ہے، تجھے چاہئے کہ اس کے پاس جا کر اپنا نام حسب اور نسب کا پتہ دے تاکہ تیرے عہدے میں ترقی اور مرتبہ میں سربلندی حاصل ہو مگر سوار نے ان کی بات کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔

جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس سوار کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا تو آپؓ خود بنفس نفیس اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، سخت افسوس کی بات ہے کہ میرے نیز تمام مسلمانوں کے دل تیرے حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں اور تو اس قدر بے پرواہ، تو کون ہے؟ آخر آپؓ کے بے حد اصرار پر نقاب کے اندر سے نسوانی زبان میں اس سوار نے اس طرح کہنا شروع کیا، اے امیر! میں آپؓ سے کسی نافرمانی کے باعث اعراض نہیں کر رہی ہوں بلکہ مجھے آپؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے شرم مانع ہے کیونکہ میں دراصل ایک پردے کی بیٹھنے والیوں اور حجاب میں زندگی گزارنے والیوں میں سے ہوں۔ مجھ سے اصل میں یہ کام میرے دردِ دل نے کرایا ہے اور میرا رنج ہی مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ آپؓ نے فرمایا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، ضرار جو قیدی ہیں، میں ان کی بہن خولہ بنت ازور ہوں، قبیلہ مذحج کی چند عرب عورتوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ دفعتہً مجھے ضرار کی گرفتاری کی خبر ملی، میں فوراً سوار ہو کر یہاں پہنچی اور جو کچھ کام کیا، وہ خود آپؓ کے سامنے ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کا دل یہ سن کر بھر آیا، آپؓ رونے لگے اور فرمایا، ہم سب کو متفقہ حملہ کرنا چاہئے۔ مجھے خداوند تعالیٰ جل مجدہٗ کی ذات والا صفات سے امید ہے کہ ہم

تمہارے بھائی تک پہنچ کران کو چھڑانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔حضرت خولہ نے کہا، میں اس حملہ میں بھی ان شاءاللہ سب کے ساتھ پیش پیش رہوں گی۔

(صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۱۰۷)

حضرت خولہ کاغم اور بھائی کی تلاش

عامر بن طفیلؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے دائیں جانب تھا۔کہ خولہ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے آگے سے حملہ کیا اور ان کے ساتھ ہی تمام مسلمان حملہ آور ہو گئے۔خولہ بنت ازور کے حملہ نے رومیوں کا قافیہ تنگ کر دیا اور ان پر حملہ اتنا گراں گزرا کہ آپس میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ اگر تمام اہل عرب اسی سوار کی طرح بہادر اور جری ہیں تو ہم ان کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتے۔جس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا تو رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔قدموں میں لغزش آگئی،قریب تھا کہ پاؤں اکھڑ جائیں مگر وردان نے یہ حالت دیکھ کر پکارنا شروع کیا،اے قوم سنبھلو،ثابت قدم رہو،اگر تم نے ثابت قدمی دکھلائی تو یادرکھو مسلمان اب بھاگے اور تمام اہل دمشق تمہاری مدد کو اب آئے۔یہ سنتے ہی رومی پھر ڈٹ گئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ساتھیوں کو لے کر اس بے جگری کے ساتھ حملہ کیا کہ رومیوں کے قدم اب کسی طرح نہ جم سکے اور لشکر تتر بتر ہو کر متفرق ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے چاہا کہ وردان تک پہنچ جاؤں مگر چونکہ بڑے بڑے جانباز اور ماہرین حرب اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے تھے اس لئے آپ اس تک نہ پہنچ سکے۔مسلمان بھی متفرق ہو گئے اور جو مسلمان جس رومی کے پاس تھا، وہ وہیں لڑنے لگا۔حضرت رافع بن عمیرہ الطائی اس جنگ میں نہایت بہادری سے لڑے۔حضرت خولہؓ کا یہ حال تھا کہ رومیوں کے دستے چیرتی قلب میں گھس کر دائیں بائیں مارتی چلی جاتی تھیں۔ان کی آنکھیں بھائی کو چاروں طرف تلاش کرتی جاتی تھیں،زور زور سے چلا چلا کر پکارتی اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔

ترجمہ: ''ضرار کہاں ہیں، میں آج انہیں نہیں دیکھتی اور نہ انہیں میرے اقرباء اور میری قوم دیکھتی ہے۔اے میرے اکلوتے اور ماں جائے بھائی!

میرے عیش کو تم نے مکدر کر دیا اور میری نیند کو کھو دیا۔''

کہتے ہیں کہ ان کے یہ اشعار سن کر تمام مسلمان رونے لگے۔ لڑائی برابر ہوتی رہی اور باوجود تلاش کے حضرت ضرار کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اب آفتاب ڈھل چکا تھا۔ دونوں لشکر متفرق ہوئے، مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور ان گنت رومی کھیت رہے۔ ہر ایک فوج اپنی اپنی قیام گاہ پر پہنچی۔ مسلمانوں کی فتح سے رومیوں کے دل ٹوٹ چکے تھے اور ارادہ تھا کہ بھاگ جائیں مگر دردان کے خوف نے انہیں یہاں روک رکھا تھا۔ جس وقت مسلمان اپنی فرودگاہ پر پہنچے تو حضرت خولہ بنت ازورؓ نے ہر ایک سپاہی سے اپنے بھائی کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا مگر کسی فرد بشر نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے ضرار کو قیدی یا مقتول دیکھا ہے۔ جب انہیں بھائی کی طرف سے بالکل ناامیدی ہو گئی تو یہ رونے لگیں اور نہایت ناامیدی کی حالت میں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر بیان کرنے لگیں:

''ماں جائے بھائی! کاش مجھے یہ خبر ہوتی کہ آیا جنگل میں تمہیں ڈال دیا یا کہیں ذبح کر ڈالا، تمہاری بہن تم پر قربان افسوس مجھے یہی خبر ہو جاتی کہ میں تم سے کبھی پھر ملوں گی یا نہیں۔ بھائی! واللہ! تم نے اپنی بہن کے دل میں ایک ایسی سلگتی ہوئی چنگاری چھوڑی ہے جس کے شرارے کبھی ٹھنڈے نہیں ہو سکتے۔ تم اپنے والد جو کافروں کے قاتل تھے، ان سے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے سامنے جا ملے۔ میری طرف سے تمہیں قیامت تک سلام پہنچتا رہے۔''

یہ نوحہ سن کر حضرت خالد بن ولیدؓ اور تمام مسلمان رونے لگے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارادہ ہوا کہ اسی وقت دوبارہ حملہ کر دیا جائے لیکن اتفاق سے آپ نے چند سوار رومی لشکر کے میمنہ سے نکلتے ہوئے دیکھا کہ گھوڑوں کی باگیں چھوڑے ہوئے اس طرح سرپٹ چلے آ رہے ہیں کہ گویا وہ تعاقب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپؓ فوراً لڑائی کے مستعد ہو گئے۔ بہادران اسلام تیار ہو کر آپؓ کے گرد جمع ہوئے۔ جس وقت یہ سوار مجاہدین کے قریب پہنچے، ہتھیار ڈال دیئے اور پیادہ پا ہو کر لفون لفون (امان امان) پکارنے لگے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں سے فرمایا، ان کے امان مانگنے کو قبول کرو اور انہیں میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ جس وقت وہ حاضر کیے گئے تو آپؓ نے فرمایا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا، ہم وردان کی فوج کے سپاہی اور حمص کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں کامل یقین ہو گیا ہے کہ ہم آپ سے جنگ میں کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہم اپنے اندر اتنی طاقت وقوت نہیں رکھتے کہ آپ سے برسرپیکار ہو سکیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ ہمیں اور ہماری اہل واولاد کو امان بخشیں اور جن جن ممالک سے آپ کی مصالحت اور معاہدہ ہو چکا ہے، ہمیں بھی انہی میں شمار کریں۔ صلح کے معاوضہ میں جتنا مال آپ طلب کریں گے، ہم دینے کو تیار ہیں اور جس قرارداد اور اصول پر ہماری اور آپ کی صلح ہو گی، ہمارے ملک کے دوسرے باشندے بھی سرمو ان سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

آپؓ نے فرمایا، جس وقت ہم تمہارے شہر میں پہنچ جائیں گے، صلح وہاں ہو گی یہاں نہیں ہو سکتی۔ البتہ تم اس وقت تک ہمارے ساتھ رہو جب تک خداوند تعالیٰ جل مجدہ ہمارے اور دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ جو ان کو منظور ہو، نہ کر دیں۔ اس کے بعد آپؓ نے انہیں حراست میں لے لینے کا حکم نافذ فرمایا اور ان سے دریافت کیا کہ ہمارے جس بہادر نے تمہارے سردار کے لڑکے کو قتل کیا تھا، اس کے متعلق تمہیں کچھ علم ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا، شاید آپ انہیں دریافت کرنا چاہتے ہیں جو ننگے بدن تھے اور جنہوں نے ہمارے اکثر آدمیوں کو قتل اور ہمارے سردار کو اس کے بیٹے کے قتل کا داغ مفارقت دیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا، ہاں میں انہی کو پوچھتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت وہ گرفتار ہو کے وردان کے پاس پہنچے ہیں تو اس نے انہیں سو سواروں کی معیت میں خچر پر سوار کر کے حمص کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہاں سے انہیں اپنی شجاعت دکھلانے کی غرض سے ہرقل کے پاس بھیج دیا جائے۔

(صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۱۰۹)

حضرت ضرارؓ کی رہائی

حضرت رافعؓ نے چیدہ چیدہ سو سوار منتخب کئے اور قریب تھا کہ آپ چل پڑیں۔ مگر حضرت خولہؓ کو جس وقت اس مسرت خیز خبر کی اطلاع ہوئی کہ حضرت رافعؓ ان کے بھائی کی طلب اور رہائی کے لئے جا رہے ہیں تو سنتے ہی ان کے دل میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

ہتھیار لگائے اور سوار ہو کر حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے امیر! میں جناب کو حضرت محمد خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر ایک سوال کرتی ہوں کہ جو دستہ جناب روانہ کر رہے ہیں، مجھے بھی اس کے ہمراہ جانے کی اجازت بخشیں تاکہ میں بھی ان کی کوئی مدد کر سکوں۔ یہ سن کر آپؓ نے حضرت رافع بن عمیرۃ الطائیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا، تم ان کی شجاعت و بہادری سے خوب واقف ہو، انہیں بھی ساتھ لے لو۔ حضرت رافعؓ اپنے فوجی دستہ اور حضرت خولہؓ کی معیت میں جب دشمن کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ دشمنوں نے ضرارؓ کو اپنے درمیان میں لے رکھا تھا اور یہ مجاہد حسب ذیل اشعار پڑھتا جاتا تھا:

''اے مخبر! میری قوم اور خولہ کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں قیدی اور مشکیں بندھا ہوا ہوں۔ شام کے بے دین اور کافر میرے گرد ہیں اور تمام کے تمام زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ اے دل تو غم و حزن اور حسرت کے مارے مر اور اے میرے جوانمردی کے آنسو میرے رخسار پر بہہ جا۔ کیا تو جانتا ہے کہ میں پھر ایک دفعہ اپنے اہل اور خولہ کو دیکھوں گا اور میں اس عہد کو یاد دلاؤں گا جو ہمارے اندر تھا۔''

حضرت خولہؓ نے یہ اشعار سنتے ہی کمین گاہ سے جواب دیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ جل مجدہ نے تمہاری دعاؤں کو قبول کر لیا، تمہاری گریہ و زاری کو سن لیا۔ میں ہوں تمہاری بہن خولہ۔ یہ کہہ کر انہوں نے زور سے تکبیر کہی اور حملہ کر دیا۔ حضرت رافعؓ نیز دوسرے مسلمان بھی تکبیر پڑھ کر حملہ آور ہو گئے۔

حمید بن سالم کہتے ہیں کہ میں بھی اس وقت اس جماعت میں تھا۔ جس وقت ہم نے تکبیر کے نعرے لگائے تو الہام الٰہی کی بدولت ہمارے گھوڑے بھی خوشی میں آکر زور زور سے ہنہنانے لگے۔ ہمارے ایک ایک سوار نے رومیوں کے ایک ایک سوار کو آگے رکھ لیا اور ابھی ایک گھنٹہ بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ ہمارا ہر سپاہی اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ خداوند تعالیٰ جل مجدہ نے حضرت ضرارؓ کو رہائی دلوائی اور ہم نے رومیوں کے گھوڑوں اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

رافع بن قادم التنوخی کہتے ہیں کہ ہم ابھی ان سو سواروں سے لڑنے میں مشغول تھے

کہ حضرت خولہؓ نے اپنے بھائی کو چھڑایا، مشکیں کھولیں اور سلام کیا۔ حضرت ضرارؓ نے اپنی بہن کو شاباش دی، مرحبا کہا اور ایک خالی گھوڑے پر جو دوڑتا پھر رہا تھا، سوار ہوگئے۔ ہاتھ میں ایک پڑا ہوا نیزہ لیا اور حسب ذیل شکریہ کے اشعار پڑھنے لگے:

"یا ربّ! میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ نے میری دُعا قبول فرمائی، میرا رنج دور کر دیا اور میرے بے چینی کو ہٹا دیا۔ آپ نے میری تمناؤں کو آرزو کرنے سے پہلے پوری کر دیا اور مجھے میری بہن سے ملا دیا۔ میں اب اپنے دل کو اپنے دشمنوں سے تسکین دوں گا یعنی ان کو قتل کروں گا۔" (صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۱۱۲)

حضرت اُمّ ابان کی شجاعت

حضرت سعید بن ابان کی شادی ابھی اجنادین کے مقام میں جنابہ اُمّ ابان بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی تھی جن کے ہاتھ اور سر سے شب عروسی کی مہندی اور عطر تک کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک شجیع اور دلیر خاندان کی خاتون اور پا پیادہ لڑنے والی عورتوں میں سے تھیں۔ جس وقت انہوں نے اپنے شوہر کی شہادت کے متعلق سنا تو نہایت گھبراہٹ کے ساتھ لٹکے ہوئے دامنوں میں الجھتی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئی ان کی لاش کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں۔ انہیں دیکھ کر ثواب کی امید میں صبر کر کے سوائے اس جملہ کے اور کچھ زبان سے نہیں نکلنے دیا کہ آپ کو جو عطا ہوا وہ مبارک ہو۔ آپ ربّ العالمین کے جوار رحمت اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کے پاس چلے گئے، اس خداوند عالم کے پاس جس نے ہمیں ملایا تھا، پھر جدا کر دیا۔ میں تمہاری چونکہ مشتاق ہوں۔ خدا کی قسم! اس قدر جہاد کروں گی کہ تم سے مل جاؤں کیونکہ نہ میں نے تمہیں اچھی طرح دیکھا اور آرام برتا اور نہ تم نے، خدا تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ میں نامراد رہوں۔ میں نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے کہ تمہارے بعد مجھے کوئی مس کرے۔ میں نے اپنی جان کو خداوند تعالیٰ کے راستہ میں وقف کر دیا ہے، میں تم سے بہت جلد ملوں گی اور مجھے امید ہے کہ یہ کام بہت ہی جلدی ہو جائے گا۔

کہتے ہیں کہ ان سے زیادہ صبر کرنے والی عورت کوئی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کے

بعد ان کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو سپرد خاک کر دیا گیا، ان کی قبر مشہور ہے۔ حضرت اُمّ ابان قبر کے پاس بالکل نہ ٹھہریں بلکہ سیدھی خیمہ میں آئیں، اسلحہ سے مسلح ہوئیں، ڈھاٹا باندھا، تلوار ہاتھ میں لی اور ہیئت بدل کے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بغیر خبر کئے مسلمانوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئیں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ میرے شوہر کون سے دروازے پر شہید ہوئے؟ انہوں نے کہا، توما نامی دروازے پر جو ہرقل بادشاہ کے داماد کے نام سے مشہور ہے اور اسی نے تمہارے شوہر کو قتل کیا ہے۔ آپ حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کی فوج کی طرف روانہ ہوئیں اور اس میں مل کر نہایت سختی سے لڑیں، آپؓ نہایت اچھی تیر انداز تھیں۔

حضرت شرحبیل بن حسنہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز باب توما پر توما کے سامنے ایک شخص کو صلیب اٹھائے اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ اے خدا! تو صلیب کو اور اس شخص کو جس نے صلیب کی طرف پناہ لی ہے، مدد دے۔ اے اللہ! ان پر اس کا غلبہ ظاہر کر اور اس کو بلند مرتبہ کر۔ حضرت شرحبیلؓ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اُمّ ابان نے ایک ایسا تیر چلایا کہ خطا کئے بغیر نشانہ پر جا لگا۔ اسی وقت وہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری، میں نے خود اس کے چمکتے ہوئے جواہر دیکھے۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص اس کے اٹھا لینے کے لئے اپنے بدن کو ڈھالوں سے چھپا کر دوڑا۔ پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ ہمارے آدمیوں نے صلیب کے اٹھانے کے لئے اس قدر سبقت کی کہ ایک دوسرے پر گرتا پڑتا چلا جا رہا تھا کہ پہلے میں ہی اٹھاؤں۔

(صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۱۴۳)

حضرت اُمّ تمیمؓ......ایک تیز رو مجاہدہ خاتون

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے چلے جا رہے تھے کہ اچانک آپؓ کی نگاہ ایک سوار پر پڑی جو گھوڑا اسرپٹ دوڑائے تمام لشکر سے آگے اڑا چلا جا رہا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے یہ دیکھ کر چند سواروں کو حکم دیا کہ گھوڑے بڑھا کر اس سوار سے جا ملیں مگر چونکہ یہ سوار ہوا سے باتیں کرتا چلا جا رہا تھا اس لئے کوئی سوار اس تک نہ پہنچ سکا۔

جب تمام گھوڑے اس کا پیچھا کرتے کرتے ہانپنے لگے اور دم چھوڑ گئے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے سمجھا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لشکر کی رہبری کے لئے بھیجا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب ہمارے گھوڑے اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے اس سوار کو آواز دی اور فرمایا کہ اے دوڑنے والے سوار اور اے بہادر اور جری شخص! ارحم الراحمین تجھ پر رحم فرمائیں، ذرا آہستہ آہستہ چل اور سبک روی کو کام میں لا۔ یہ سن کر وہ سوار کھڑا ہو گیا۔ آپؓ جس وقت اس کے پاس پہنچے تو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ سوار حضرت اُم تمیم حضرت خالد بن ولیدؓ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ آپؓ نے انہیں پہچان کر ان سے فرمایا، تمہیں کیا ہوا؟ تم کیوں ہمارے آگے آگے دوڑی چلی جارہی ہو؟ انہوں نے کہا، اے امیر! میں نے جس وقت آپؓ کی آواز سنی کہ خالد دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ ان کے پاس تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے گیسوئے معنبر موجود ہیں، وہ کبھی بھی دشمنوں سے کسی طرح مغلوب ہونے والے نہیں ہیں تو اچانک میری نگاہ اس خیال سے پھر کے آپؓ کے کلاہ مبارک پر جس میں وہ کاکل مشکیں موجود ہیں، پڑی تو میں فوراً سمجھ گئی کہ آپؓ آج اسے یہیں بھول گئے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا، اُم تمیم! تمہارا یہ کام محض خوشنودی باری تعالیٰ کے لئے ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائیں گے۔

حضرت اُم تمیمؓ کہتی ہیں کہ میں قبیلہ مذحج کی عورتوں کی جماعت کے ساتھ چل رہی تھی، ہمارے گھوڑے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ہم ایک لڑائی کے میدان میں جہاں غبار اڑ رہا تھا، پہنچے۔ یہاں نیزوں کی نوکیں اور تلواروں کی دھاریں ہر چہار طرف ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں مگر مسلمانوں کی کوئی آواز کان میں نہیں آتی تھی۔ ہم نے اس برا سمجھا اور کہا کہ دشمن مسلمانوں پر غالب آچکے ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ امیر لشکر نے تکبیر کے نعروں کے ساتھ حملہ کر دیا، انہی کے ساتھ تمام مسلمان بھی حملہ آور ہو گئے۔

حضرت رافع بن عمیرۃ الطائیؓ کہتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکے تھے کہ ہم نے اچانک تکبیر اور تہلیل کی آوازیں سنیں اور سمجھ لیا کہ باری تعالیٰ جل مجدہ نے ہمارے لئے کمک بھیج دی ہے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مسلمانوں نے چاروں طرف سے مشرکوں کو گھیر گھیر کر مارنا شروع کر دیا۔ تلواریں بڑھ بڑھ کر کافروں کے سر توڑنے لگیں،

آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شور بپا ہو گیا۔

حضرت مصعب بن محارب یشکریؒ کہتے ہیں کہ میں نے صلیب پرستوں کو دیکھا کہ انہوں نے (دم دبا کر) بھاگنا شروع کر دیا تھا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو دیکھا کہ آپؓ اپنی زین پر نہایت ثابت قدمی کے ساتھ چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے تا کہ معلوم کر سکیں کہ یہ آوازیں کس کی ہیں اور کہاں سے آ رہی ہیں؟ آپؓ یہ معلوم کرنے کی کوشش ہی کر رہے تھے کہ ایک سوار گرد و غبار سے نکل کر رومیوں کو چیرتا پھاڑتا ہماری طرف آتا دکھلائی دیا حتیٰ کہ ان تمام رومیوں کو جو ہمارے گرد تھے، مار مار کر ہمارے پاس سے میدان صاف کر دیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ فوراً اس کی طرف بڑھے اور دریافت کیا، اے بہادر اور شیر دل سوار تو کون ہے؟ اس نے کہا، ابا سلیمان! میں ہوں آپ کی زوجہ اُمّ تمیم، میں جناب کا وہ کلا مبارک لے کر حاضر ہوئی ہوں جس سے آنجناب باری تعالیٰ جل مجدہ کی طرف توسل ڈھونڈتے اور جس کی وجہ سے درگارہ رَبّ العزت سے مدد و نصرت طلب کیا کرتے تھے اور اللہ تبارک و تعالیٰ آپؓ کی دُعاؤں کو قبول کرتے اور دراجابت تک پہنچاتے ہیں، اب آپ اسے لیجئے۔ خدا کی قسم! اسی شدنی امر کے لئے آپؓ اسے بھول آئے تھے جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے پیش کیا۔

خواتین اسلام کا مسلمانوں کو لڑائی پر آمادہ کرنا

جنگ یرموک میں رومی مسلمانوں کے میمنہ پر گرے اور انہیں ریلا دے کے ان کے قلب کی طرف دھکیلتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے اگر چہ استقلال اور نہایت استقلال سے کام لیا مگر فوراً ہی رومیوں کی ایک اور جمیعت آ گئی اور اس نے بھی مسلمانوں کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمان شکست کھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے گھوڑے الٹے پاؤں عقب کی طرف لوٹتے جاتے اور میدان حرب کو بکریوں کی طرف جیسے کہ وہ شیر کے سامنے سے بھاگتی ہیں، خالی کرتے جاتے تھے۔ عورتوں نے مسلمانوں کے گھوڑے دم کے بل ہٹتے دیکھے اور انہوں نے آپس میں چیخ کر پکارنا شروع کر دیا۔ عرب کی لونڈیو! مردوں کو گھیر لو، شکست کھا کر بھاگنے سے روکو اور انہیں لڑائی کی طرف لوٹا دو۔

حضرت سعیدہ بنت عاصم خولانیؒ کہتی ہیں کہ میں بھی اس روز اسی ٹیلے پر موجود

تھی۔ جس وقت مسلمانوں نے اپنے میمنہ کو چھوڑ دیا تو ہمیں حضرت عفیرہ بنت غفارؓ نے جو ایک جانباز عورت تھیں، آواز دی اور کہا، خواتین عرب! ان بھاگنے والے مردوں کو روک لو۔ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالو اور انہیں لڑائی پر ابھارتے ہوئے ان کا استقبال کرو۔ یہ سنتے ہی عورتیں آگے بڑھیں اور گھوڑوں کے مونہوں پر پتھر مار مار کر انہیں پیچھے لوٹانے لگیں۔ عاص بن منبہ کی صاحبزادی چلا چلا کر کہتی جاتی ہیں، جو مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر بھاگے، اللہ تبارک وتعالیٰ سبحانہ اسے روسیاہ کر دیں۔ تمام عورتوں نے چیخنا شروع کیا، اگر تم نے ہمیں ان کافروں سے نہ بچایا تو تم ہمارے خاوند نہیں۔

کہتے ہیں کہ خواتین نے مسلمانوں کے میمنہ کا رخ کیا اور وہاں مسلمانوں کو شکست کھا کے بھاگتا ہوا دیکھا تو ان سے چیخ چیخ کر کہنے لگیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو تمہاری حالتوں سے واقف ہیں، نیز اس کی جنت سے کہاں بھاگتے ہو اور شکست کھا کے کدھر جانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد حضرت ہندؓ نے اپنے خاوند حضرت ابوسفیانؓ کو شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھا تو ان کے گھوڑے کے منہ پر ایک چوب مار کر کہنے لگیں، ابن صخر! کہاں کو؟ لڑائی کی طرف لوٹو اور اپنی جان دے دو تا کہ تم اس تحریض وترغیب سے پاک وصاف ہو جاؤ جو تم نے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں لوگوں کو دی تھی۔ یہ سن کر حضرت ابوسفیانؓ لڑائی کی طرف پلٹے۔

آپؓ کے ساتھ دوسرے بھاگنے والے بھی واپس ہوئے اور عورتیں بھی ہمراہی میں چلیں۔ میں نے دیکھا کہ عورتیں مردوں سے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہی تھیں اور وہ گھوڑوں کے بیچ میں لوگوں کو مارتی پھرتی تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے کافر کی طرف جو گھوڑے پر سوار تھا، چلی اور جب تک اسے مار مار کر گھوڑے سے نہ گرا دیا اس وقت تک پیچھے نہ ہٹی۔ اس کے بعد اسے یہ کہتے ہوئے قتل کر دیا کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کے یہی معنی ہیں۔ (صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۲۷۷)

خواتین اسلام کی ہمت

مسلمان جب پیچھے ہٹے تو رومیوں نے بڑھ کر ان کا تعاقب کیا اور شکست خوردہ

مسلمانوں کے ساتھ اس قدر بڑھے کہ ان کے لشکر میں داخل ہو گئے۔ یہاں خواتین اسلام نے دوسری طرف سے ان مسلمانوں کا خیموں کی چوبوں اور پتھروں سے استقبال کیا اور چوبیں اور پتھر گھوڑوں کے مونہوں پر مار مار کر کہنے لگیں، یا اہل الاسلام! ماؤں، بہنوں، بیٹوں اور بیٹیوں کو چھوڑ کر کہاں بھاگتے ہو؟ کیا ہمیں ان کافروں کے سپرد کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

منہال دوسی کا بیان ہے کہ واللہ! رومیوں سے زیادہ ہم پر ہماری عورتیں سختی کر رہی تھیں۔ آخر مسلمان ہزیمت کو خیر باد کہہ کر پھر میدان کی طرف جھپٹے اور ایک دوسرے کو نصیحت اور وصیت کرنے لگے کہ ایک دوسرے کی حمایت کرو اور صبر سے کام لو۔

(صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۱۸۰)

یرموک میں خواتین اسلام کی جنگ

راشد زہری کہتے ہیں کہ جو عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ لڑائی میں جایا کرتی تھیں، وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتیں، پانی پلایا کرتیں اور میدان کارزار میں لڑا کرتی تھیں۔ میں نے خواتین قریش سے زیادہ بہادر کسی عورت کو نہیں دیکھا کہ وہ غزووں میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اور جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ ہو کر اس قدر لڑی ہوں جتنی کہ جنگ یرموک میں بے جگری کے ساتھ لڑی اور خلافت فاروقیؓ میں انہوں نے کارہائے نمایاں کئے۔ جس وقت مسلمانوں پر عرصہ حیات بالکل تنگ ہو گیا، عرب قتل ہونے لگے، رومی ان میں آکر مل گئے اور انہیں ہر جگہ تہ تیغ کرنا شروع کر دیا تو خواتین قریش نے مردانہ وار اٹھ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مہاجرین کی عورتیں لخم اور جذام کے قبیلوں کی عورتوں سے مل گئیں۔ جنگ برابر قائم تھی، شعلے بھڑک رہے تھے کہ انہوں نے اپنی قومیت، ماؤں کے نام اور اپنے لقبوں کو زور زور سے یاد کر کر کے لڑنا شروع کیا اور اولادوں کو گود میں اٹھا اٹھا کر گھوڑوں کے مونہوں پر چوبیں مار مار کر انہیں جنگ کی طرف لوٹا دیا۔

بعضوں نے مشرکین کا مقابلہ کیا اور بعضوں نے مسلمانوں کو مار مار کے جنگ کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا اور جب تک وہ لڑائی اور میدان کارزار کی طرف نہ پھر گئے، اس وقت تک انہیں چین نہ لینے دیا۔ یہ برابر لڑ رہی تھی، مردوں کی حمایت کرتی جاتی تھیں کہ رومیوں نے

ان پر ہجوم کیا۔ رومیوں کے حملے سے لخم، جذام اور خولان کی عورتیں پسپا ہو کر پیچھے ہٹیں مگر حضرت خولہ بنت ازور، اُمّ حکیم بنت حارث، سلمٰی بنت لوئی اور لبنیٰ بنت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہن ان عورتوں کی طرف بڑھیں اور ان کے چہروں اور سروں پر چوبیں مار مار کر کہنے لگیں کہ تم ہمارے بیچ میں سے نکل جاؤ، تم نے ہماری جماعت کو بھی سست کر دیا۔ یہ سن کر خواتین پھر لڑائی کی طرف مڑیں اور بے خوف و خطر لڑنے لگیں۔

حضرت اُمّ حکیم بنت حارثؓ تلوار لئے ہوئے ان کے آگے آگے تھیں اور کفار کو پیچھے ہٹا ہٹا دیتی تھیں۔ اس روز سوائے نصیحت کے عورتوں کی زبان پر اور کوئی الفاظ نہ تھے۔ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ نہایت شجاعت کے ساتھ اپنے شوہر حضرت زبیر بن عوامؓ کے دوش دوش اپنے گھوڑے کی باگیں ان کے گھوڑے کی راسوں سے ملائے ہوئے لڑ رہی تھیں اور جب وہ رومیوں پر کوئی حملہ کرتے تھے تو آپؓ بھی برابر اسی طرح رومیوں پر حملہ کرتی تھیں۔

مسلمان مردوں نے جب خواتین کی یہ بہادری اور ان کا اس طرح جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنا دیکھا تو ایک دوسرے سے جو اس کے قریب تھا، کہنے لگا کہ اگر ہم ان عورتوں کی طرح بھی نہ لڑے تو ہمارا ان عورتوں کے بجائے چوڑیاں پہن کر پردے میں بیٹھ جانا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر وہ میدان جنگ کی طرف پھرے اور لڑنے لگے۔ خداوند جل وعلا نے واقعی جنگ یرموک کے روز خواتین قریش کو ہی جرأت و ہمت دی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں جزائے خیر عنایت فرمائیں۔ (صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۲۹۹)

حضرت خولہ بنت ازورؓ کا یرموک میں زخمی ہونا

حضرت ابو عامرؓ کہتے ہیں کہ رومیوں میں سے ایک کافر نے ہم پر حملہ کیا تو حضرت خولہ بنت ازورؓ آگے بڑھیں اور تلوار سے اس پر مسابقت کرنے لگیں۔ آپؓ کی تلوار آپؓ کے ہاتھ سے گری اور اس کافر کی تلوار آپؓ کے سر پر بیٹھی جس سے خون جاری ہو گیا اور آپؓ زمین پر گر پڑیں۔ حضرت عفیرہ بنت عفانؓ انہیں زمین پر گرتا دیکھ کر چلائیں اور کہا کہ خدا کی قسم! ضرار اپنی بہن کی وجہ سے غمگین ہو گئے۔ یہ کہتے ہی آپ نے اس رومی پر حملہ کر کے تلوار کا ایک ایسا جچا تلا ہاتھ مارا کہ اس کا سر دور جا گرا۔ اس کے بعد آپ حضرت خولہ بنت ازورؓ کے پاس

آئیں، ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور کہنے لگیں، کیا حال ہے؟ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا جس نے ان کے سر کے بالوں کو لالے کے پھول کی طرح سرخ رنگ کر دیا تھا۔ یہ کہنے لگی، اچھی ہوں، خدا تعالیٰ کا شکر ہے مگر میرا گمان یہ ہے کہ میں چند ساعت کی مہمان ہوں۔ اگر تمہیں میرے بھائی ضرار کا کچھ پتہ ہو تو بتلاؤ؟ انہوں نے کہا، یا بنت ازور! مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ یہ سن کر حضرت خولہ بنت ازورؓ نے دُعا کی:

﴿اللّٰھم اجعلنی فداء لاخی لا تفجع به الاسلام﴾

”الٰہی! مجھے میرے بھائی کا فدیہ (عوض) کر دیجئے اور ان کی وجہ سے اسلام کو کوئی درد نہ پہنچایئے۔“

حضرت عفیرہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خولہؓ کو اٹھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ اٹھ سکیں۔ ہم چند عورتوں نے مل کر انہیں اٹھایا اور ان کے خیمے میں لا کر لٹا دیا۔ جب رات ہوگئی تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ تندرستوں کی طرح لوگوں کو پانی پلا رہی ہیں اور زخم کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ ان کے بھائی نے بھی انہیں دیکھا۔ چونکہ سر میں زخم تھا، کہنے لگے، یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ ایک کافر نے مار دیا تھا جسے حضرت عفیرہؓ نے قتل کر دیا۔ انہوں نے کہا، بہن! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں نے تمہارے ایک زخم کے بدلے میں ان کے بہت سے زخم کھول دیئے اور ان کے بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ (صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۳۰۰)

صبر کرو اجر پاؤ گی

حضرت سفینہؓ جب لشکر میں پہنچے تو آپ نے حضرت ضرار بن ازورؓ اور آپ کے ساتھیوں کے گرفتار ہونے کا ذکر کیا۔ مسلمانوں کو یہ نہایت شاق گزرا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ ان کی قید کا سن کر رونے لگے اور فرمایا...... لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم...... حضرت ضرار بن ازورؓ کی بہن کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا...... اناللہ وانا الیہ راجعون...... ماں جائے بھائی! کاش مجھے خبر ہوتی کہ آیا تمہیں زنجیروں میں جکڑ دیا یا لوہے (کی کوٹھڑی) میں قید کر دیا یا کسی جنگل میں پھینک دیا یا تمہیں تمہارے خون سے رنگ دیا گیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ وہ تمام عربی عورتیں جن کے خویش و اقارب حضرت ضرار بن

ازورؓ کے ساتھ مقید ہوئے تھے، حضرت خولہ بنت ازورؓ کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے یگانوں کو یاد کر کر کے رونے لگیں۔

حضرت سلمیٰ بنت سعید ضحا نے جو نہایت عابدہ اور زاہدہ عورت تھیں، نے ان عورتوں سے کہا، کیا اللہ پاک تبارک وتعالیٰ نے تمہیں اسی کام کا حکم فرمایا ہے کہ اس طرح رویا کرو۔ یادرکھو تمہیں اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ عربوں کی بہو بیٹیو! صبر کرو اجر پاؤ گی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری مصیبتوں کے بدلے میں ثواب ہے اور جو تم اپنے نزدیک رنج والم سمجھ رہی ہو، وہ دراصل تمہارے لئے پند ونصیحت ہے۔ خواتین اسلام یہ سن کر خاموش ہو گئیں، رونا موقوف کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو تعزیت کرنے لگیں۔

(صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے ۳۹۸)

خوش قسمت خاتون

جب مسلمان اُحد کی جنگ والے روز میدان جہاد کی طرف نکلے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اٹھو ایسی جنت کی طرف جس کا عرض (ہی) زمین وآسمان جتنا ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ تو عمرو بن جموح کھڑے ہوئے حالانکہ وہ ٹانگ سے لنگڑے تھے اور فرمانے لگے، خدا کی قسم! میں جنت میں جہاد کے ذریعے کودوں گا لیکن ان کی اولاد نے ان کو منع کیا اور کہنے لگے کہ اللہ نے آپ کو معذور قرار دیا۔ فرمایا ہے:

• ولا علی الاعرج حرج......الخ۔ (سورہ فتح)

"کہ لنگڑے پر کوئی حرج نہیں۔"

لیکن عمرو بارگاہ رسالت میں شکوہ لے کر حاضر ہوئے کہ اولاد مجھے راہِ شہادت سے روکتی ہے تو آپ ﷺ نے عمرو کی اولاد کو فرمایا کہ تم ان کو مت روکو شاید کہ اللہ ان کو شہادت کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ سننا تھا کہ خوشی سے حضرت عمرو خوش ہوئے اور جان زندگی کے پنجرے میں پھڑ کنے لگی اور بہادری وشجاعت جان میں سرایت کر گئی۔ فوراً اپنے گھر کی طرف گئے اور ہتھیار وغیرہ تیار کر لئے اور یہ سارا ماجرا ان کی بیوی حضرت ہند ملاحظہ کر رہی تھیں تو وہ ان کے پیچھے آ

کھڑی ہوئی۔ انہوں نے سنا کہ عمرو کچھ پڑھ رہے ہیں۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی ڈھال اٹھائے ہوئے یہ دُعا وردِ زبان رکھے ہوئے ہیں:

اللّٰھم ارزقنی شھاد ولا تردنی خائبا الی اھلی......

''اے اللہ! مجھے شہادت کی توفیق عطا فرما اور مجھے ناکام واپس اپنے گھر نہ لوٹا۔''

آخر کار یہ اور ان کے فرزندان اُحد میدان کی طرف نکلے تو اسلام کی اس جنگ میں پہلے شہیدوں میں یہ باپ اور اس کا بیٹا خلاد تھا اور بچے کا ماموں اور ہند کا بھائی عبداللہ بن عمرو بھی ان میں شامل تھا، اس کو بھی اللہ نے بلند رتبہ شہادت سے نوازا۔ یہ مبارک خبر ہند کو پہنچی کہ اس کے شوہر، بیٹا، بھائی شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں تو ہند اُحد میں شہداء کے مقام پر آئی اور ان کو اونٹ پر لاد کر لے جانا چاہا تاکہ مدینہ منورہ میں دفن کر دے تو اسی اثناء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ چند دوسری عورتیں بھی تھیں۔ یہ بیک آواز ہو کر دریافت کرنے لگیں کہ تیرے پیچھے کیا ہو گیا ہے کچھ خیر بھی ہے۔ ہند نے کہا، سب خیر ہے کیونکہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سالم ہیں اور اللہ عزوجل نے ان سے مشرکین کو دفع فرما دیا ہے اور ان کے بعد ہر مصیبت آسان ہے اور اللہ عزوجل نے مؤمنین شہداء کے لئے اعلان فرما دیا ہے۔

وَرَدَّاللّٰہُ الَّذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیراً وکفٰی اللّٰہُ المؤمنین القتال وکان اللّٰہ قویًّا عزیزاً...... (سورۂ احزاب ۲۵)

''اور اللہ عزوجل نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصہ کے ساتھ رد (واپس) کر دیا وہ کچھ خیر نہ پا سکے اور اللہ مؤمنین کے لئے لڑائی میں کافی ہے اور اللہ ہی زبردست قوت والا ہے۔''

پھر اُمّ ہند اونٹ کو مدینے کی طرف ہانکنے لگیں اور اس پر سختی کی لیکن اونٹ اپنی جگہ جما رہا۔ انہوں نے پھر سختی کی تو اس مرتبہ اٹھ کھڑا ہوا اور اُمّ ہند نے اس کو مدینے کی طرف چلانا چاہا

تو پھر بیٹھ گیا اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جب بھی مدینے کی طرف اس کو ہانکتی تو بیٹھ جاتا۔ آخر میدان اُحد ہی کی طرف رخ کیا تو تیزی سے چل پڑا۔ اُمّ ہند نے واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ ماجرا عرض کیا اور اسی طرح شوہر کی وہ دُعا جو انہوں نے نکلتے وقت کی تھی کہ اللہ! مجھے واپس نہ لوٹانا، وہ بھی عرض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ مامور ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے اس کو یہی حکم ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے برابر تیرے بھائی پر سایہ کئے رہے، جب سے وہ شہید ہوا اس وقت سے اب تک وہ دیکھ رہے تھے کہ کہاں دفن کیا جاتا ہے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے رہے یہاں تک کہ شہداء کو دفن کر دیا گیا اور فرمایا، اے ہند! وہ جنت میں اکٹھے (گھوم پھر رہے) ہیں۔ عمرو بن جموح اور تیرا فرزند خلاد اور تیرا بھائی عبداللہ۔ اُمّ ہند نے عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ! یہ دُعا بھی فرما دیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے بھی ان کے ساتھ بنا دے۔

حضرت عفراء کا عجیب ایمانی موقف

حضرت عفراء کا عجیب موقف تھا جو تعجب سے بھی بڑھ جاتا ہے اور ان کے مضبوط ایمان کی طرف خوب اشارہ کرتا ہے۔ وارد ہے کہ جب ان کے دو فرزندان شہادت سے سرفراز ہو گئے یعنی عوف اور معوذ اور معاذ باقی رہ گئے۔ (یہ تینوں ایک ہی باپ سے ہیں) تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کرنے لگیں:

یا رسول اللّٰہ! بقی شر ولدی......

اے اللہ کے رسولؐ! میری اولاد میں جو بد بخت ہے وہ باقی رہ گئے یعنی اس نے اللہ کی راہ میں شہادت نہ پائی (قربان جایئے)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں۔ گویا حضرت عفراء کا ارادہ تھا کہ میرے سب جگر گوشے اللہ عزوجل کی راہ میں شہادت کے شرف سے مشرف ہو جائیں۔ اس طرح حضرت عفراءؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین گواہی اور شہادت حاصل کر لی۔ (تاریخ الطبری ۲/۳۹)

حضرت جلیبیبؓ کی بیوی کا ایمان افروز واقعہ

جلیبیبؓ ایک انصاری صحابی تھے۔ نہ مالدار تھے نہ کسی معروف خاندان سے تعلق تھا، صاحب منصب بھی نہ تھے، رشتہ داروں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی، رنگ بھی سانولا تھا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے۔ بھوک کی حالت میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علم سیکھتے اور فیضیاب ہوتے۔ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت کی نظر سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:

یا جلیبیب ألا تتزوج......

''جلیبیب! تم شادی نہیں کرو گے۔''

جلیبیبؓ نے عرض کیا، اللہ کے رسولؐ! مجھ جیسے آدمی سے بھلا کون شادی کرے گا؟ اللہ کے رسولؐ نے پھر فرمایا، جلیبیب! تم شادی نہیں کرو گے؟ اور وہ جواباً عرض گزار ہوئے کہ اللہ کے رسولؐ! بھلا مجھ سے کون شادی کرے گا؟ نہ مال، نہ جاہ وجلال۔ اللہ کے رسولؐ نے تیسری مرتبہ بھی ارشاد فرمایا، جلیبیب! تم شادی نہیں کرو گے؟ جواب میں انہوں نے پھر وہی کہا، اللہ کے رسولؐ! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ کوئی منصب نہیں، میری شکل بھی اچھی نہیں، نہ میرا خاندان بڑا ہے اور نہ مال ودولت رکھتا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذهب الى البيت من الانصار وقل لهم: رسول اللهِ صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم يبلّغكم السَّلامَ ويقول: زَوِّجوني ابنتكم......

''فلاں انصاری کے گھر جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دو۔''

جلیبیبؓ خوشی خوشی اس انصاری کے گھر گئے اور دروازہ پر دستک دی۔ گھر والوں نے پوچھا، کون؟ کہا، جلیبیب۔ گھر والوں نے کہا، ہم تو تمہیں نہیں جانتے، نہ تم سے کوئی غرض ہے۔ خیر گھر کا مالک باہر نکلا، ادھر جلیبیب کھڑے تھے۔ پوچھا، کیا چاہتے ہو؟ کدھر سے آئے

ہو؟ کہا، اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں سلام بھجوایا ہے۔ یہ سننے کی دیر تھی کہ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں سلام کا پیغام بھجوایا ہے۔ ارے یہ تو بہت ہی خوش بختی کا مقام ہے کہ ہمیں اللہ کے رسولؐ نے سلام کہلا بھیجا ہے۔ جلیبیب کہنے لگے، آگے بھی سنو، اللہ کے رسولؐ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو۔

صاحب خانہ نے کہا، ذرا انتظار کرو، میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں۔ اندر جا کر لڑکی کی ماں کو پیغام پہنچایا اور مشورہ پوچھا؟ وہ کہنے لگی، نہ نہ، نہ نہ، قسم اللہ کی میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے نہیں کروں گی۔ نہ خاندان، نہ شہرت، نہ مال و دولت۔ ان کی نیک سیرت بیٹی بھی گھر میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی اور جان گئی تھی کہ حکم کس کا ہے؟ کس نے مشورہ دیا ہے؟ سوچنے لگی، اگر اللہ کے رسولؐ راضی ہیں تو اس میں یقیناً میرے لئے بھلائی اور فائدہ ہے۔ اس نے والدین کی طرف دیکھا اور مخاطب ہوئی:

أتردون علٰی رسولِ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلم أمرۃً؟
ادفعونی اِلٰی رسولِ اللّٰہ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلَّمَ فانہٗ لن یضیعنی......

”کیا آپ لوگ اللہ کے رسولؐ کا حکم ٹالنے کی کوشش میں ہیں؟ مجھے اللہ کے رسولؐ کے سپرد کردیں (وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں میری شادی کردیں) کیونکہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔“

پھر لڑکی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی:

وَمَا کان لمؤمن وَّلا مؤمنۃٍ اذا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ امراً أن یکون لھم الخیرۃ من أمرھم......(سورۃ الاحزاب)

”اور دیکھو! کسی مؤمن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے امور میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔“

لڑکی کا والد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اللہ کے

رسولؐ! آپؐ کا حکم سر آنکھوں پر، آپؐ کا مشورہ، آپؐ کا حکم قبول، میں شادی کے لئے راضی ہوں۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس لڑکی کے پاکیزہ جواب کی خبر ہوئی تو آپؐ نے اس کے حق میں یہ دُعا فرمائی:

اللّٰھم صُبَّ الخیر علیھا صَبّاً وّلا تجعل عیشھا کدًّا......

''اے اللہ! اس بچی پر خیر اور بھلائی کے دروازے کھول دے اور اس کی زندگی کو مشقت و پریشانی سے دور رکھ۔''

(موارد الظمان ۲۲۶۹، احمد ۴/ ۴۲۵، مجمع الزوائد ۹/ ۳۷۰)

پھر جلیبیبؓ کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی۔ مدینہ منورہ میں ایک اور گھرانہ آباد ہوگیا جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر تھی، جس کی چھت مسکنت اور محتاجی تھی، جس کی آرائش و زیبائش و تہلیل اور تسبیح و تحمید تھی۔ اس مبارک جوڑے کی راحت نماز میں اور دل کا اطمینان تپتی دو پہروں کے نفلی روزوں میں تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی برکت سے یہ شادی خانہ آبادی بڑی ہی برکت والی ثابت ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کے مالی حالات اس قدر اچھے ہوگئے کہ راوی کا بیان ہے:

فکانت من اکثر الانصار نفقةً و مالاً۔

''انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے خرچیلا گھرانہ اس لڑکی کا تھا۔''

ایک جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا:

ھل تفقدون من أحدٍ......

''دیکھو! تمہارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟''

مطلب یہ تھا کہ کون کون شہید ہوگیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں فلاں فلاں حضرات موجود نہیں ہے۔ پھر ارشاد ہوا:

ھل تفقدون من أحدٍ......

''کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟''

صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لٰکِنِّی افقد جلیبیباً فاطلبوہ......

''لیکن مجھے جلیبیب نظر نہیں آرہا، اس کو تلاش کرو۔''

چنانچہ ان کو میدان جنگ میں تلاش کیا گیا۔ وہ منظر بڑا عجیب تھا۔ میدان جنگ میں ان کے ارد گرد سات کافروں کی لاشیں تھیں۔ گویا وہ ان ساتوں سے لڑتے رہے اور پھر ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو خبر دی گئی۔ رؤف ورحیم پیغمبرؐ تشریف لائے، اپنے پیارے ساتھی کی نعش کے قریب کھڑے ہوئے۔ منظر کو دیکھا پھر فرمایا:

قتل سبعةً ثمَّ قتلوہ، ھٰذا مِنِّیْ وأنا منہ، ھٰذا منی وانا منہ......

''اس نے سات کافروں کو قتل کیا، پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔''

فوضعهٗ علٰی ساعدیہ لیس لہٗ الا ساعدَا النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ......

پھر آپؐ نے اپنے پیارے ساتھی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور شان یہ تھی کہ اکیلے ہی اس کو اٹھایا ہوا تھا۔ صرف آپؐ کے دونوں بازوؤں کا سہارا اسے میسر تھا۔ جلیبیبؓ کے لئے قبر کھودی گئی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے انہیں قبر میں رکھا۔ (صحیح مسلم ۲۴۷۲)

میں اس غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں

اسماء بنت مخربہ، مدینہ میں عطر بیچا کرتی تھیں۔ اور ابو ربیعہ مخزومی کے دو بیٹوں عیاش اور عبداللہ کی ماں تھی۔ وہ ایک مرتبہ حضرت ربیعؓ کے ہاں آئی اور اس کے پاس عطر بھی تھی تو عورتوں نے اس سے عطر کے بھاؤ وغیرہ پوچھے اور ربیعؓ کا تعارف بھی کرایا تو اسماءؓ نے کہا، تو اس سردار کے قاتل کی بیٹی ہے۔ اس کی مراد ابو جہل سے تھی تو حضر ربیعؓ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں اس غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں (یعنی غیرت میں آ کر ابو جہل کو سردار کہنا برداشت نہ

لیا) تو اسماءؓ بولی کہ مجھ پر حرام ہے کہ میں اپنا عطر تجھے بیچوں اور حضرت ربیع ؓ نے بھی فوراً کہا کہ مجھ پر حرام ہے کہ میں تجھ سے کچھ خریدوں، ہم نے تیرے عطر سے زیادہ بدبودار عطر کہیں نہیں دیکھا اور یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ حضرت ربیع ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے بدبو والی بات اسے غصہ دلانے کے لئے کہی تھی۔ (طبقات ابن سعد ۸/۳۰۰، المغازی ۱/۸۹)

اُمّ السبعۃ سات (مبارک مردوں) کی ماں

ابن حجر ذکر کرتے ہیں، عفراء کے لئے ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے حارث بن رفاعہ کے بعد بکیر لیثی سے شادی کی اوران سے چار لڑکوں کو جنم دیا۔ ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔ تمام بدر میں شریک ہوئے، اسی طرح ان کے ماں شریک بھائی حارث کی اولاد معاذ، معوذ، عوف بھی جنگ بدر میں شریک ہوئے تو اس طرح یہ ایسی صحابیہ خاتون ہیں جنہیں سات بدری صحابہ ؓ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان عفراء کے چاروں بکیر والی اولاد کے ساتھ تھے، انصار پر بڑا فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں چار بھائی اس طرح کوئی اور شریک نہیں ہوئے۔ (الاصابہ ۴/۳۵۳)

حضرت اُمّ درداء

زید بن اسلم سے منقول ہے کہ عبدالملک نے اُمّ درداء کو اپنے ہاں بلوایا تھا تو وہ اس کے ہاں تھیں۔ رات کو عبدالملک عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو اس نے خادم کو بلایا۔ اس نے آنے میں دیر کر دی تو اس نے خادم کو لعنت دی۔ جب صبح ہوئی تو اُمّ درداء نے اسے فرمایا کہ میں نے رات کو تجھے اپنے خادم کو لعنت دیتے ہوئے سنا تھا تو عبدالملک نے جواب دیا کہ اس نے دیر لگا دی تھی۔ اُمّ درداء نے فرمایا کہ میں نے ابودرداء ؓ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لعنت دینے والے قیامت میں نہ شفعا ہوں گے نہ شہدا۔ اُمّ درداء کی اپنے شوہر کی وفات کے بعد سے یہ عادت بنی ہوئی تھی کہ وہ چھ مہینے بیت المقدس میں رہتیں اور وہاں

تعلیم دیتیں اور مسجد اقصیٰ میں جس میں اور جس کے ارد گرد اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے، عبادت کرتیں اور چھ مہینے اپنے اصلی وطن شام میں رہتیں۔

بیت المقدس میں اقامت کے دوران وہ عبدالملک کے ان کے لئے کئے جانے والے احترام سے فائدہ اٹھاتیں۔ منقول ہے کہ عبدالملک بیت المقدس کے گنبد کے نیچے بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ اُمّ الدرداء بھی بیٹھی تھیں۔ حتیٰ کہ جب مغرب کی اذان ہوئی، عبدالملک کھڑے ہوئے اور اُمّ درداء ان کا سہارا لے کر کھڑی ہوئیں۔ عبدالملک انہیں سہارا دے کر مسجد میں لے گئے اور یہ وہاں داخل ہو کر عورتوں کی صف میں بیٹھ گئیں اور عبدالملک اپنی جگہ تک گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/۲۷۹، تاریخ دمشق ۴۳۵)

عاتکہ اور آل ابی سفیان کے فقراء

عبدالملک بن مروان کی بیوی عاتکہ اور اس کی ہمعصر عورتیں صرف بزرگی میں ہی آگے نہ تھیں بلکہ عاتکہ تو لاثانی بے پناہ خرچ کرنے والی، انتہائی فیاض تھیں۔ اس لئے کہ اس نے اپنے احساس کے ذریعے غربت کی جگہوں کو فقراء کے ہاں ختم کر دیا تھا اور ان کی بدبختی کی جگہیں تلاش کر کے ننگے جسموں کو ڈھانکا اور ٹوٹے بیمار پروں پر مرہم رکھا اور چہروں پر مسکراہٹ لوٹائی۔ عاتکہ کوئی تھوڑے سے مال سے فیاضی نہیں کرتی تھیں بلکہ اپنا سارا مال آل ابی سفیان کے فقراء کے لئے نکال لیا تھا اور اس بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں۔

حاشیہ...... عاتکہ یزید بن معاویہ بیٹی تھیں۔ بڑی عالمہ اور فاضلہ خاتون تھیں۔ محدثین نے تیسرے طبقہ کی محدثات میں شمار کیا ہے۔ ان کے محارم میں ۱۲ خلفاء گزرے ہیں۔ (۱) دادا حضرت امیر معاویہؓ (۲) والد یزید بن معاویہ (۳) بھائی معاویہ بن یزید بن معاویہ (۴) شوہر عبدالملک بن مروان (۵) سسر مروان بن الحکم (۶) بیٹے یزید بن عبدالملک (۷) ولید بن عبدالملک (۸) سلیمان بن عبدالملک (۹) ہشام بن عبدالملک، یہ ان کے سوتیلے بیٹے تھے (۱۰) پوتے ولید بن یزید بن عبدالملک (۱۱) سوتیلے پوتے یزید بن ولید بن عبدالملک (۱۲) دوسرے سوتیلے پوتے ابراہیم بن ولید۔ انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی اور اموی خلافت کے اختتام تک زندہ رہیں۔ ۱۳۲ھ کے بعد دمشق میں انتقال ہوا۔

جب عبدالملک کے بیٹے جو عاتکہ سے تھے یزید اور مروان بڑے ہو گئے تو عاتکہ کو ان کے شوہر عبدالملک نے کہا کہ تیرے بیٹے بڑے ہو گئے ہیں اور اگر تو اپنے مال اور تیرے والد سے ملی ہوئی میراث گواہوں کے سامنے انہیں لکھ دے یعنی ان کے نام کر دے گواہوں کے سامنے تو یہ ان کے لئے اپنے دوسرے سوتیلے بھائیوں پر فضیلت کی بات ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ میرے لئے آپ کے اور میرے جاننے والوں کو گواہی کے لئے اکٹھا کرتا کہ میں گواہی دلاؤں۔ تو انہوں نے جمع کیا اور کچھ لوگ عاتکہ کی طرف بھیج دیئے۔ وہ ان کے ہاں آئے اور ان کے ساتھ روح بن زنباع بھی آئے اور بنو امیہ انہیں اپنے گھروں میں خواتین کے سامنے بڑے بزرگوں کی حیثیت سے لے آئے تھے۔ انہیں عبدالملک نے کہا کہ اس کو اس بارے میں ترغیب دلانا اور اچھی باتیں کرنا اور اس کو میرے اس (عاتکہ) سے راضی وخوش ہونے کی خبر بھی دینا۔

روح بن زنباع وہاں آئے۔ جو عبدالملک نے کہا تھا، اسی کے مطابق عاتکہ سے بات کی اور عاتکہ نے ان کی سب باتیں سنیں۔ جب وہ اس کے خط کو پڑھ کر فارغ ہوئے تو عاتکہ نے انہیں کہا کہ اے روح! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے بیٹوں پر غربت آنے سے ڈرتی ہوں حالانکہ وہ امیر المومنین کے بیٹے ہیں۔ میرے بیٹے میرے مال سے بے پرواہ ہیں اپنے والد اور ان کی خلافت کی جگہ کی وجہ سے لیکن میں تمہیں اور تم سب کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے اپنا سب مال فقراء آل ابی سفیان پر صدقہ کر دیا اور ان کے لئے وقف کر دیا ہے۔ وہ لوگ اپنی بدلی ہوئی حالت کے باعث اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

روح بن زنباع اسی وقت وہاں سے نکلے، ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ تقریباً اپنی ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے پہنچے۔ جب عبدالملک نے انہیں دیکھا تو کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جس چہرے کے ساتھ گئے تھے، اس سے واپس نہیں آئے، کیا ہوا؟ روح نے کہا کہ امیر المومنین! آپ نے مجھے معاویہ بن ابی سفیان کے پاس بھیج دیا تھا اور وہ وہاں اپنے کپڑے میں براجمان تھے۔ (ان کی مراد یہ تھی کہ عاتکہ اپنے دادا کی طرح ذہانت اور علم میں تیز ہے) اور اسے پوری بات بتا دی۔ تو عبدالملک غصہ ہوا اور عاتکہ کو دھمکیاں دینے لگا۔ تو روح نے اسے کہا کہ امیر المومنین! چھوڑیئے۔ خدا کی قسم! اپنے بیٹوں کے معاملہ میں عاتکہ کے اس

فضل میں آپ کے لئے اس کے مال سے زیادہ اچھائی ہے۔ یہ سن کر عبدالملک کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ رک گیا۔ (دورِ تابعین کی نامور خواتین ۱۷۷)

معاذہ عدویہ کی سہاگ رات

جب معاذہ عدویہ کا یوم زفاف تھا، انہیں اپنے شوہر صلہ بن اشیم کے پاس لایا گیا تو صلہ کا بھتیجا ان کو حمام لے گیا، اس کو اچھے کپڑے پہنوائے اور انہیں معاذہ کے کمرے میں داخل کر دیا جو خوشبو سے اٹا پڑا تھا۔ وہاں سے بہترین خوشبوؤں کی دھونی اور عطروں کی مہک اٹھ رہی تھی اور گھر کو بہترین انداز سے سجایا گیا تھا۔ جب دونوں میاں بیوی ساتھ ہوئے تو صلہ نے معاذہ کو سلام کیا اور نماز پڑھنے لگ گیا، وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ کر نماز پڑھنے لگیں۔ یہ دونوں نماز میں مستغرق ہو گئے اور نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ فجر نے انہیں آن لیا اور صبح نے سانس لی۔ یہ دونوں بھول گئے کہ آج سہاگ رات ہے۔

(صفۃ الصفوۃ ۳/۱۴۴، ربیع الابرار ۵/۲۸۵، البدایہ والنہایۃ ۹/۱۸)

جب صبح ان کا بھتیجا صلہ سے حال احوال پوچھنے آیا تو اسے معلوم ہوا کہ صلہ پوری رات نماز ہی پڑھتے رہے۔ اس نے کہا کہ چچا جان! تمہارے پاس تمہاری چچازاد کو لایا گیا، تم نماز پڑھتے رہے اور اسے چھوڑ دیا۔ صلہ نے کہا، بھتیجے! جب تم رات کو مجھے حمام میں لے گئے تو مجھے اس سے جہنم یاد آ گئی اور پھر جب گھر میں لائے تو مجھے اس سے جنت یاد آ گئی اور میں اسی بارے میں سوچتا رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

ان کی عبادت اور نماز

معاذہ نے تو خود کو عبادت اور نماز کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ اگر اپنے ذاتی کام میں مشغول ہوتیں تو عین نماز کے وقت مصلے پر ہوتیں اور ساری رات نماز، ذکر و تسبیح میں

حاشیہ..... معاذہ بنت عبداللہ العدویہ البصریہ اونچے درجہ کی تابعیات میں سے تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ، امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ، ہشام بن عامر سے علم حاصل کیا۔ معاذہ تفقہ فی الدین، پرہیزگاری اور عبادت میں اونچے مقام پر فائز تھیں۔ ان کے شوہر ابو الصہباء صلہ بن اشیم عدوی بصری، عابد زاہد، سردار جلیل القدر تابعی تھے۔ معاذہ عدویہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بیس سال تک زندہ رہیں۔ ساری عمر عبادت اور ریاضت میں گزاری۔ ۸۳ھ یا ۱۰۱ھ میں انتقال ہوا۔

گزارتیں۔ وہ روزانہ (دن رات میں) چھ سو رکعت نماز پڑھتیں اور ہر رات وہ قرآن پاک پڑھتی رہتیں۔ جب دن ہوتا تو کہتیں کہ یہ وہ دن ہے جس میں میری موت آنے والی ہے، پھر نہ سوتیں۔ جب رات آتی تو کہتین کہ یہ میری وہ رات ہے جس میں مجھے موت آنے والی ہے، پھر صبح تک نہ سوتیں۔ جب نیند کا غلبہ ہونے لگتا اپنے نفس کو ملامت و عتاب کرتیں، پھر اسی طرح صبح ہو جاتی۔ وہ ڈرتی تھیں کہ کہیں غفلت اور نیند میں موت نہ آ جائے۔

جب سردی کا موسم ہوتا تو معاذہ پتلے کپڑے پہنتیں تا کہ سردی نیند کو روکے اور وہ عبادت میں سستی پیدا نہ کرے۔ ان کے ایک طرف ان کے شوہر اپنی عبادت میں مجاہدہ کر رہے ہوتے حتیٰ کہ یہ دونوں ضرب المثل بن گئے۔

محنت میں بنو عدی اس شہر والوں پر حاوی ہیں۔ یہ ابو الصہباء ہیں جو رات کو سوتے نہیں اور دن میں کھاتے نہیں اور یہ ان کی زوجہ معاذہ بنت عبد اللہ ہیں جنہوں نے چالیس سال تک آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

معاذہ اپنی عبادت اور درویشی کے ساتھ ایک فقیہہ اور عالمہ بھی تھیں۔ امام یحییٰ بن معین نے انہیں ثقہ اور حجت کہا۔ ابن حبان نے انہیں ''الثقات'' میں ذکر کیا اور ان کی تعریف کی ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ان کی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں اور استدلال میں پیش کی جاتی ہیں۔ (دور تابعین کی نامور خواتین ۲۳۲)

معاذہ کا صبر و شکر

۶۲ھ میں معاذہ کے شوہر اور بیٹا بجستان میں ترکوں کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے۔ جب انہیں خبر پہنچی تو نہ انہوں نے چہرہ پیٹا، نہ ہی کپڑے پھاڑے۔ انہوں نے صبر کیا اور انا للہ پڑھی۔ ان کے ہاں عورتیں تعزیت کے لئے جمع ہوئیں لیکن معاذہ نے انہیں کہا:

> ''خوش آمدید! اگر تم مجھے مبارکباد دینے آئی ہو تو ٹھیک اور اگر کسی اور وجہ سے آئی ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔''

(طبقات ابن سعد، البدایۃ والنہایۃ ۹/ ۱۸، سیر اعلام النبلاء ۴/ ۵۰۹)

مقصد زندگی

اُمّ الاسود بنت زید العدویہ جو معاذہ کی رضاعی بیٹی بھی ہیں۔ کہتی ہیں کہ جب معاذہ کے شوہر اور بیٹا شہید ہوئے تو انہوں نے مجھے کہا کہ میری بچی! میں دنیا میں باقی رہنے کو زندگی کی لذتوں کے لئے نہیں چاہتی اور نہ نسیم صبح کے مزے لینا۔ بلکہ خدا کی قسم! میں اس بقاء کو یوں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا کچھ سامان کر جاؤں۔ شاید وہ اس وجہ سے مجھے، میرے شوہر اور بیٹے کو جنت میں جمع کر دے۔ (مصارع العشاق ۲۰۸)

موت کی فکر

معاذہ عدویہ جب دن نکلتا تو کہتیں کہ یہ وہ دن ہے جس میں مروں گی اور شام تک کچھ نہ کھاتیں۔ جب راتی ہو جاتی تو کہتیں کہ اس رات میں مروں گی اور صبح تک نماز میں مصروف رہتیں۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۹)

معاذہ کی وفات

معاذہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد بیس سال تک زندہ رہیں۔ وہ ہر دن اللہ تعالیٰ کی لقاء کے لئے تیار رہتیں اور امید کرتی کہ شاید اللہ تعالیٰ انہیں ان کے شوہر اور بیٹے کے ساتھ اپنی رحمت میں جمع کر دے۔ منقول ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ روئیں اور پھر ہنس پڑیں۔ ان کو کہا گیا کہ کس بات پر روئیں اور کس بات پر ہنسیں؟ انہوں نے جواب میں کہا:

میرا رونا جو تم نے دیکھا اس لئے تھا کہ مجھے روزوں، نمازوں اور ذکر سے جدائی کا خیال آ گیا تھا اور میرا مسکرانا و ہنسنا اس لئے تھا کہ میں نے ابو الصہباء کو دیکھا کہ وہ گھر کے صحن میں آ گئے ہیں۔ ان پر دو سبز جبے ہیں اور ایک مجمع کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے دنیا میں ان جیسی شکلوں کے لوگ نہیں دیکھے اور میں نہیں سمجھتی کہ میں اب اور کوئی فرض نماز پاسکوں گی۔''

وہی ہوا۔ معاذہ نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/۵۰۹، مصارع العشاق ۱/۲۰۹)

عظیم شہزادی کی بے مثال غربت

کتب تاریخ و طبقات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی بیوی فاطمہ(۱) کو اس کے مستقبل کے بارے میں اختیار دے دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کر رہے تھے کہ جس نے انہیں دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی حسین و جمیل شریک حیات بوجھ لگنے لگی تھی۔

وہ شعر کہہ رہے تھے:

قد جاء مشغل شاغل

وعدلت عن طرق السلامة

''مصروف کر دینے والا کام آچکا ہے اور تو سلامتی کے راستوں سے ہٹ چکا۔''

ذهب الفراغ فلافرا

غرلنا على يوم القيامة

''فراغت چلی گئی اب قیامت تک ہمیں فرصت نہیں۔''

حاشیہ...... فاطمہ بنت عبدالملک بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی، چھٹے خلیفہ ولید اوّل، ساتویں خلیفہ سلیمان، نویں خلیفہ یزید ثانی اور دسویں خلیفہ ہشام کی بہن، آٹھویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ تھیں۔ بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی۔ حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۸۶ھ میں عمر بن عبدالعزیز سے شادی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز خناصرہ کے گورنر مقرر ہوئے، اس کے بعد مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ ۹۹ھ میں خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کی شادی پر خوشبو کی جگہ خوشبو کی قندیلیں روشن ہوئی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز قیمتی اور بہت زیادہ خوشبو استعمال کرتے تھے، اعلیٰ قسم کا لباس استعمال کرتے تھے مگر خلافت کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ فاطمہ اس تنگی ترشی میں آپ کے ساتھ صابر و شاکر رہیں۔ ۱۰۱ھ میں عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد داؤد بن سلیمان بن مروان سے شادی کی مگر درویشانہ زندگی برقرار رہی۔ تاریخ وفات معلوم نہیں۔ بصریٰ شام میں آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

یہاں فاطمہ اپنی عقل کی وجہ سے چمکی اور اپنی فکر سلیم سے بلند ہوئی۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ ہر حال میں قیام اختیار کرلیا اور ان کے ساتھ ان کی اس تنگ حالی و پریشانی میں ہاتھ بٹانے لگی، جو انہوں نے خود پر فرض کر لی تھی اور یہیں سے عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ساتھ انہیں بھی ذمے داریوں میں لگا دیا۔ پھر وہ سیّدہ جو ایک خلیفہ کی بیوی، ایک خلیفہ کی بیٹی، ایک خلیفہ کی بہن تھی۔ جس کا خلافت نے گلے کے ہار کی طرح احاطہ کیا ہوا تھا اور جو ریشمی لباسوں اور سونے جواہرات کی رنگینیوں میں پلی بڑھی تھی، ایسی بن گئی جو دنیا میں دو موٹے کھردرے کپڑوں کے سوا کسی چیز کی مالک نہ تھی۔ وہ سوائے روٹی کے سوکھے ٹکڑوں یا پیاز لہسن کے علاوہ کچھ نہیں کھاتی تھی اور اس کی آنتیں لمبی راتوں میں خالی رہتیں۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ وہ کہنے لگیں کہ کاش ہمارے اور خلافت کے درمیان مشرق و مغرب کی مسافت جیسا فاصلہ ہوتا۔ قسم خدا کی جب سے یہ خلافت ہمیں ملی ہے، ہم نے کوئی خوشی نہیں دیکھی۔

مگر ان کا یہ نظریہ اس وقت بدل گیا جب انہوں نے اس نئی زندگی، تنگ حالی اور زُہد میں اپنے شوہر کی عظمت کو محسوس کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے پاس آئے، اسی دن فاطمہ آسمان مکرمات میں اپنے ادب کے حسن عفت اور دین کی وجہ سے بلند و بالا ہوئی۔ ان کے پاس ایک جوہر تھا جس کی مثال ملنا مشکل تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا، یہ تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟ فرمایا کہ یہ مجھے امیر المومنین (عبدالملک فاطمہ کے والد) نے دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کہنے لگے، یا تو تم اسے بیت المال میں واپس کردو ورنہ مجھے اپنی جدائی کی اجازت دو۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ جوہر، میں اور تم ایک ہی گھر میں ہوں۔ فاطمہ نے کہا، نہیں بلکہ میں آپ کو اختیار کرتی ہوں، اگر میرے پاس اس سے کئی گنا زیادہ دولت ہوتی تب بھی۔ تو انہوں نے اسے مسلمانوں کے بیت المال میں ڈال دیا۔

جب ان کے بھائی یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کہا، اگر تم چاہو تو میں یہ ہیرا یا اس کی قیمت تمہیں لوٹا دوں۔ فاطمہ نے کہا، میں نہیں چاہتی۔ میں ان کی زندگی میں اس پر راضی تھی اور ان کی موت کے بعد رجوع کروں، نہیں خدا کی قسم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب یزید نے ان کا یہ نظریہ دیکھا تو اس ہیرے کو اپنے بیٹوں اور بیوی میں تقسیم کر دیا۔

(الطبقات ۵/۳۹۳، الحلیۃ ۵/۲۸۳، تاریخ دمشق ۲۹۲)

مزدور سے پردہ کرلو

ابن عبدالحکم نے ذکر کیا ہے کہ ایک عورت عراق سے عمر بن عبدالعزیز کے ہاں آئی۔ جب وہ ان کے دروازے پر پہنچی تو لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کے دروازے پر دربان ہیں؟ لوگوں نے کہا، نہیں پسند کرو تو اندر چلی جاؤ۔ وہ عورت اندر گئی۔ فاطمہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی روئی دھن رہی تھیں۔ اس نے سلام کیا، فاطمہ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ داخل ہو جاؤ۔

جب وہ عورت بیٹھ گئی تو اس نے اپنی نظریں اٹھائیں تو گھر میں کوئی قیمتی یا متوجہ کرنے والی چیز نہیں تھی۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگی کہ میں تو یہاں اپنا گھر بنوانے آئی تھی اور یہ اتنا خراب گھر ہے۔ فاطمہ نے جواب دیا، اس گھر کو تمہارے جیسے گھروں کی عمارتوں نے خراب بنایا ہے۔ اتنے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر میں آئے اور گھر کے کونے میں بنے کنوئیں پر جا کر ڈول سے پانی نکالنے اور مٹی کے گارے میں ڈالنے لگے۔ وہ فاطمہ کی طرف دیکھے جا رہے تھے تو وہ عورت کہنے لگی کہ تم اس مزدور سے پردہ کرلو، میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ مسلسل تمہاری طرف دیکھے جا رہا ہے۔ فاطمہ نے کہا، یہ مزدور نہیں بلکہ امیر المومنین ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور اس عورت کی ضرورت کو پورا کیا۔ وہ دُعائیں دیتی ہوئی لوٹی اور ان کی بیوی فاطمہ پر تعجب کرنے لگی کہ وہ کپڑا اپنے ہاتھ سے بنا رہی ہے حالانکہ وہ دنیا کی آسائشوں میں سے جو چاہے حاصل کرسکتی ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم ۱۶۹)

اُمّ مسلم الخولانیہ

ابو مسلم خولانی کی زوجہ نے اپنے شوہر کو کہا کہ گھر میں آٹا نہیں ہے۔ ابو مسلم بولے، کیا کوئی چیز ہے؟ اُمّ مسلم نے کہا کہ ایک درہم ہے جس کا سوت بیچا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھے دے دو اور تھیلا لاؤ۔ پھر وہ بازار چلے گئے۔ وہ ایک شخص کے پاس کھڑے ہو کر کھانا خرید رہے تھے کہ ایک سائل آ کھڑا ہوا اور بولا، اے ابو مسلم! مجھ پر صدقہ کردو۔ اس نے مطلب میں بڑی الحاح وزاری کی تو انہوں نے وہ ایک اکیلا درہم اسے دے دیا، پھر تھیلے کو لکڑی کے

برادے اور مٹی سے بھر دیا۔ گھر کی طرف آئے اور دروازے کے پیچھے رکھ کر واپس ہو لئے۔
جب اُمّ مسلم نے اس تھیلے کو کھولا تو اس میں سفید آٹا تھا۔ انہوں نے اسے گوندھا اور روٹیاں پکا لیں۔ جب رات کو ابو مسلم آئے تو انہوں نے ان کے سامنے دستر خوان اور چپاتیاں رکھیں۔
ابو مسلم نے کہا، یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا اے اُمّ مسلم۔ انہوں نے جواب دیا، یہ اس آٹے سے بنائی ہیں جو تم دن کو لائے تھے۔ تو ابو مسلم کھانے لگے اور رو دیئے۔
(دور تابعین کی نامور خواتین ۳۲۱)

زاہدانہ زندگی

ابو مسلم خولانی جب مسجد سے اپنے گھر لوٹتے تو گھر کے دروازے پر تکبیر کہتے، ان کی بیوی بھی تکبیر کہتی۔ جب گھر کے صحن میں پہنچتے تو پھر تکبیر کہتے، ان کی بیوی بھی تکبیر کہتی۔ پھر جب گھر کے اندرونی دروازے پر آجاتے تو تکبیر کہتے اور ان کی بیوی جواب دیتی۔
ایک دن حسب معمول لوٹے تو انہوں نے گھر کے دروازے کے پاس تکبیر کہی لیکن کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ پھر جب وہ صحن میں آئے تو تکبیر کہی تو بھی جواب نہیں ملا۔ پھر جب اندرونی دروازے پر آئے، تکبیر کہی مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی نے ان کی چادر اور چپل اٹھائی، پھر کھانا لے آئی۔ گھر کے اندر داخل ہوئے تو اس میں چراغ نہیں تھا اور ان کی بیوی سر جھکائے لکڑی سے کچھ کرید رہی تھی۔ انہوں نے کہا، تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ تمہارا حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے ہاں بڑا مرتبہ ہے، ہمارے پاس خادم نہیں ہے، اگر تم ان سے مانگو گے تو وہ ہمیں خادم دے دیں گے۔ ابو مسلم سمجھ گئے کہ بات میں کچھ گڑ بڑ ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا، اے اللہ! جس نے میری بیوی کو بہکایا ہے اسے اندھا کر دے۔
نعیم اصبہانی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے وہ عورت آئی تھی۔ اس نے ان کی بیوی کو کہا تھا، تیرے شوہر کا حضرت معاویہؓ کے ہاں بڑا مرتبہ ہے۔ اگر تم اسے کہو گی کہ وہ حضرت معاویہؓ سے خادم اور دولت مانگے تو تم عیش کرو گی۔ اسی دوران وہ عورت رات کو اپنے گھر میں بیٹھی تھی کہ اچانک اس کی آنکھیں چلی گئیں۔ اس نے کہا کہ تمہارے چراغ کو کیا ہو گیا، کیا بجھا دیا ہے؟

انہوں نے کہا، نہیں چراغ تو اسی طرح جل رہا ہے۔ اب اس عورت کو اپنا گناہ اور اُمّ مسلم کے ساتھ فضول گوئی یاد آئی۔ وہ روتی ہوئی ابو مسلم کے پاس آئی اور ان سے سوال کرنے لگی کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں لوٹا دے۔ ابو مسلم کا دل پسیج گیا اور اس کے حال پر رحم آ گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے متوجہ ہوئے اور اس کے لئے دُعا کی تو اس عورت کی آنکھیں لوٹ آئی۔ اُمّ مسلم اپنی خلوص والی زندگی کی طرف اپنے شوہر کے ساتھ لوٹ آئیں۔

(الحلیۃ ۱۲۹، صفۃ الصفوۃ ۴/ ۱۸۷)

اُمّ مسلم کی ضروریات اور ابو مسلم دربارِ خداوندی میں

اُمّ مسلم نے ابو مسلم کو کہا کہ اے ابو مسلم! سردی آ گئی ہے اور ہمارے پاس گرم کپڑے، کھانا سالن، جوتے اور ایندھن کچھ بھی نہیں ہے۔ ابو مسلم نے کہا کہ تم کیا چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا، تم حضرت معاویہؓ کے پاس جاؤ، وہ تمہیں جانتے ہیں، تم انہیں اپنی ضرورت اور حالت کے بارے میں بتلاؤ۔ ابو مسلم نے کہا، تجھ پر ہلاکت ہو، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے مانگوں۔ اُمّ مسلم نے بہت ضد کی تو انہوں نے کہا کہ تجھ پر ہلاکت ہو، لاؤ میری تیاری کراؤ۔ پھر وہ مسجد کی طرف چل دیئے اور اس دن وہیں رکے۔ جب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے اور مسجد خالی ہو گئی تو یہ گھٹنے کے بل جھک گئے اور کہا:

"اے اللہ! تو اپنے اور میرے درمیان، میرا حال جانتا ہے اور اُمّ مسلم کی بات بھی سن چکا ہے، اس نے مجھے حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا ہے۔ حالانکہ دنیا کے سارے خزانے سب تیرے ہاتھ میں ہیں اور معاویہؓ تو تیری مخلوق ہیں۔ میں تیری آسانی اور خیر کثیر تجھ سے مانگتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنی ضروریات گنوائیں۔ پھر کہا، بے شک تیرے خزانے خالی نہیں ہوتے اور تیری خیر کم نہیں ہوتی۔ تو مجھے جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ تو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

ابو مسلم کی یہ سب باتیں آلِ معاویہؓ کا ایک شخص سن رہا تھا۔ وہ یہاں سے نکل کر سیدھا حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آیا اور جو سنا تھا، ان کے گوش گزار کر دیا۔ حضرت معاویہؓ

نے فرمایا، تجھ پر ہلاکت ہو، تو جانتا ہے وہ کون ہے؟ وہ ابو مسلم ہیں۔ اس نے جو کچھ کہا، وہ تجھے یاد ہے۔ اس نے کہا، کیوں نہیں اے امیر المومنین۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ اس کے لئے اس کی مانگی ہوئی ہر چیز دگنی دو اور فوراً اس کے گھر پہنچاؤ، صبح سے پہلے پہلے اس کے گھر میں ہر چیز دو دو پہنچ جانی چاہئے۔ تو اس شخص نے وہ تمام چیزیں اٹھائیں اور یہ چیزیں لے کر اُمّ مسلم کے ہاں پہنچا تو اُمّ مسلم حضرت معاویہؓ کی تعریف کرنے لگیں اور کہا کہ میں تو انہیں حضرت معاویہؓ کے پاس جانے کا کہتی ہی رہی ہوں مگر یہ منع کرتے رہے۔

ادھر جب ابو مسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے، وہ گھر لوٹے اور انہیں اپنے ربّ پر پورا یقین تھا۔ جب گھر پہنچے تو اسے مال سے بھرا ہوا پایا۔ اُمّ مسلم نے انہیں کہا، ابو مسلم! دیکھ رہے ہو جو امیر المومنینؓ نے ہدیہ بھیجا ہے۔ یہ بولے، تجھ پر ہلاکت ہو، تم کفران نعمت کر رہی ہو اور رزق دینے والے کا شکر نہیں کر رہی ہو۔ خدا کی قسم! میں تو حضرت معاویہؓ کے پاس گیا ہی نہیں اور نہ کسی کو وہاں بھیجا اور نہ انہیں ضرورت کہلوائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے جو ہمیں ملا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام حمد ہے۔

اب اُمّ مسلم اپنے شوہر کے حقیقت، توکل علی اللہ کی تعلیم کو سمجھ گئیں اور اس کے بعد انہوں نے کبھی ان سے کوئی چیز نہیں مانگی۔ اسی نہج پر کہ جس پر ان کے شوہر ابو مسلم تھے، قائم ہو گئیں۔ (رحمہما اللہ) (تاریخ دمشق ۵۵۰)

اُمّ البنین کا تقویٰ

اُمّ البنین بنت عبدالعزیز حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بہن اور انتہائی عابدہ، زاہدہ پرہیزگار خاتون تھیں۔ ولید بن عبدالملک نے حج کیا اور یمن سے محمد بن یوسف (حجاج بھی یوسف کا بھائی) بھی حج پر آیا ہوا تھا، وہ ولید کے لئے بہت سارے تحفے لایا تھا۔ اُمّ البنین نے اپنے شوہر ولید سے کہا، اے امیر المومنین! محمد بن یوسف کے تحائف مجھے دے دیں۔ ولید نے وہ تحائف اُمّ البنین کو دے دینے کا حکم دیا تو اُمّ البنین کے قاصدین محمد بن یوسف کے پاس گئے تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے انہیں امیر المومنین دیکھیں گے اور ان کی رائے معلوم کی جائے گی۔ وجہ یہ تھی کہ تحائف بہت ہی زیادہ تھے۔

ادھر اُمّ البنین نے ولید کو کہا، امیر المومنین! آپ نے محمد بن یوسف کے ہدایہ مجھے دیئے جانے کا حکم دیا تھا، مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ولید نے کہا، وہ کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ چلا ہے، یہ لوگوں کے مال غصب کرتا ہے، ان کو مشکل کاموں کا حکم دیتا اور ان پر ظلم کرتا ہے۔ یہ غصب شدہ مال محمد یوسف ولید کے لئے لایا ہے۔ اس نے کہا، اللہ کی پناہ۔ ولید نے اسے حکم دیا اور اسے رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان پانچ قسمیں دلوائی گئیں کہ اس نے کوئی چیز غصب نہیں کی اور نہ کسی پر ظلم کیا اور یہ مال بغیر خوشی کے کسی سے نہیں لیا۔ اس نے قسم کھالی اور ولید نے تحائف قبول کر کے اُمّ البنین کو دے دیئے۔ محمد بن یوسف (جھوٹی قسم کھانے پر) ایسی بیماری میں مرا کہ اس کے جسم کے حصے علیحدہ ہو گئے تھے۔

(تاریخ طبری/ دورِ تابعین کی نامور خواتین ۳۳۱)

آسیہ زوجہ فرعون کا دردانگیز قرآنی واقعہ

فرعون کو جب آسیہ کے ایمان کی خبر ہوئی تو کہنے لگا، شاید تجھے جنون ہو گیا ہے۔ فرمانے لگیں، مجھے تو جنون نہیں ہوا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ میرا اور تیرا بلکہ تمام زمین و آسمان کا ایک ہی خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس پر اس نے آسیہ کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور نہایت سختی سے مارا اور میکے بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ اس پر جنون سوار ہو گیا ہے۔ آسیہ نے کہا، میں شاہد ہوں کہ میرا اور تم سب کا رَبّ بلکہ تمام آسمان اور زمین کا رَبّ ایک ہی ہے۔ باپ نے کہا، آسیہ میں نے اللہ العالمین سے تیرا نکاح کر دیا تھا اور تو نہایت خوبصورت عورت ہے۔ آسیہ نے جواب دیا، ایسی باتوں سے خدا کی پناہ۔ اگر تم دونوں سچے ہو تو مجھے یہ ایک تاج تو پہنا دو جس کے سامنے آفتاب اور پیچھے چاند اور گرداگرد ستارے جڑے ہوں۔ اس پر فرعون نے آسیہ کو میخوں سے عذاب دینا شروع کیا، ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیں اور قصاب کو بلا کر حکم دیا کہ اس کے ساتھ اسی طرح پیش آ جس طرح تو ذبح کرنے کے بعد بکری کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس وقت ملائکہ بولے کہ اے پروردگار! یہ عورت فرعون کی بلا میں پھنس گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ یہ تو ہماری ملاقات کی مشتاق ہو رہی ہے۔ پھر جب نزع تک نوبت پہنچی تو خدا تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میری بندی کے ہونٹ ہل رہے ہیں، ذرا سنو تو کیا کہتی

ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، یا ربّ! وہ تو یہ کہہ رہی ہے:

رَبِّ ابن لی عندك بیتاً فی الجنۃِ ونجّنی من فرعون وعملہٖ و نجّنی من القوم الظّٰلمین......

''اے میرے ربّ! جنت میں اپنے پاس میرے لئے ایک گھر بنا دیجئے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے محفوظ فرما دیجئے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے نجات دلا دیجئے۔''

یہاں یہ قصہ گزر رہا تھا کہ قصاب کھال کھینچتا جاتا تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے آسیہ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا۔ ان کی نظر ادھر لگی ہوئی تھی اور زبان پر اللہ اللہ جاری تھا۔ چنانچہ اسی وقت ان کی نظر پڑی تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک سفید موتی کا بنا ہوا مکان ہے اور اسی حالت میں ان کی روح قالب سے نکل گئی۔ (قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۲۳۰)

فرعون کی خادمہ کا ایمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو براق زمین و آسمان کے درمیان چلتا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، اس کا ایک قدم ہوتا تھا، خوشبو آنے لگی۔ آپؐ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ جنت کی خوشبو ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا، یہاں سے جنت بہت دور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون کی ایک ملازمہ تھی جو اس کی بیٹی کو کنگھی کیا کرتی تھی۔ ایک دن وہ کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس کے منہ سے کلمہ توحید...... لا الٰہ الا اللہ...... نکل گیا۔ جب اللہ والے کی زبان سے بات نکلتی ہے تو پھر وہ چھپتی نہیں ہے بلکہ پہلے سے زیادہ نکلتی ہے۔ فرعون کی بیٹی نے کہا، میرے باپ کے سوا تیرا اور کوئی خدا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا خدا اور تیرے باپ کا خدا بلکہ تمام آسمان و زمین کا ایک ہی خدا ہے۔ اس نے فرعون کو خبر دی۔ فرعون نے اس کو طلب کر کے ماجرا دریافت کیا۔ ماشطہ نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے، میں اس خدا کو مانتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس پر فرعون نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں، ایک شیر خوار دوسری تین چار سال کی۔ فرعون نے بیٹیوں کو ذبح کرنے کی دھمکی دی۔ ماں برابر ڈٹی رہی اس پر فرعون نے بڑی

بچی کو ذبح کر ڈالا اور چھوٹی بیٹی کو ماں کے سینے پر رکھ دیا۔ ماں گھبرائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچی کو زبان دی کہ میری بہن جنت میں میرا اور آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ ظالم نے ماں اور بیٹی کو ذبح کر دیا۔ آج یہ اس کی قبر سے خوشبو آ رہی ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچتی ہے۔

(قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۲۳۲)

درویش شہزادی

ایک عورت بنی اسرائیل میں بڑی عابدہ تھی اور وہ ان کے بادشاہ کی لڑکی تھی۔ ایک شہزادے نے اس سے منگنی کی درخواست کی، اس نے اس سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اپنی ایک لونڈی سے کہا کہ میرے واسطے ایک عابد، زاہد، نیک آدمی تلاش کرو جو فقیر ہو۔ لونڈی گئی اور ایک فقیر عابد، زاہد ملا، اسے لے آئی۔ اس نے پوچھا، اگر تم مجھ سے نکاح کرنا چاہو تو میں تمہارے ساتھ قاضی کے یہاں چلوں تا کہ نکاح کر دے۔ اس فقیر نے منظور کر لیا اور نکاح ہو گیا۔ پھر اس سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لے چلو۔ اس نے کہا، واللہ! اس کمبل کے سوا کوئی چیز میری ملکیت میں نہیں ہے، اسی کو رات کے وقت اوڑھ لیتا ہوں اور یہی دن میں پہنتا ہوں۔ لڑکی نے کہا، میں اس حالت پر راضی ہوں۔ چنانچہ وہ فقیر اس کو اپنے گھر لے گیا۔ وہ دن بھر محنت کرتا تھا اور رات کو اتنا پیدا کر کے لاتا تھا جس سے افطار ہو جائے۔ وہ دن کو نہیں کھاتی تھیں بلکہ روزہ رکھتی تھیں، جب ان کے پاس کوئی چیز لاتے تو افطار کرتی تھیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ کہتی تھیں، اب میں عبادت کے واسطے فارغ ہوئی۔

ایک دن فقیر کو کوئی چیز نہ ملی جو اس کے لئے لے جاتے۔ یہ اَمر ان پر شاق ہوا اور بہت گھبرائے۔ اپنے دل میں کہنے لگے کہ میری بیوی روزہ دار گھر میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میں کچھ لے جاؤں گا جس پر وہ افطار کرے گی۔ یہ سوچ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کے دُعا مانگی:

''اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں دنیا کے واسطے کچھ طلب نہیں کرتا،
صرف اپنی نیک بیوی کی رَضامندی کے واسطے مانگتا ہوں۔ اے اللہ!
تو مجھے اپنے پاس سے رزق عطا فرما۔ تو ہی سب سے اچھا رازق ہے۔''

اسی وقت آسمان سے ایک موتی گر پڑا، اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس گئے۔ جب

انہوں نے اس موتی کو دیکھا تو ڈر گئیں اور کہا کہ یہ موتی تم کہاں سے لائے ہو؟ کہ جس کا مثل میں نے کبھی اپنے اہل میں بھی نہیں دیکھا۔ کہا کہ آج میں نے رزق کے واسطے محنت کوشش بہت کی لیکن کہیں سے نہ ملا تو میں نے کہا کہ میری بیوی گھر میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میں کچھ لے جاؤں جس پر وہ افطار کرے، وہ شہزادی ہے میں اس کے پاس خالی ہاتھ نہیں جا سکتا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو حق تعالیٰ نے یہ موتی عنایت فرمایا اور آسمان سے نازل کیا۔ لڑکی نے کہا، اس جگہ جاؤ جہاں تم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی اور اس سے گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کرو اور کہو کہ اے اللہ! میرے مالک، اے میرے مولا! اگر یہ شے تو نے ہمیں دنیا میں روزی کر کے اتاری ہے تو اس میں ہمیں برکت دے اور اگر ہمارے آخرت کے ذخیرہ میں سے عطا فرمائی ہے تو اسے اٹھا لے۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا تو موتی اٹھا لیا گیا۔ فقیر نے واپس آ کر اس کے اٹھا لئے جانے کا قصہ بیان کیا تو لڑکی نے کہا، شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں وہ ذخیرہ دکھا دیا جو ہمارے واسطے آخرت میں جمع کیا گیا ہے۔ پھر کہا، میں اس دنیائے فانی کی کسی شے پر قادر ہونے سے پرواہ نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی۔ (قصص الاولیاء ۱/۲)

خدا تعالیٰ کی عبادت کا اثر

عبدالواحد بن زید سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین رات یہ سوال کیا کہ اے اللہ! مجھے اس شخص کو دکھا دیجئے جو جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ اے عبدالواحد! تیرا رفیق جنت میں میمونہ سوداء ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ کہاں ہے؟ ارشاد ہوا کہ کوفہ میں فلاں قبیلہ ہے۔ میں کوفہ میں اسی پتہ پر گیا اور لوگوں سے پوچھا، اس نام کی عورت کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو ایک مجنونہ ہے، بکریاں چرایا کرتی ہے۔ میں نے کہا، میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہا، فلاں جنگل میں چلے جاؤ وہ ملے گی۔ میں اس مقام پر گیا تو دیکھا کہ کھڑی ہوئی نماز پڑھ رہی ہے۔ اس کے سامنے ایک عصا ہے اور اون کا کپڑا پہنے ہوئے ہیں۔ کپڑے پر لکھا ہے:

"یہ نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ خریدی۔"

ایک عجیب واقعہ یہ دیکھا کہ بکریاں اور بھیڑیئے ایک جگہ چر رہے ہیں، نہ تو بھیڑیئے بکریوں کو کھاتے ہیں اور نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو نماز کو مختصر کیا اور سلام پھیر کر کہا، اے ابن زید! اس وقت جاؤ، یہ وقت وعدہ کا نہیں ہے، کل آنا۔ میں نے پوچھا، تجھے کس نے بتایا کہ میں ابن زید ہوں؟ کہا کہ یہ خبر نہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ارواح لشکر کے لشکر ایک جگہ جمع ہیں۔ جن ارواح میں وہاں تعارف ہو گیا، وہ یہاں بھی آپس میں ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور جو وہاں ایک دوسرے سے ناواقف اور انجان رہے، ان کا یہاں بھی اختلاف رہتا ہے۔ پھر میں نے کہا، مجھے کچھ اور نصیحت کرو۔ کہا، جس بندہ کو دنیا کی کوئی چیز حق تعالیٰ نے دی اور وہ پھر اسی کی طلب میں رہا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی خلوت کی محبت سلب فرمالیتا ہے اور قرب کو بعد سے بدل دیتا ہے اور انس کے بجائے وحشت اس کے دل میں بٹھا دیتا ہے۔ پھر چند عبرتناک شعر پڑھے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ کس طرح رہتے ہیں؟ نہ تو بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں اور نہ بھیڑیئے انہیں ستاتے ہیں۔ کہا، جاؤ یہ باتیں مت کرو، میں نے اپنے مولیٰ سے صلح کر لی ہے اس لئے اس نے بھیڑیئے اور بکریوں میں موافقت کر دی۔ (قصص الاولیاء ۲/۳)

اللہ جل مجدہٗ کی محبت کا اثر

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض احباب نے کہا کہ کوہ مقطم میں ایک لڑکی اللہ تعالیٰ کی بہت عبادت کرنے والی ہے۔ میرے دل میں بھی اس سے ملنے کا شوق ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے تلاش کیا، وہ نہ ملی مگر ایک عابد زاہد لوگوں کے گروہ میں سے ایک شخص ملا۔ ان سے حال پوچھا تو کہا، داناؤں سے بھاگتے ہو اور دیوانوں کی پوچھتے ہو۔ میں نے کہا، آپ بتا تو دیں کہ وہ مجنونہ کہاں ہے؟ کہا کہ وہ فلاں جنگل میں ہے۔ میں ان کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا۔ دور سے ایک غم ناک آواز سنائی دی۔ میں اس آواز کے پیچھے چلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھی ہے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر کہا، ذوالنون! تمہیں دیوانوں سے کیا کام؟ میں نے کہا، کیا تو دیوانی ہے؟ کہا، اگر دیوانی نہ ہوتی تو لوگ مجھے کیوں دیوانی کہتے۔

میں نے کہا، تجھے کس شے نے دیوانہ بنایا؟ کہا، ذوالنون! اس کی محبت نے مجھے دیوانہ وار، اس کے شوق نے حیران کر دیا اور اس کے دریافت کرنے نے قلق اور تڑپ میں ڈال دیا کیونکہ محبت تو قلب میں ہوتی ہے اور شوق فؤاد میں اور دریافت کرنا زیر میں۔ میں نے پوچھا، لڑکی! کیا فؤاد اور شے اور قلب اور کچھ ہے؟ کہا، ہاں۔ فؤاد قلب کے نور کو کہتے ہیں اور زیر فؤاد کے نور کو۔ سو قلب تو محبت کرتا ہے اور فؤاد مشتاق ہوتا ہے اور زیر پاتا ہے۔ میں نے پوچھا، زیر کس شے کو پاتا ہے؟ کہا، حق کو۔ میں نے پوچھا، حق کو کس طرح پاتا ہے؟ کہا، ذوالنون! حق کو پانا بلا کیف ہوتا ہے۔ میں نے کہا، بھلا تیرا حق کو پانے میں صادق ہونا کیا ہے؟ یہ سنتے ہی اس نے رونا شروع کر دیا اور اس قدر روئی کہ قریب تھا کہ اس کی جان تک نکل جائے۔ جب ہوش میں آئی تو بہت سے ہائے کے نعرے مارے۔ اس پر چند اشعار درد انگیز پڑھے، پھر ایک چیخ ماری اور کہا کہ دیکھ صادق اور سچے لوگ اس طرح جاتے ہیں۔ پھر اس پر غشی طاری ہوئی۔ میں نے پاس جا کر جو اسے ہلایا تو مردہ پایا۔ میں نے کوئی چیز ڈھونڈی کہ جس سے اس کے لئے قبر کھودوں، دیکھا تو وہ میری نظروں سے غائب ہوگئی۔

(قصص الاولیاء ۲/۷)

ایک لونڈی کی خدا تعالیٰ سے مناجات

عطاء فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں گیا۔ دیکھا تو وہاں ایک مجنونہ لونڈی فروخت ہو رہی تھی۔ میں نے اسے سات دینار دے کر خرید لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا، میں نے اسے دیکھا کہ اٹھی اور وضو کر کے نماز شروع کر دی۔ نماز میں اس کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں سے اس کا دم گھٹا جاتا تھا اور یہ مناجات کرتی تھی:

''اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم، مجھ پر رحم کیجئے۔''

اس کا یہ حال دیکھ کر مجھے اس کے جنون کی حالت معلوم ہوئی کہ اسے اس قسم کا جنون ہے۔ میں نے اس کی یہ مناجات سن کر کہا، لونڈی! تو اس طرح نہ کہہ بلکہ یوں کہہ، اے اللہ! تجھ کو میری محبت رکھنے کی قسم۔ یہ سن کر بولی، چل دور ہو۔ مجھے قسم ہے اس حق کی، اگر مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں کھڑا نہ رکھتا۔ پھر منہ کے بل گر پڑی اور یہ شعر

پڑھے:

الکرب مجتمع والقلب محترق
والصّبر مفترق والدمع مستبق
کیف القرار علی من لا قرار لہ
مما جناہ الھویٰ والشوق والفلق
یَا رَبّ ان کان شیء فیہ لی فرج
فامنن علی بہ ما دام بی رمق

''یعنی اضطراب جمع ہونے والا ہے اور دل جلنے والا ہے اور صبر الگ ہے اور آنسو آگے بڑھنے والے ہیں جس کو عشق اور شوق اور تڑپ کے حملوں سے بالکل چین نہیں اس کو بھلا کس طرح سکون اور قرار ہوا ہے۔ میرے ربّ اگر کوئی شے ایسی ہو کہ اس سے غم وحزن دفع ہو تو جب تک کچھ جان باقی ہے اس سے مجھ کو ممنون فرمایئے۔''

پھر نہایت بلند آواز سے پکار کر کہنے لگی کہ اے اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ رہا اور اب مخلوق کو بھی خبر ہو چلی ہے، اب مجھے آپ اپنے پاس بلا لیجئے۔ یہ کہہ کر زور سے ایک ایسی چیخ ماری کہ اس کے صدمہ سے جان دے دی اور کوچ کر گئی۔ رحم اللہ علیہا۔
(قصص الاولیاء ۲/۹)

ثواب کی لذت نے درد کی تکلیف دور کر دی

حضرت فتح موصلی کی بی بی لغزش کھا کر گر پڑیں اور ناخن ٹوٹ گیا، آپ ہنس پڑیں۔ کسی نے پوچھا، آپ کو درد نہیں معلوم ہوتا۔ جواب دیا کہ ثواب کی لذت نے میرے دل سے درد کی تلخی دور کر دی ہے۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۳)

حضرت حبیبہ عدویہ کے مجاہدات ومناجات بارگاہ الٰہی میں

حبیبہ عدویہ کے حال میں لکھتے ہیں کہ ان کا معمول تھا کہ جب نماز عشاء پڑھ چکتیں تو

وہ چھت پر چڑھ جاتیں۔ کرتہ اور دوپٹہ خوب کس کر کہتیں کہ الٰہی! ستارے چمک پڑے اور آنکھیں سوگئیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لئے، ہر ایک حبیب اپنے حبیب کے ساتھ تنہا ہوا۔ اب میں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ پھر نماز پڑھتی رہتیں۔ جب فجر ہو جاتی تو کہتیں کہ الٰہی! رات نے منہ موڑا اور دن روشن ہو گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھ سے یہ رات قبول فرمائی تو میں اپنے آپ کو مبارک دوں یا تو نے نامنظور کی تو تعزیت کروں۔ قسم ہے تیری عزت کی جب تک تو مجھے باقی رکھے گا، اپنا طریق یہی رکھوں گی اور اگر تو نے اپنے دروازے سے مجھے جھٹک دیا تو میں ہرگز نہ ٹلوں گی، اس لئے کہ میرے جی میں تیرے کرم اور جود سے بہت کچھ ہے۔ (نقص الاولیاء ۲/۱۳)

حضرت عجردہ کی شب بیداری

حضرت عجردہ نابینا تھیں، رات بھر جاگتیں۔ جب صبح ہوتی تو ایک دردناک آواز سے کہتیں کہ عابدوں نے تیرے ہی لئے تاریکی شب کو بسر کیا، تیری رحمت اور فضل ومغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ الٰہی! میں تیرے ہی ذریعہ سے تجھ سے سوال کرتی ہوں کسی اور کے ذریعہ سے نہیں مانگتی کہ تو مجھ کو سابقین اوّل کے زمرہ میں شامل کر دے اور مجھے علیین میں مقربوں کے درجہ تک پہنچا دے اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے۔ تو میرا کریم ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین اور سب بڑوں کا بڑا ہے۔ پھر سجدہ کے لئے ایسی جگہ گرتیں کہ اس کے دھماکے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر صبح تک دُعا مانگتیں اور روتی رہتیں۔ (نقص الاولیاء ۲/۱۵)

حضرت سعید بن المسیب کی صاحبزادی

حضرت سعید بن المسیب مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ جو مدینہ منورہ کے گورنر تھے، ان کے داماد ہیں۔ بڑے محدثین میں ان کا شمار ہے۔ ان کی خدمت میں ایک شخص عبداللہ بن ابی وداعہ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے۔ کئی روز کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید نے دریافت فرمایا، کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی وجہ سے مشاغل میں پھنسا رہا؟ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ کر

آنے لگا، فرمایا دوسرا نکاح کر لیا۔ میں نے عرض کیا، حضرت مجھ سے کون نکاح کرے گا۔ دو تین آنے (معمولی) کی میری حیثیت ہے۔ آپ نے فرمایا، ہم کر دیں گے اور یہ کہہ کر خطبہ پڑھایا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر پر مجھ سے کر دیا۔

نکاح کے بعد میں اٹھا، خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رخصتی کے انتظام کے لئے کس سے قرض مانگوں، کیا کروں؟ اسی فکر میں شام ہوگئی۔ میرا روزہ تھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا اور کھانے کے بعد کسی نے شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ باہر آ کر دیکھا کہ سعید بن المسیب ہیں۔ آپ نے فرمایا، مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے، تنہا رات کو سونا مناسب نہیں اس لئے تمہاری بیوی کو لایا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازے کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے تشریف لے گئے۔ وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی۔ میں نے مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے تو میں نے کہا کہ حضرت سعید نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اس وقت وہ اس کو خود ہی پہنچا گئے ہیں۔ سب کو بڑا تعجب ہوا۔

جب میں اس لڑکی سے ملا تو دیکھا نہایت خوبصورت، قرآن شریف کی حافظہ اور سنت رسولؐ سے بھی بہت زیادہ واقف، شوہر کے حقوق سے بھی بہت زیادہ باخبر۔

ایک مہینہ تک نہ تو حضرت سعید میرے پاس آئے، نہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ ایک ماہ کے بعد حاضر ہوا تو فرمایا، اس آدمی (بیوی) کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا، نہایت بہتر ہے۔ فرمایا، اگر کوئی بات ناگوار ہو تو لکڑی سے خبر لینا۔ میں واپس آ گیا تو ایک آدمی کو بھیجا جو بیس ہزار درہم مجھے دے گیا۔ اس لڑکی کو عبدالملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لئے جو ولی عہد بھی تھا، مانگا تھا مگر حضرت سعید نے عذر کر دیا تھا جس کی وجہ سے عبدالملک ناراض بھی ہوا تھا۔ (فضائل ذکر ۲۹۳)

حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی کی تلخ مزاج بیوی

حضرت ابوالحسن خرقانی شیر پر سواری کرتے تھے اور جنگل کی لکڑی کاٹ کر شیر پر رکھتے تھے اور اگر کبھی شیر شرارت کرتا تھا تو زندہ سانپ کا ایک کوڑا تھا، اس سے شیر کی پٹائی کرتے تھے۔ خراسان سے ایک شخص ان سے بیعت ہونے خرقان گیا لیکن ان کی بیوی بڑی تیز

مزاج تھیں، پوچھا کیسے آئے؟ کہا کہ حضرت سے مرید ہونے آیا ہوں۔ کہنے لگیں......لاحول ولاقوۃ الا باللہ......مجھ سے زیادہ اس پیر کا حال دنیا کیا جان سکتی ہے۔رات دن میں اس کے ساتھ ہوں، بالکل بنا ہوا مکار ہے، تم کہاں چکر میں آگئے۔ یہ سن کر وہ تو رونے لگا کہ میرا ہزار میل کا سفر بیکار ہو گیا۔محلہ والوں نے کہا کہ ان کی بیوی مزاج کی تیز ہے۔خبردار بدگمانی مت کر، جاؤ شیخ جنگل سے لکڑیاں لے کر آرہے ہوں گے۔

وہاں دیکھا کہ شیر پر بیٹھے ہوئے شاہ ابوالحسن خرقانی تشریف لا رہے ہیں۔شیخ کو کشف ہو گیا کہ یہ بیگم کی باتیں سن کر باغم آرہا ہے یعنی غمگین ہے۔شیخ ہنسے اور فرمایا کہ بھائی کچھ پریشان نظر آرہے ہو، کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت آپ کے گھر میں بڑی تلخ مزاج بیوی ہے، ایسی عورت سے آپ نے کیوں شادی کی ہے۔تو شیخ نے فرمایا کہ یہ جو مجھے شیر کی سواری ملی ہے اور زندہ سانپ کا کوڑا ملا ہے، یہ کرامت اسی خاتون کی تکلیفوں پر صبر کا انعام ہے۔

(علاج الغضب ۲۴)

یہ سونے کی جگہ نہیں

کردیہ بصرہ یا اہواز کی رہنے والی تھیں اور بی بی شعوانہ کی خاص شاگرد تھیں۔ عبادت وریاضت میں بہت انہماک تھا اور اپنے دور کی خدارسیدہ خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ بی بی کردیہ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت شعوانہ کی خدمت میں حاضر تھی۔اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں وہیں سوگئی۔حضرت شعوانہ نے مجھ کو جھنجھوڑ کر جگایا اور فرمایا:

''اے کردیہ! یہ سونے کی جگہ نہیں ہے سونے کی اصل جگہ تو گورستان ہے۔''

کردیہ کا بیان ہے کہ حضرت شعوانہ کی صحبت بابرکت سے میرا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو گیا اور دنیا پرست میری نگاہ میں حقیر ہو گئے۔مجھ کو روزی کی مطلق فکر نہ رہی۔ میرے دل میں مسلمانوں سے بڑی محبت پیدا ہو گئی اور میں کسی بھی مسلمان کو خواہ اس کی دُنیوی حیثیت کتنی ہی معمولی ہوتی، حقیر نہ سمجھتی تھی۔

(نفحات الانس بحوالہ تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۱۷)

فاطمہ نیشاپوری کی ریاضت وعبادت

فاطمہ خراسان (ایران) کے شہر نیشاپور کی رہنے والی تھیں۔ معرفت الٰہی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ حضرت بایزید بسطامی اور حضرت ذوالنون مصری جیسے بزرگوں نے ان کے فضائل وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔ بی بی فاطمہ طویل مدت تک بیت اللہ شریف میں مقیم رہیں۔ اس دوران میں خانہ کعبہ کی جو خدمت بن آتی تھی، کرتی تھیں۔ اس زمانے میں ان سے بڑے بڑے علماء اور اولیاء نے کسب فیض کیا۔ انہیں قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب بیان کرنے میں ایسا کمال حاصل تھا کہ جو سنتا تھا، عش عش کر اٹھتا تھا۔ عبادتِ الٰہی سے اس قدر شغف تھا کہ فرض نمازوں کے علاوہ ساری ساری رات نوافل پڑھنے میں گزار دیتی تھیں۔ لباس بہت معمولی ہوتا تھا، اسی طرح کھانا بھی بالکل سادہ ہوا تھا، وہ بھی شاید ہی کبھی پیٹ بھر کر کھایا ہو۔ عقیدت مند بہترین ملبوسات اور کھانے پیش کرتے مگر وہ سب غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ وہ لوگوں کو تلقین کیا کرتی تھیں کہ تمہارے ہر نیک عمل میں خلوص کارفرما ہونا چاہئے، تمہارا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رَجا کے لئے ہو اور ایسا کرتے وقت تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں ایک باکمال دیکھی ہے اور وہ فاطمہ نیشاپوری ہے۔ جس مقام اور مسئلہ کے بارے میں ان سے گفتگو کی، ان کو اس سے آگاہ پایا۔ بی بی فاطمہ کو اگر کبھی سفر کا اتفاق پیش آتا تو وہ بالعموم بیت المقدس کا سفر ہوتا۔ وہ بیت المقدس جا کر وہاں سے واپس مکہ معظمہ آجاتیں اور کسی جگہ ان کا دل نہ لگتا تھا۔ اس عارفہ نے ۲۲۳ ہجری میں وفات پائی۔

(نفحات الانس بحوالہ تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۱۸)

اُمّ طلق کا ذوقِ عبادت

اُمّ طلق دوسری صدی ہجری میں نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون گزری ہیں۔ نماز کے معاملے میں ان کا ذوقِ عبادت انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ محمد بن سنان باہلی شعبہ بن

عثمان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اُمّ طلق دن رات میں چار سو نوافل پڑھتی تھیں اور دور بھر تلاوت قرآن پاک بھی کرتی تھیں۔

تبع تابعین کی مقدس جماعت کے مشہور بزرگ حضرت سفیان بن عینیہ (متوفی ۱۹۸ھ) اُمّ طلق کے ہم عصر تھے اور گاہے گاہے کسب فیض کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ایک دن اُمّ طلق نے ان سے فرمایا، اے سفیان! تم قرآن مجید کی تلاوت کس خوش الحانی سے کرتے ہولیکن ڈرتے رہو کہ کہیں یہی چیز قیامت کے دن تمہارے لئے وبال نہ ہوجائے۔حضرت سفیان یہ سن کر رونے لگے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔

عاصم حجدری کا بیان ہے کہ اُمّ طلق فرمایا کرتی تھیں کہ انسانی دل بادشاہ ہے اگر تم اس کو قابو میں رکھو اور یہی غلام ہے اگر تم اس کی پیروی کرو۔

ابن رومی کہتے ہیں کہ میں اُمّ طلق کے گھر گیا۔ان کے گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ میں نے کہا، اُمّ طلق! تمہارے گھر کی چھت کس قدر نیچی ہے۔فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو لکھا تھا کہ اپنی عمارتیں اونچی نہ بناؤ، جب تم اپنی عمارتیں اونچی بنانے لگو گے تو وہ تمہارا بدترین زمانہ ہوگا۔ (صفۃ الصفوۃ ۴/۳۴، طبقات ابن سعد)

صائم الدھر قائم اللیل خاتون

حضرت نفیسہ بنت حسن کا شمار دوسری صدی ہجری کی سرآمدِ روزگار عالمات و عارفات میں ہوتا ہے۔وہ حضرت حسن بن زید بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحٰق بن جعفر صادق بن محمد بن باقر بن علی زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علیؓ کی اہلیہ تھیں۔۱۴۵ھ بروایتِ دیگر ۱۳۴ھ میں پیدا ہوئیں۔اہل بیت کے تقویٰ شعار گھرانے میں پلی بڑھیں اور جملہ محاسن اخلاق کا پیکر جمیل بن گئیں۔سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا، پھر تفسیر حدیث اور دوسرے علوم دینی میں کمال حاصل کیا، اس کے بعد اپنا بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگے۔

سن بلوغت کو پہنچیں تو ان کی شادی اپنے ابن عم اسحٰق بن جعفر صادق سے ہوگئی۔ وہ بھی نہایت عابد وزاہد نوجوان تھے۔انہوں نے مدت تک مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں قیام

کیا۔اس دوران میں بے شمار تشنگان علم نے ان کی جوئے علم سے اپنی پیاس بجھائی اور وہ ''نفیسۃ العلم والمعرفت'' کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔چند سال کے بعد وہ اپنے شوہر نامدار کے ساتھ مدینہ منورہ سے مصر چلی گئیں اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔مصر جا کر ان کی عبادت وریاضت میں اوراضافہ ہوگیا۔کہا جاتا ہے کہ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔خشیت الٰہی سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتی تھیں۔زبان اکثر توبہ استغفار میں مشغول رہتی تھی،نمازِ تہجد کا خاص التزام تھا۔زندگی میں تیس مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔حج کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتیں تو تلبیہ کے وقت زاروقطار روتی جاتیں،پھر غلافِ کعبہ کے ساتھ لپٹ کر خوب روتیں اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ یہ دُعا مانگتیں:

''الٰہی! تو ہی میرا آقا و مولیٰ ہے۔میں ناچیز بندی تیری رَضا چاہتی ہوں۔تو مجھے ایسا کردے کہ میں تیری رَضا پر راضی رہوں۔''

حضرت امام شافعی سیّدہ نفیسہ کے ہمعصر تھے،وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو کرتے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام موصوف نے علم حدیث میں سیّدہ نفیسہ سے استفاضہ کیا۔دونوں ایک دوسرے کے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔امام شافعی نے ۲۰۴ھ میں اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ میرا جنازہ سیّدہ نفیسہ کے گھر کے سامنے سے گزارا جائے۔چنانچہ جب ان کا جنازہ سیّدہ کے گھر کے سامنے پہنچا تو انہوں نے گھر کے اندر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

حضرت نفیسہ سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ان کے علم وفضل، زُہد واتقا اور کرامات کی وجہ سے اہل مصر ان کے بہت معتقد تھے اور آج تک ان کی عقیدت کا یہی عالم ہے۔۲۰۸ھ میں حضرت نفیسہ نے وفات پائی تو ان کے شوہر نے ارادہ کیا کہ سیّدہ کی میت مدینہ لے جا کر دفن کریں لیکن اہل مصر رو رو کر ہلکان ہوگئے۔بار بار حضرت اسحٰق سے التجائیں کرتے تھے کہ سیّدہ کی میت کو مصر سے نہ لے جائیں۔آخر انہوں نے ان کی درخواست قبول کرلی اور سیّدہ نفیسہ کی آخری آرامگاہ قاہر کے قریب بنائی گئی۔ان کا مزار ''مشہد نفیسہ'' کے نام سے مشہور ہے۔اس پر سیّدہ نفیسہ کے عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت نفیسہؒ کی وفات کا واقعہ بھی بڑا ایمان افروز ہے۔کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان

مبارک کے مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ اچانک ضعف غالب ہوا اور نبض ڈوبنے لگی۔ سب نے اصرار کیا کہ روزہ توڑ ڈالیں لیکن انہوں نے فرمایا، تیس سال سے میری یہ آرزو تھی کہ میں روزے کی حالت میں اپنے خالق کے حضور جاؤں۔ اب یہ آرزو پوری ہونے کو ہے تو روزہ کیوں توڑوں۔ یہ فرما کر قرآن کریم کی آیات پڑھتے پڑھتے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ (تاریخ ابن خلکان، بحوالہ تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۲۱۱)

چالیس سال تک زبان کی حفاظت کرنے والی خاتون

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا۔ اثنائے سفر میں مجھے ایک بوڑھی خاتون ایک مقام پر بیٹھی ہوئی ملی، اس نے اون کا کرتا پہن رکھا تھا اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خاتون نے جواب میں کہا:

﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (یٰسین ۵۸)

میں نے پوچھا، اللہ تم پر رحم کرے، یہاں کیا کر رہی ہو؟

خاتون:

﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ (الاعراف ۱۸۶)

''جسے اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں۔''

میں نے خیال کیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے یا اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ چنانچہ اس سے پوچھا، تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟

خاتون:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (بنی اسرائیل ۱۰)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام (بیت اللہ، مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گئی۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو چکی ہے اور اب بیت المقدس (یروشلم)

جانا چاہتی ہے۔ اب میں نے پوچھا، کب سے یہاں بیٹھی ہو؟

خاتون:

﴿ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ (مریم ۱۰)

''پوری تین راتیں۔''

میں نے کہا، تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی، یہ وقت تم نے کیونکر گزارا؟

خاتون:

﴿هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ﴾ (الشعرآء ۷۹)

''وہی (اللہ) مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی اللہ میرے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے)۔''

میں نے پوچھا، وضو کیسے کرتی ہو؟

خاتون:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (المآئدہ ۶)

''نہ پاؤ پانی تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔''

مطلب یہ کہ پانی نہیں ملتا تو تیمم کر لیتی ہوں۔ میں نے پوچھا، میرے پاس کھانا ہے، کھاؤ گی۔

خاتون:

﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ ۱۸۷)

''روزوں کو رات تک پورا کرو۔''

مطلب یہ کہ میں روزے سے ہوں۔ میں نے کہا، یہ رمضان المبارک کا مہینہ تو نہیں ہے۔

خاتون:

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ ۱۵۸)

''جو بطور نفل کے نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔''

مطلب یہ کہ میرا نفلی روزہ ہے۔ میں نے کہا، سفر کی حالت میں تو فرض (رمضان کا) روزہ نہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔

خاتون:

﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ ۱۸۴)

''اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو ثواب کا علم ہو۔''

میں نے کہا، جس طرح میں تم سے باتیں کر رہا ہوں، تم اس طرح کیوں مجھ سے باتیں نہیں کرتیں؟

خاتون:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (قٓ ۱۸)

''انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس پر ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے۔''

مطلب یہ کہ انسان کو اپنی ہر بات کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔ میں نے پوچھا، تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟

خاتون:

﴿لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل ۳۶)

''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو۔ بلاشبہ کان آنکھوں اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔''

مطلب یہ کہ ایسی باتوں سے کان اور دل کو آلودہ نہ کرو جن کا جواب دینا پڑے۔

میں نے کہا، معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی۔

خاتون:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (یوسف ۹۲)

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔''

میں نے کہا، اگر تم چاہو تو میں تم کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر لے چلوں اور جہاں چاہو وہاں

پہنچادوں۔

خاتون:

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ (البقرہ ۱۹۷)

''اور نیکی کا کام جو تم کرو گے، اللہ اس کو جانتا ہے۔''

میں یہ سن کر اونٹنی اس کے قریب لے گیا، اسے بٹھایا اور خاتون سے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ مگر وہ سوار ہونے سے پہلے بولی:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (النور ۳۰)

''مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

مطلب یہ کہ تم اپنی آنکھیں بند کرلو یا منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں بلا جھجک سوار ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور اس سے کہا، لو اب سوار ہو جاؤ۔ جب وہ خاتون سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی اوڑھنی کجاوے سے الجھ کر پھٹ گئی۔ میں نے اس پر اظہارِ افسوس کیا تو وہ بولی:

﴿مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

''تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔'' (الشوریٰ ۳۰)

یعنی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ میں نے کہا، ذرا ٹھہرو، میں اونٹنی کے پاؤں باندھ دوں تا کہ تم اطمینان سے سوار ہو سکو۔

خاتون:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ﴾ (الانبیاء ۷۹)

''پس ہم نے سمجھا دیا سلیمانؑ کو۔''

یعنی اونٹنی کے پاؤں ضرور باندھو یہ اسی طرح سمجھے گی۔ میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اور اس سے کہا، اب سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئی اور یہ آیت پڑھی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۔ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (الزخرف ۱۳،۱۴)

''پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع کیا اور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور بے شک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور اس کو ہنکاتے ہوئے چل پڑا۔ میری رفتار بھی تیز تھی اور جوش میں میری آواز بھی بہت بلند ہوگئی۔ اس پر وہ خاتون بولی:

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ (لقمان ۱۹)

''اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔''

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ساتھ ہی حدی خوانی کرنے لگا۔ اس پر خاتون نے کہا:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل ۲۰)

''پڑھو جتنی توفیق ہو قرآن سے۔''

مطلب یہ کہ اس حدی خوانی سے بہتر ہے کہ قرآن پاک سے کوئی رکوع پڑھو۔ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سی خوبیاں دی ہیں سب لوگ تم جیسے کس طرح بن جائیں؟ اس پر وہ بولی:

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران ۷)

''صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

پھر میں نے چلتے چلتے اس سے پوچھا، کیا تمہارا شوہر بھی ہے؟ اس نے کہا:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار معلوم ہوں۔'' (المائدہ ۱۰۱)

اب میں خاموش ہو گیا اور چلتے چلتے قافلے کے قریب جا پہنچا۔ میں نے خاتون سے پوچھا، کیا قافلے میں آپ کا کوئی قرابت دار ہے؟ اس نے کہا:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الکہف ۴۶)

''مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔''

میں نے سمجھ لیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا، کوئی نشانی ہو تو بتاؤ تا کہ میں ان کو تلاش کروں۔ وہ بولی:

﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل ۱۶)

''یعنی علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں۔''

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں۔ چنانچہ میں اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے قافلے میں چکر لگانے لگا اور اس سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ لے۔ وہ بولی:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء ۱۲۵) وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء ۱۶۴) يَا يَحْيٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (مریم ۱۲)﴾

''اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست اور بات کی موسیٰؑ سے اچھی طرح، اے یحییٰ پکڑ لو کتاب کو مضبوطی سے۔''

مطلب یہ کہ تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کے نام لے کر آواز دو۔ یہ سن کر میں نے زور سے آواز دی، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ! فوراً تین خوبصورت نوجوان ایک خیمے سے نکلے اور بڑی عزت واحترام کے ساتھ اپنی والدہ کو اونٹنی سے اتارا۔ جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو خاتون نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر یہ آیت پڑھی:

﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ (الکھف ۱۹)

''اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے لئے کچھ کھانا لے آئے۔''

یہ سنتے ہی ان میں سے ایک نوجوان دوڑا گیا اور قریبی شہر سے کچھ کھانا خرید لایا۔ وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو خاتون نے کہا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾

(الحاقۃ ۲۴)

''یعنی خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیؤ بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں۔''

مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نوجوانوں سے کہا، جب تک تم مجھے اس خاتون کی حقیقت نہ بتلاؤ گے، میں اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ نوجوانوں نے کہا، یہ ہماری والدہ ہے اور ان کی پچھلے چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے کوئی لفظ آیاتِ کلام پاک کے سوا زبان سے نہیں نکالا۔ یہ پابندی انہوں نے اپنے اوپر اس لئے لگائی ہے کہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس کی قیامت کے دن باز پرس ہو۔ میں نے کہا:

﴿ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمُ﴾ (الجمعہ ۴)

یہ خاتون کون تھیں؟ ان کا نام کیا تھا اور کس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کسی نے ان کی کنیت اُمّ یحییٰ بیان کی ہے اور کسی نے ان کا نام رابعہ بصری لکھا ہے لیکن یہ سب قیاسی باتیں ہیں۔ ان کا اصل نام اور حسب ونسب اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۲۴ تا ۱۳۲)

کاش! خوفِ خدا سے روتے روتے اندھی ہو جاؤں

شعوانہ دوسری صدی ہجری میں نہایت پاکباز اور خدارسیدہ خاتون گزری ہیں۔ ایران کی رہنے والی تھیں، ان کا مستقل قیام شہر ابلہ میں تھا، نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی نعمت بدرجہ وافر عطا کی تھی۔ قرآن حکیم کی تلاوت ایسی پرسوز آواز میں کرتی تھیں کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کے مواعظ وخطبات بھی نہایت مؤثر ہوتے تھے اور ان کی مجالس وعظ میں بڑے بڑے زہاد اور عباد حاضر ہوا کرتے تھے۔ نہایت رقیق القلب تھیں اور یادِ خدا میں اکثر رویا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا، آپ اس قدر نہ رویا کریں مبادا آنکھوں کو نقصان پہنچ جائے۔ فرمایا:

''دنیا میں رو رو کر اندھا ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ دوزخ کا عذاب اندھا کر دے۔''

پھر فرمایا:

''جو آنکھ اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہے اور پھر اس کے دیدار کی مشتاق بھی ہے بغیر گریہ وزاری کے اچھی معلوم نہیں ہوتی۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگ انہیں رونے سے منع کرتے تو کہتیں:

''کاش خوف خدا سے روتے روتے میں اندھی ہو جاؤں۔ اتنا روؤں کہ آنسو خشک ہو جائیں پھر خون کے آنسو روؤں یہاں تک کہ میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہ رہے۔''

ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دُعا کے لئے درخواست کی۔ اس وقت حضرت شعوانہ بہت ضعیف العمر ہو چکی تھیں۔ انہوں نے حضرت فضیل سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیوں بھائی تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ہے کہ اگر میں دُعا کروں تو قبول ہو جائے۔ کوئی ایسی بات ہو تو بتا دو جو قبولیت کا سبب بن جائے۔ یہ سن کر حضرت فضیل خوفِ خدا سے کانپنے لگے اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو ئے۔ حضرت شعوانہ کے یہ تین اقوال بہت مشہور ہے:

☆ خدا کی محبت کا پیاسا کبھی سیراب نہیں ہو سکتا۔

☆ جو آنکھ اپنے محبوب و مطلوب کے دیدار سے محروم ہو اس کا روتے رہنا ہی بہتر ہے۔

☆ جو خود نہ رو سکتا ہو اس کو رونے والوں پر رحم کھانا چاہئے، وہ اپنی بدنصیبی اور گناہوں پر روتے ہیں۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۳۳)

حضرت آمنہ رملیہ

حضرت آمنہ رملیہ کا شمار دوسری/تیسری صدی ہجری کی جلیل القدر عالمات و عارفات میں ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۶۳ھ میں بغداد کے ایک نواحی شہر رملہ میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے بہت ذہین اور علم حاصل کرنے کی شائق تھیں لیکن والدین بہت غریب تھے، وہ ان کی تعلیم کا کوئی خاص اہتمام نہ کر سکے البتہ گھر پر جو معمولی تعلیم دے سکتے تھے، دے دی۔ جب ذرا بڑی ہوئیں تو اپنی والدہ کے ساتھ حج کے لئے مکہ معظّمہ گئیں۔ اس زمانے میں ایک بزرگ عالم

دین مسجد حرام میں درس دیا کرتے تھے۔ حضرت آمنہ ان کے حلقہ درس میں شامل ہو گئیں اور ایک عرصہ تک ان سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرتی رہیں۔ جب وہ وفات پا گئے تو حضرت آمنہ مدینہ منورہ چلی گئیں جہاں امام مالک نے مسند درس بچھا رکھی تھی۔ حضرت آمنہ مدت تک ان سے علم حدیث حاصل کرتی رہیں اور بہت سی احادیث زبانی یاد کرلیں۔ حافظ ابن عبدالبر کے اندازے کے مطابق ان سے مروی احادیث کی تعداد سو (۱۰۰) کے لگ بھگ ہے۔

اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ معظمہ گئیں اور امام شافعی سے علم فقہ کی تحصیل کی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چھتیس سال کی ہو چکی تھی۔ امام شافعی مصر تشریف لے گئے تو وہ کوفہ پہنچ گئیں جہاں بہت سے علماء وفضلاء موجود تھے۔ حضرت آمنہ نے بڑے ذوق وشوق سے ان سے بھی کسب فیض کیا اور تمام علوم دینی میں یکتائے روزگار ہو گئیں۔ جب کوفہ سے وطن واپس پہنچیں تو ان کے علم وفضل کا چرچا دور دور تک پھیل چکا تھا۔ انہوں نے مخلوق خدا کو فیض پہنچانے کی خاطر اپنا حلقہ درس قائم کیا تو لوگ تحصیل علم کے لئے جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بڑے بڑے علماء بھی سماعتِ حدیث کے لئے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

۲۰۹ھ میں انہیں بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک درویش کامل کی توجہ سے ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔ اپنا تمام مال واسباب راہِ خدا میں دے دیا اور درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔ اب ہر وقت عبادتِ الٰہی اور گریہ وزاری میں مشغول رہتی تھیں۔ اسی حالت میں سات حج پیادہ پا کئے۔ ان کے زُہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کی بناء پر لوگ ان کو خاصان خدا میں شمار کرتے تھے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ ان کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس دور کے ایک عظیم المرتبت ولی اللہ حضرت بشر حافی (المتوفی ۲۲۷ھ) کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعۃ کے چوتھے امام حضرت امام احمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱) بھی ان کی عظمت وجلالت کے معترف تھے۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۶۰)

قیامت کے دن سب کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا

ایک دفعہ حضرت بشر حافی بیمار ہوئے تو حضرت آمنہ ان کی عیادت کے لئے

تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے امام احمد حنبل بھی وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے حضرت بشر سے پوچھا، یہ کون خاتون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، یہ آمنہ رملیہ ہیں، میری عیادت کو آئی ہیں۔ امام صاحب نے ان کی شہرت سن رکھی تھی۔ اب انہیں قریب پا کر بہت خوش ہوئے اور حضرت بشر سے فرمایا، ان سے کہئے کہ میرے لئے دُعا کریں۔ حضرت بشر حافی نے حضرت آمنہ سے عرض کیا، یہ احمد بن حنبل ہیں، آپ سے دُعا کے خواستگار ہیں۔ حضرت آمنہ نے ہاتھ اٹھا کر نہایت خشوع وخضوع سے دُعا مانگی:

''اے اللہ! احمد بن حنبل اور بشر دونوں جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں، تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے، ان کو اس آگ سے محفوظ رکھ۔''

ایک دفعہ کسی رئیس نے دس ہزار اشرفی ان کی نذر کرنا چاہیں۔ انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو رکھ لیں لیکن ان کو ہاتھ نہ لگایا اور شہر میں منادی کرا دی کہ جس کو روپیہ کی ضرورت ہو، وہ آ کر مجھ سے لے جائے۔ چنانچہ حاجت مند لوگ آتے تھے اور بقدر ضرورت ان سے رقم لے جاتے تھے۔ شام ہوتے ہوتے انہوں نے تمام اشرفیاں تقسیم کر دیں حالانکہ اس دن ان کے گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت بشر حافی فرماتے ہیں کہ آمنہ کا معمول تھا کہ نصف شب کو بیدار ہو جاتیں اور صبح تک نہایت خشوع وخضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتیں۔ ایک دفعہ میں نے انہیں یہ دُعا مانگتے سنا:

''اے خالق ارض وسماء! تیری نعمتیں بے حد و بے حساب ہیں لیکن کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو ان کی قدر نہیں کرتے، تو ارحم الراحمین ہے مگر دنیا تجھ کو بھولی ہوئی ہے۔ اے میرے پیارے آقا میری عزت تیرے ہی ہاتھ میں ہے، قیامت کے دن سب کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا اگر ایسا کیا تو لوگ یہی کہیں گے کہ اللہ نے اپنی بندی کو رسوا کیا جو اس سے محبت کرتی تھی۔ اے میرے پیارے آقا! تجھ کو یہ بات یقیناً گوارا نہ ہو گی، اگر تو نے اس کو گوارا کیا تو میں ہرگز ہرگز اسے گوارا نہ کروں گی کہ لوگ تجھے الزام دیں۔''

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت بشر سے فرمایا:

''اے بشر! میں تو سوتی ہوں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے۔''

ان کا دستور تھا کہ کسی کے ہاں کا کھانا نہ کھاتیں کہ مبادا اس میں مال حرام یا کسی مشکوک چیز کا کوئی جزو شامل ہو البتہ کسی کے بارے میں یقین ہوتا کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہے تو اس کے ہاں کا کھانا کھالیتیں۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۶۱)

حضرت جوہر براثیہ کی عبادت اور دنیا سے بے رغبتی

تیسری صدی کی بڑی نامور عارفہ گزری ہیں۔ ۲۳۷ھ میں بغداد میں پیدا ہوئیں۔ زندگی کے ابتدائی دور میں کسی عباسی خلیفہ کی کنیز تھیں۔ ایک دن کسی درسگاہ کے قریب سے گزر ہوا، وہاں ایک بزرگ بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ بڑے دلنشین انداز میں بہت سے طلباء کو درس حدیث دے رہے تھے۔ حضرت جوہر کے قدم وہیں زمین پر گڑ گئے، دیر تک سماع حدیث کرتی رہیں۔ آگے بڑھیں تو جامع مسجد آ گئی، وہاں بھی ایک نورانی صورت کے محدث طلباء کو حدیث کا درس دے رہے تھے اور کئی طلبہ حدیثیں لکھ رہے تھے۔ حضرت جوہر ان ایمان افروز مناظر سے بہت متاثر ہوئیں اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ واپس محل میں پہنچیں تو سکوت اختیار کرلیا۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارنے لگیں، بلاضرورت ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتی تھیں۔ دوسری کنیزیں ان کو بہت چھیڑتی تھیں مگر وہ خاموش رہتی تھیں۔ آخر ایک دن انہوں نے بہت اصرار کے ساتھ ان سے سکوت کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کنیز ہوں اور اسی کے احکام کی اطاعت کرنا میرا فرض ہے۔ انہوں نے کہا، خلیفہ کو کیا جواب دوگی؟ فرمایا، یہی جو تم کو دیا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کی عبادت گزاری اور سکوت کی خبر خلیفہ تک پہنچ گئی، اس نے انہیں فوراً آزاد کردیا۔

اب انہوں نے حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے آپ کو خدمت حدیث اور عبادت الٰہی کے لئے وقف کردیا۔ سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں حضرت ابوعبداللہ براثی سے نکاح کرلیا۔ وہ اس زمانے کے ایک بڑے محدث، فقیہ اور متقی بزرگ تھے۔

حضرت جوہر براثیہ دولتِ دنیا سے بالکل بے نیاز تھیں۔ ایک دفعہ خلیفہ نے انہیں

دس ہزار دینار کی تھیلی بھیجی۔ انہوں نے یہ کہہ کر انہیں لینے سے انکار کر دیا کہ دنیا کا مال طبیعت میں تکبر اور رعونت پیدا کرتا ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے اب انہیں بیس ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ انہیں رکھ لیں اور غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیں۔ مگر جوہر نے یہ بھی قبول نہ کئے اور لانے والے قاصد سے کہا کہ امیر المومنین سے کہنا، میں ایک گوشہ نشین عورت ہوں، مجھے معلوم نہیں کہ ان دیناروں کا مستحق کون ہے اور غیر مستحق کون۔ اگر میں نے کسی غیر مستحق کو دے دیئے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گی۔ بہتر یہی ہے کہ امیر المومنین انہیں خود مستحقین میں تقسیم کریں۔

ایک مرتبہ خلیفہ نے پیغام بھیجا کہ قصر خلافت میں قدم رنجہ فرمائیں تاکہ ہمیں آپ کی خدمت کا موقع ملے اور حصول برکت بھی ہو۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قصر خلافت اور فقیر کی جھونپڑی میں بڑا فرق ہے۔ میں اپنی جھونپڑی سے نکل کر قصر میں جاؤں تو آپ کے عیش و راحت میں خلل پڑے گا، مجھے یہاں ہی پڑا رہنے دیں۔

ایک دفعہ والی بغداد کی اہلیہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہیں اپنے گھر لے جانا چاہا مگر وہ اس کے ساتھ جانے پر رضامند نہ ہوئیں اور فرمایا، میں ایک سیدھی سادی عورت ہوں اور اس جھونپڑی میں اپنے جیسے لوگوں کے درمیان رہنا ہی مجھے پسند ہے۔ جو اطمینان قلب مجھے یہاں میسر ہے، کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ حضرت جوہر براثیہ نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۷۲)

میں نے سمجھا قیامت آ گئی

صاحب ''طبقاتِ شعرانی'' کا بیان ہے کہ اُمّ ہارون نہایت عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور ہمیشہ سوکھی روٹی پر گزارہ کرتی تھیں۔ رات کی تاریکی میں اپنے خالق و مالک کی عبادت کرنے میں انہیں خاص لطف حاصل ہوتا۔ جب سپیدۂ سحری نمودار ہوتا تو فرماتیں، ہائے دوری ہو گئی۔ مطلب یہ کہ رات کی تنہائی میں اپنے خالق کی عبادت کرنے میں جو لطف حاصل ہوتا ہے، وہ دن کے وقت نہیں ہوتا۔

ان کی خود رفتگی کا یہ عالم تھا کہ بیس برس تک سر میں نہ تیل ڈالا اور نہ کنگھی کی لیکن ان

کے بال اس قدر صاف اور چمکیلے تھے کہ دوسری خواتین ان پر رشک کرتی تھیں۔ انہیں قیامت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا۔ ایک دفعہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلی جا رہی تھیں کہ کسی کی آواز کانوں میں پڑی...... اس کو پکڑلو...... یہ سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ لوگوں نے اٹھایا اور ہوش میں لائے تو فرمایا، میں نے سمجھا قیامت آگئی اور میرے لئے حکم ہوا کہ اس عورت کو پکڑلو، اسی لئے میں بے ہوش ہوگئی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن اُمّ ہارون جنگل میں بیٹھی تھیں کہ ایک شیر وہاں آ نکلا۔ انہوں نے شیر سے مخاطب ہو کر کہا، اے شیر! اگر میرے گوشت سے اللہ تعالیٰ نے تیری روزی مقرر کی ہے تو آ اور مجھے کھا جا۔ یہ سنتے ہی شیر نے منہ موڑ لیا اور چلا گیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اکثر جنگل کی طرف نکل جایا کرتی تھیں اور اس قسم کا واقعہ انہیں بارہا پیش آیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شیر یا دوسرے درندے نے ان کو نقصان پہنچایا ہو۔ سب ان کو دیکھ کر اپنا رخ دوسری طرف کر لیتے تھے۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۷۹)

۴۷ برس سے ایک لباس

بی بی میمونہ چوتھی صدی ہجری کی یگانہ روزگار عالمات و عارفات میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کے مواعظ کی اثر انگیزی سے سخت سے سخت دل موم ہو جاتے تھے۔ انہوں نے اوائل عمر ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور نہ صرف علوم ظاہری میں درجہ تبحر رکھتی تھیں بلکہ رموز معرفت سے بھی باخبر تھیں۔ ایک دن اثنائے وعظ میں انہوں نے بیان کیا کہ جو لباس حلال کا ہو اور اس کا پہننے والا گناہوں سے اجتناب کرے، وہ جلدی نہیں پھٹتا (بہت دیر پا ہوتا ہے) پھر فرمایا، یہ پیرہن جو میرے جسم پر ہے وہ میری والدہ کا بنا ہوا ہے، اسے میں ۴۷ برس سے پہن رہی ہوں، ابھی تک یہ بالکل صحیح و سالم ہے۔ بی بی میمونہ کی بہت سی کرامات لوگوں میں مشہور تھیں۔ ان کی سب سے بڑی کرامت ان کا فضل و کمال اور حسن خطابت تھی۔ ان کے مواعظ کی تاثیر سے ہزاروں گم گشتگان راہ کو ہدایت نصیب ہوئی۔ بی بی میمونہ نے ۳۹۵ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۸۶)

بچوں کی موت پر صبر

شاہِ فارس وعراق ابوالفوارس زید (التوفی ۳۷۲ھ) کی صاحبزادی تھیں۔ صاحب طبقات شعرانی نے ان کو طبقہ اولیاء میں شمار کیا ہے۔ بے حد عبادت گزار تھیں اور ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتی تھیں۔ شیوۂ تسلیم ورضا ان کی زندگی کا نہایت روشن پہلو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی نعمت سے بارہا نوازا لیکن ان کے صبر کا امتحان یوں لیا کہ کسی بچے کو طویل زندگی عطا نہ کی۔ ان کے سب بچے چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو جاتے تھے۔ جب کوئی بچہ فوت ہوتا تو وہ اس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ جاتیں اور کہتیں:

''خدا کی قسم! تیرا آگے جانا میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ تو میرے پیچھے جاتا اور میرا صبر بہت ہے اس سے کہ میں تجھ پر نوحہ کروں۔ اگر تیری جدائی حسرتناک ہے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے۔''

پھر جوش میں آ کر عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر پڑھتیں:

وانا القوم لا نفیض وهو غنا
علی هالك مناوان قصر الظهر

''ہم ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مردوں پر نہیں روتے اگر چہ صدمہ سے کمر ٹوٹ جاتی ہے۔''

اس کے بعد نہایت صبر سے بچے کی تجہیز وتکفین کرتیں پھر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتیں۔ سال وفات معلوم نہیں ہے۔ (طبقات شعرانی بحوالہ تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۲۰۰)

سیّدہ فاطمہ اُمّ الخیر کی نصیحت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ابھی کم سن ہی تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے بڑے صبر اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے چار پانچ سالہ فرزند کی تعلیم وتربیت اور نگرانی پر خاص توجہ دی۔ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ سیّدنا شیخ عبدالقادر ایک مثالی جوان صالح بنے۔

ابتدائی تعلیم انہوں نے مقامی مکتب میں حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لئے بغداد جانے کا ارادہ کیا، اس مقصد کے لئے والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے باچشم پرنم اپنے لخت جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا، میرے نور بصر تیری جدائی تو ایک لمحہ کے لئے بھی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی لیکن جس مبارک مقصد کے لئے تم بغداد جانا چاہتے ہو، میں اس کے راستے میں حائل نہ ہوں گی۔ حصول علم ایک مقدس فریضہ ہے، میری دُعا ہے کہ تم تمام علوم میں درجہ کمال حاصل کرو۔ میں تو شاید اب جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں گی مگر میری دُعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گی۔

پھر فرمایا، تمہارے والد مرحوم کے ترکہ میں سے اسی دینار میرے پاس ہیں، چالیس دینار تمہارے بھائی کے لئے رکھتی ہوں اور چالیس زادِ راہ کے لئے تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ پھر سیّدہ فاطمہ نے یہ چالیس دینار سیّد عبدالقادر کی بغل کے نیچے ان کی گدڑی میں سی دیئے۔ جب وہ گھر سے رخصت ہونے لگے تو ان سے فرمایا:

''میرے پیارے بچے! میری آخری نصیحت سن لو، اسے کبھی نہ بھولنا۔ وہ یہ ہے کہ ہمیشہ سچ بولنا اور خواہ کچھ بھی ہو جائے جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا۔''

سعادت مند فرزند نے بادیدۂ گریاں عرض کیا:

''اماں جان! میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔''

سیّدہ فاطمہ نے اپنے نور العین کو گلے لگالیا اور پھر ایک آہِ سرد کھینچ کر فرمایا:

''جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے۔''

والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر شیخ عبدالقادر بغداد جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہو لئے۔ اس زمانے میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے اور اپنی حفاظت کا مقدور بھر اہتمام کرتے تھے، پھر بھی رہزنوں کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ شیخ عبدالقادر کا قافلہ جب ہمدان سے آگے ترتنک کے سنسنان کوہستانی علاقے میں پہنچا تو ساٹھ قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اہل قافلہ کا

سب مال واسباب لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادر ایک طرف کھڑے تھے کہ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا، اے لڑکے! تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟

انہوں نے بلاخوف ہراس اطمینان سے جواب دیا، ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ڈاکو کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان پر ایک نگاہِ استہزاء ڈالتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا، انہوں نے اس کو بھی وہی جواب دیا۔ یہ ڈاکو بھی ان کی بات کو ہنسی میں اڑا کر چلا گیا۔ شدہ شدہ یہ بات ڈاکوؤں کے سردار احمد بدوی تک پہنچی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ ڈاکوؤں نے سیّد صاحب کو پکڑ کر احمد بدوی کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان سے پوچھا لڑکے! سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟ انہوں نے بے دھڑک جواب دیا، میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ سردار نے کہا، کہاں ہیں نکال کر دکھاؤ۔ حضرت نے فرمایا، میری بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ سردار نے گدڑی کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سردار نے استعجاب کے عالم میں کہا لڑکے! تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں لیکن پھر بھی تم نے دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا، میری پاکباز والدہ نے گھر سے رخصت ہوتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دیناروں کی خاطر میں والدہ کی نصیحت کیسے فراموش کر دیتا؟

یہ سن کر سردار پر رقت طاری ہوگئی اور وہ روتے ہوئے بولا:

''آہ!! اے بچے! تم نے اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس رکھا۔ حیف ہے مجھ پر کہ اتنے سالوں نے اپنے خالق کا عہد توڑ رہا ہوں۔ اے بچے! آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں؟''

دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا۔ لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس کر دیا اور اس کے بعد نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر لی۔

ایک روایت میں ہے کہ جس زمانے مین شیخ عبدالقادر بغداد میں تحصیل علم میں مشغول تھے۔ ایک دفعہ سیّدہ فاطمہ نے کسی کے ہاتھ ان کے لئے سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا۔

سیّدہ فاطمہ کے سال وفات کے بارے میں سب تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر کے زمانہ تعلیم میں ان کی غیر حاضری ہی میں کسی وقت وفات پائی۔ (نفحات الانس بحوالہ تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ۲۰۵)

دُعا کی قبولیت

سیّدہ خدیجہ جیلانی شیخ ابی عبداللہ بن شیخ یحییٰ زاہد کی صاحبزادی تھیں۔ پیر پیراں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (المتوفی ۵۶۲ھ) ان کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بعض روایتوں میں ان کی کنیت اُمّ محمد بیان کی گئی ہے۔ نہایت عبادت گزار اور پرہیز گار خاتون تھیں۔ جلیل القدر بھتیجے کی طرح علم و عرفان کی دولت سے مالا مال تھیں۔ لوگوں میں ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی عام شہرت تھی۔ مشکل کے وقت لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا کراتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔

ایک دفعہ جیلان میں خوفناک قحط پڑا۔ لوگوں نے گڑگڑا کر بارش کے لئے دُعائیں کیں، شہر سے باہر صحرا میں جا کر بار بار استسقا کی نمازیں پڑھیں لیکن موسم کی حالت میں کوئی فرق نہ پڑا اور خشک سالی شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ آخر سب لوگ مل کر سیّدہ خدیجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ خدارا بارش کے لئے دُعا کریں۔ سیّدہ خدیجہ اس وقت اپنے مکان کے صحن میں جھاڑو دے رہی تھیں۔ انہوں نے لوگوں کو اس قدر پریشان اور بے دکل دیکھا تو دستِ دُعا اٹھائے اور کہا، بارِ الٰہا میں نے جھاڑو دی ہے تو چھڑکاؤ کر دے۔ ان کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ سیّدہ خدیجہ خلق خدا کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً فصیح و بلیغ وعظ بھی کہا کرتی تھیں۔ ان کے مواعظ نہایت پر تاثیر ہوتے تھے۔ انہیں سن کر اکثر گم گشتگان راہ، راہ راست پر آجاتے تھے۔ سیّدہ خدیجہ نے جیلان ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

(نفحات الانس بحوالہ تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ۲۱۰)

رضیع خاتون کا معمولی رقم پر صبر

معین الدین انار کی بیٹی اور سلطان نور الدین محمود زنگی کی بیگم تھی۔ ''دائرہ معارف اسلامیہ'' میں ہے کہ اس کا اصل نام ''خاتون'' تھا لیکن بعض مؤرخین نے وثوق کے ساتھ اس کا نام رضیع خاتون لکھا ہے۔ سلطان نور الدین محمود سے اس کی شادی ۵۴۱ھ میں ہوئی۔ وہ نہایت اعلیٰ سیرت اور کردار کی مالک تھی۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور سلطان جو معمولی رقم اسے دیتا، اسی سے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے سلطان سے کہا کہ آپ جو کچھ مجھے دیتے ہیں، اس سے گھر کا خرچ بمشکل پورا ہوتا ہے، اس لئے میرے نفقہ میں کچھ اضافہ کر دیجئے۔ سلطان نے خشمگیں ہو کر جواب دیا:

> ''میرے پاس تین دکانوں کے کرایہ کی آمدنی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم کو اسی قدر آمدنی پر گزر اوقات کرنی ہوگی۔ خدا کی قسم! میں تمہاری خاطر اپنے پیٹ کو دوزخ کی آگ سے نہیں بھروں گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے قبضے میں بڑے بڑے ملک اور ان کے خزانے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ سب کچھ عام مسلمانوں کا ہے، میں تو صرف ان کا خزانچی ہوں۔ مجھے مطلق اختیار نہیں ہے کہ سرکاری خزانہ کو اپنی ذات کا اپنے اہل وعیال پر صرف کروں۔ یہ مال دشمنان خدا کے خلاف جہاد یا مسلمانوں کی بہبود کے کاموں کے لئے وقف ہے۔ حمص کی تین دکانیں میں تمہیں ہبہ کر دیتا ہوں، تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کو فروخت کر ڈالو یا ان کا کرایہ وصول کرتی رہو۔''

بیگم بھی بڑی باخدا خاتون تھی، سلطان کا یہ جواب سن کر خاموش ہوگئی اور پھر زندگی بھر اس سے اپنے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ نہ کیا۔ رضیع خاتون بہت مخیّر اور معارف پرور بی بی تھی۔ اگرچہ اس کے گھریلو اخراجات محدود تھے لیکن رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے اس کو سرکاری خزانے سے رقم مل جاتی تھی چنانچہ اس نے دمشق میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا جو اس کے نام کی نسبت سے خاتونیہ کہلایا۔ یہ مدرسہ بعد میں حوادث زمانہ کی نذر ہو گیا۔ دشمن کے

باب النصر کے باہر اس نے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی۔ اس نیک بی بی نے محرم ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ (نفح الطیب بحوالہ تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۲۳۶)

ملکہ سلیمہ سلطان کی مشقت بھری زندگی

خاندانِ غلاماں کے آٹھویں فرمانروائے ہند سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۳ھ تا ۶۶۴ھ) کی بیگم تھی۔ سلطان مذکور بڑا پرہیزگار اور درویش خو بادشاہ تھا۔ وہ اپنی روزی فالتو وقت میں قرآن مجید لکھ کر کماتا تھا اور اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے سرکاری خزانے سے کچھ نہیں لیتا تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کی آمدنی کچھ زیادہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے اس کی گھریلو زندگی بڑی غریبانہ تھی۔ اس کے گھر میں کوئی خادمہ یا باورچن نہیں تھی اور گھر کا سارا کام کاج اس کی ملکہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ سلیمہ سلطان ایک بڑے سردار الغ خان (غیاث الدین بلبن) کی بیٹی تھی جو آگے چل کر خود ہندوستان کا بادشاہ بنا اور (۶۶۴ھ سے ۶۸۸ھ) تک حکومت کی۔ تخت حکومت پر بیٹھنے سے پہلے بھی اس کے دبدبہ وحشمت اور شان وشوکت کی کوئی حد نہ تھی چنانچہ سلیمہ سلطان نے بڑے نازونعم میں پرورش پائی مگر اپنے درویش صفت شوہر کی پرہیزگاری اور قناعت کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنی طبیعت کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیا۔ پھر بھی کبھی کبھی اس کو اپنا ماضی یاد آجاتا تھا۔

ایک دن اس نے شوہر سے کہا، میں نے اپنے گھر میں کبھی روٹی نہیں پکائی تھی لیکن یہاں مجھے خود روٹی پکانی پڑتی ہے۔ کئی دفعہ میرے ہاتھ جل جاتے ہیں اور ان میں چھالے پڑ جاتے ہیں، آپ میرے لئے ایک خادمہ کا بندوبست کردیں۔ ملکہ کی بات سن کر بادشاہ رونے لگا۔ پھر اس نے کہا:

> ''بیگم! یہ دنیا گزر جانے والی ہے یہاں اس تکلیف کو برداشت کر کے صبر کرو۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔ میری آمدنی بہت معمولی ہے اور میں ایک غریب آدمی ہوں اس لئے تمہارے لئے کسی خادمہ کا انتظام کرنا ممکن نہیں۔ رہا سرکاری خزانہ تو اس پر رعایا کا حق ہے، میں اس کا مالک نہیں۔''

سلیمہ سلطان شوہر کی بات سن کر خاموش ہوگئی اور عمر بھر گھر کا سارا کام ہنسی خوشی کرتی رہی، کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی۔ (تاریخ اسلام کی چار سو با کمال خواتین ۲۷۳)

ایک خاتون کا ایمانی جذبہ

ابن جوزی دمشقی نے اپنی کتاب ''سوق عروس انس نفوس'' میں ایک عورت کے جذبہ جہاد اور مالی و جانی قربانی کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے جس میں مجاہدین اور مسلمان خواتین کے لئے بڑی عبرتیں ہیں۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جو ابو قدامہ شامی کے نام سے معروف و مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں جہاد کی محبت ڈال دی تھی چنانچہ وہ اکثر و بیشتر رومیوں سے لڑنے اور جہاد کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا اور لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ واقعات جہاد میں سے جو سب سے تعجب انگیز واقعہ آپ نے دیکھا ہو، وہ ہمیں سنا دیجئے۔

شیخ ابو قدامہ نے فرمایا کہ سنو۔ میں ایک دفعہ ''رقہ'' چلا گیا تھا تا کہ کوئی اونٹ خرید لوں جو ہمارے اسلحہ کے اٹھانے اور لے جانے کے کام آجائے۔ چنانچہ میں ایک دن دریائے فرات کے قریب رقہ نامی اس شہر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ اے ابو قدامہ! میں نے آپ کے متعلق سنا ہے کہ آپ جہاد پر وعظ کہتے ہو اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہو۔ میں ایک ایسی عورت ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لمبے لمبے بالوں سے نوازا ہے، میں نے اپنے اکھڑے ہوئے بالوں سے ایک رسی بٹ لی ہے اور اس پر میں نے مٹی مل لی ہے تا کہ بالوں کی بے پردگی نہ ہو۔ آپ اس رسی کو لیجئے اور جب آپ دشمن کی سرزمین پر پہنچ جائیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو جائے، تلواریں ٹکرانے لگیں، تیر پھینکنے جانے لگیں اور نیزے سانپوں کی طرح باہر نکل آئیں تو آپ اس رسی کو اپنے جہادی گھوڑے کے گلے میں ڈال دیں اور اس سے جہاد کریں۔ اگر آپ کو خود ضرورت نہ پڑے تو کسی ضرورت مند مجاہد کو دیجئے۔ میں اس عمل سے یہ چاہتی ہوں کہ میدان جہاد کا گرد و غبار میرے بالوں کو لگ جائے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں، میرے شوہر جہاد میں شہید ہو چکے ہیں اور میرا پورا کنبہ جہاد میں شہید

ہو گیا ہے۔ اگر مجھ پر جہاد فرض ہوتا تو میں خود چلی جاتی لہٰذا میری جگہ آپ میرے ان بالوں کو جہاد میں استعمال کریں۔

پھر اس عورت نے کہا، اے ابوقدامہ! یہ بات سن لو کہ جب میرا شوہر شہید ہو گیا تو اس نے اپنے پیچھے ایک خوبصورت لڑکا چھوڑا تھا۔ اس لڑکے نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے اور جہادی ٹریننگ کر کے گھڑ سواری میں خوب مہارت حاصل کر لی ہے۔ وہ تیر اندازی میں غضب کا ماہر ہے، رات بھر تہجد پڑھتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ اس وقت وہ خوب جوان ہے اور اس کی عمر پندرہ سال ہے۔ آج کل وہ اپنی زمینوں میں کام کے لئے گیا ہوا ہے، جب وہ واپس آجائے گا اور آپ موجود ہوں گے تو میں اس جواں سال بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بطور قربانی پیش کروں گی۔ میں آپ کو دین اسلام کی عزت و عظمت کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے اس ثواب سے محروم نہ کریں۔

میں نے اس عورت سے وہ بٹی ہوئی رسی لے لی تو دیکھا کہ وہ اس کے سر کے بالوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ میرے سامنے اس رسی کو اپنے سامان میں محفوظ کر کے رکھیں تا کہ مجھے تسلی ہو جائے۔ میں نے رسی کو محفوظ کر کے رکھا اور ''رقہ'' سے اپنے ساتھیوں سمیت نکلنے لگا۔

جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک شہ سوار کی چیخنے کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا، اے ابوقدامہ! خدا تعالیٰ کے لئے ذرا رک جایئے۔ ہم رک گئے۔ جب ہم نے دیکھا تو ایک شہ سوار گھوڑے کو کداتا ہوا آ رہا ہے، آتے ہی اس نے مجھ سے معانقہ کیا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کی رفاقت سے محروم نہیں کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ پیارے بیٹے! آپ ذرا چہرہ دکھا دیجئے تا کہ میں دیکھوں، اگر آپ پر جہاد لازم اور فرض ہو تو میں آپ کو اجازت دے دوں گا ورنہ میں آپ کو واپس کر دوں گا۔ جب اس نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح ایک خوبصورت ناز پروردہ نوعمر جوان تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بیٹے! آپ کا والد زندہ ہے؟ اس نے کہا، نہیں وہ شہید ہو چکے ہیں اور اسی کا بدلہ لینے کے لئے جا رہا ہوں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ میں نے کہا، کیا آپ کی والدہ ہے؟ تو کہنے لگے، ہاں والدہ حیات ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ جا کر

اپنی والدہ سے اجازت لے لو، اگر اس نے اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ آپ ان کے پاس ہی رہیں کیونکہ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس نوجوان نے کہا، اے ابوقدامہ! کیا آپ مجھے نہیں جانتے ہو؟ میں نے کہا، نہیں۔ کہنے لگے کہ میں تو اسی عورت کا بیٹا ہوں جس نے آپ کے پاس سر کے بالوں کی رسی رکھی ہے، آپ اتنی جلدی بھول گئے ہیں؟ میں انشاء اللہ شہید ابن شہید بنوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ جہاد میں جانے سے نہ روکیں۔ میں کتاب اللہ کا حافظ ہوں اور سنت رسول اللہ ﷺ کا عالم ہوں۔ میں تیراندازی اور گھڑ سواری کا اتنا ماہر ہوں کہ میرے علاقے میں میرے جیسا کوئی نہیں لہٰذا آپ مجھے چھوٹا سمجھ کر نظرانداز نہ کریں۔ میری والدہ نے مجھے قسم کھلائی ہے کہ میں زندہ واپس نہ لوٹ آؤں۔ والدہ نے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے! جب کفار سے مڈبھیڑ ہو تو آپ پشت نہ دکھائیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے نبیؑ کے پڑوس اور پھر اپنے والد کے پڑوس کی دعا مانگیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت نصیب کریں تو آپ میری شفاعت بھی کریں کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہید اپنے خاندان کے ۷۰ آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ یہ کہہ کر امی جان نے مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اس طرح دعا مانگی:

"اے میرے مولا! اے میرے آقا! یہ میرا بیٹا ہے۔ میرے دل کا پھل اور میرے جسم کا پھول ہے، میں نے اس کو تیری خدمت میں پیش کر دیا ہے، اس کو قبول فرما لیجئے۔"

شیخ ابوقدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اس لڑکے کی یہ گفتگو سن لی تو میں بہت رویا۔ خاص کر اس وجہ سے کہ یہ نوعمر اور نہایت خوبصورت نوجوان تھا اور اس وجہ سے بھی کہ اس کی والدہ کے دل پر کیا گزرے گی اور اس کے صبر پر بھی رویا۔ اس لڑکے نے کہا، اے چچا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اگر میری صغرسنی پر رو رہے ہیں تو یاد رکھیں، مجھ سے چھوٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ نافرمانی پر عذاب دیتا ہے۔ میں نے کہا، تیری والدہ کی وجہ سے رونا آتا ہے، وہ بے چاری تیرے بعد کیا کرے گی؟

خیر ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ رات کو مکمل سفر ہوا اور صبح روشن ہو گئی۔ لڑکا مسلسل اللہ

تعالیٰ کے ذکر میں لگا ہوا تھا۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو یہ لڑکا سب سے زیادہ گھڑسواری کا ماہر تھا اور سب سے زیادہ خدمت گزار بھی تھا۔ جتنا ہم دشمن کے قریب ہوتے جاتے، یہ لڑکا چست بنتا جاتا تھا۔ دوسرے روز دن بھر سفر ہوا اور غروب آفتاب کے وقت ہم کفار مشرکین کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ہم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم سب روزے سے تھے، اس لڑکے نے ہماری افطاری کا انتظام واہتمام کیا۔ وہ افطاری کی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ نینداس پر غالب آئی اور وہ سو گیا۔ سوتے میں ہم نے دیکھا کہ وہ نوجوان مسکرا رہا ہے۔ جب لڑکا نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ پیارے بیٹے! ہم نے آپ کو ابھی ابھی ہنستا ہوا دیکھا، ذرا بتایئے آپ نیند کی حالت میں کیسے ہنس رہے تھے؟

نوجوان نے کہا کہ میں نے ایک عجب خواب دیکھ لیا تھا اس کی وجہ سے میں ہنسنے لگا تھا۔ خواب یہ کہ گویا میں ایک سرسبز و شاداب پرکشش باغیچہ میں ہوں۔ میں اس میں گھوم رہا تھا اور لطف اٹھا رہا تھا۔ اچانک میں نے وہاں ایک عالیشان محل دیکھا جو چاندی، جواہرات اور موتیوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے اور اس پر سلیقے سے پردے آویزاں تھے۔ اچانک ان پردوں کو کچھ لڑکیوں نے دروازوں سے ہٹایا، وہ لڑکیاں چاند کی طرح چمک رہی تھیں جب انہوں نے مجھے دیکھا تو سب نے مجھے خوش آمدید کہا۔ میں نے خواب میں ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگی، جلدی نہ کیجئے ابھی آپ کا وقت نہیں آیا ہے۔

میں نے سنا کہ وہ آپس میں کہہ رہی تھی، یہ نوجوان ''مرضیہ'' کا شوہر ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، ذرا آگے بڑھئے۔ میں کچھ آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس محل میں ایک کمرہ ہے جو سب سے بلندی پر ہے اور خالص سونے کا بنا ہوا ہے، جس میں زبرجد کا بنا ہوا ایک سبز پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اس کے پاس سفید اور چمکدار چاندی کے بنے ہوئے ہیں۔ اس پر ایک ایسی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کا چہرہ آفتاب عالمتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ میری نگاہوں کی حفاظت نہ کرتے تو میری نگاہیں چلی جاتیں اور میری عقل سلب ہو جاتی۔ جب اس لڑکی نے مجھے دیکھا تو کہا، مرحبا مرحبا! آیئے آیئے! خوش آمدید خوش آمدید! اے اللہ کے محبوب! اب آپ میرے لئے ہیں اور میں آپ کے لئے ہوں۔ میں اس کی طرف بڑھنے لگا تو وہ کہنے لگی کہ نہیں نہیں ابھی وقت نہیں آیا، ہاں کل ظہر کے

وقت کا وعدہ ہے۔ مبارک ہو، مبارک ہو۔

شیخ ابوقدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ آپ نے کیا ہی عمدہ اور اچھا خواب دیکھا ہے۔ رات بھر ہم نوجوان کے اس خواب پر تعجب کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو ہم سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدان کارزار کے لئے تیار ہوئے۔ اتنے میں کسی پکارنے والے نے پکارا:

یَا خَیلَ اللّٰہِ اِرْکَبِی فَفِی الجَنَّةِ
اِرْغَبِی اِنْفِرُوا خِفَافاً وَّ ثِقَالاً

''اے اللہ تعالیٰ کے شہسوارو اور اس کے دین کے مددگارو! سوار ہو کر چلو اور جنت کی طرف بڑھو تم ہلکے ہو بوجھل جلدی جلدی نکلو۔''

جونہی یہ آواز ختم ہوئی تو لشکر کفار نمودار ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرے، وہ تو ٹڈی دل لشکر تھا جو چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ ہم میں سے سب سے پہلے اس نوجوان نے لشکر کفار پر ایسا حملہ کیا کہ ان میں اندر تک گھستا چلا گیا۔ اس نے کفار کے جمگھٹے کو تتر بتر کر دیا اور بیچ میں جا کر لشکر کفار کو تہس نہس کر دیا، کئی بہادروں کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور کئی کفار کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ میں نے جب اس لڑکے کے اس طرح تابڑ توڑ حملوں کو دیکھا تو میں اس کے پاس گیا اور اس کے گھوڑے کی لگام کو پکڑ کر کہا کہ اے پیارے بیٹے! اب آپ واپس ہو جایئے، آپ نوعمر ہیں، جنگی چالوں کا زیادہ تجربہ بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ اے چچا جان! کیا آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت نہیں سنی؟

یَاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفاً فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ۔

اے چچا جان! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ پیچھے مڑ کر جہنم کا مستحق بنوں؟

ہم اسی گفتگو میں تھے کہ اچانک کفار نے ہم پر یکبارگی حملہ کیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ ہر آدمی اپنی اپنی فکر میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران لڑکے اور میرے درمیان بھی کفار حائل ہو گئے اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس حملہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ جب جنگ رک گئی تو نہ زخمیوں کا حساب لگایا جا سکتا تھا اور نہ شہیدوں کا کوئی حساب تھا۔

میں اپنے گھوڑے سمیت شہداء کی لاشوں میں گھومنے لگا۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں اور سیلاب کی طرح خون بہہ رہا تھا۔ شہداء کے چہرے خون اور غبار کی وجہ سے پہچانے نہیں جاتے تھے۔ میں گھوم ہی رہا تھا کہ اچانک اس نوجوان کو زمین پر پڑا ہوا دیکھا جو گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلا پڑا تھا اور اس کے چہرے اور جسم پر گویا غبار اور مٹی کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور وہ اپنی آخری سانس میں یہ کہہ رہا تھا:

''اے مسلمانو! خدا کے لئے میرے پاس میرے چچا ابوقدامہ کو بھیجو۔''

میں نے جب اس کی آواز سنی تو اس کے قریب آیا۔ دیکھا تو وہ اپنے خون کے حوض میں الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ کثرت خون اور کثرت غبار اور گھوڑوں کے کچلے جانے کی وجہ سے میں اس کو نہیں پہچان سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہاں میں ابوقدامہ ہوں۔ اس پر لڑکے نے کہا کہ چچا جان! ربّ کعبہ کی قسم! خواب کی تعبیر سچی نکلی۔ میں اس کے چہرے پر جھک گیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے چہرے سے مٹی اور خون اپنی چادر سے صاف کرنے لگا اور کہا کہ اے پیارے بیٹے! مجھے اپنی شفاعت میں قیامت کے روز نہ بھولنا۔ نوجوان نے کہا کہ آپ جیسے محسن کو بھلایا نہیں جا سکتا، آپ اپنی چادر سے میرے خون کو کیوں پونچھتے ہیں؟ میرا اپنا کپڑا زیادہ مناسب ہے کہ اس سے میرا خون پونچھا جائے۔ پھر اس نوجوان نے کہا کہ اے چچا جان! یہ خون چھوڑ دیجئے کہ میں اپنے ربّ کے ساتھ اسی خون سے ملاقات کروں، خواب میں جس حور کو میں نے دیکھا تھا، وہ سامنے کھڑی ہے اور میری روح کے نکلنے کے انتظار میں ہے۔ مجھے کہہ رہی ہے کہ میں مشتاقِ دیدار ہوں جلدی سے میرے پاس آجایئے۔

اے چچا جان! میں آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح سالم واپس لوٹا دیا تو آپ میرے یہ خون آلود کپڑے، میری مسکین اور غمگین والدہ تک پہنچا دیں۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ان کی وصیت کو پورا کر دیا ہے اور مشرکین کے مقابلے میں کسی بزدلی سے کام نہیں لیا۔ آپ ان کو میرا اسلام پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کو قبول کر لیا۔ اے چچا جان! میری ایک چھوٹی سی بہن ہے اور جب بھی گھر آتا تو وہ سب سے پہلے مجھے ملتی اور سلام کرتی۔ اس دفعہ جب میں آ رہا تھا تو اس نے مجھے رخصت کرتے وقت کہا کہ بھائی جان! جلدی واپس آئیں، دیر نہ کریں۔ میری اس بہن

سے جب آپ کی ملاقات ہو جائے تو ان سے میرا اسلام کہیے گا اور پھر یہ کہنا کہ آپ کا بھائی جان کہتا ہے کہ خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر اس نوجوان نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور جان جان آفرین رَبّ العالمین کے حوالہ کر دی۔ ہم نے اس کو انہی کپڑوں میں دفنایا اور واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے۔

القصہ جب ہم اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ''رقہ'' پہنچ گئے تو میں اس نوجوان کے گھر گیا۔ دیکھا تو اسی لڑکے کی طرح اس کی خوبصورت ننھی منی معصوم بہن دروازے پر کھڑی ہے اور غزہ سے واپس لوٹنے والوں سے پوچھ رہی ہے کہ میرے بھائی کو آپ لوگوں نے نہیں دیکھا؟ لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں جانتے ہیں۔ جب میں اس بچی کی طرف بڑھا تو وہ کہنے لگی کہ چچا جان! آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا، میں جہاد سے لوٹ آیا ہوں۔ وہ کہنے لگی، کیا میرا بھائی لوٹ کر نہیں آیا؟ یہ کہہ کر وہ چیخ اٹھی اور کہا کہ سب لوگ آ گئے، میرا پیارا بھائی کیوں نہیں آیا؟ میں نے رونے کو قابو کر لیا اور اس بچی سے کہا کہ اپنی امی کو جا کر کہہ دو کہ دروازہ پر ابوقدامہ آیا ہے، ان سے بات کرو۔ میری اس گفتگو کو اس خاتون نے سن لیا، وہ فوراً باہر آئی اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا، اے ابوقدامہ! یہ بتا دیجئے کہ آپ خوش خبری لے کر ہمارے پاس آئے ہیں یا غم کی خبر لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا کہ خوش خبری اور غم کی خبر کی وضاحت آپ کریں تو اس نے کہا، اگر میرا بیٹا صحیح سالم واپس آ گیا ہے تو یہ غم کی خبر ہوگی اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت سے نوازا ہے تو یہ خوشی کی خبر ہوگی۔ میں نے کہا، مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرے ہدیہ اور قربانی کو قبول کر لیا ہے اور تیرا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ کہنے لگی، کیا اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا؟ میں نے کہا، ہاں قبول کر لیا۔ کہنے لگی، الحمدللہ! یہ میرا آخرت کا سرمایہ بن گیا۔ سبحان اللہ! ماں ہو تو ایسی ہو، بیٹا ہو تو ایسا ہو۔

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پھر میں نے اس نوجوان کا پیغام اس کی بہن تک پہنچایا کہ ''سلامت رہو بہن! خدا حافظ قیامت میں ملاقات ہوگی۔'' لڑکی نے جب یہ پیغام سنا تو ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گر

پڑی، میں نے جب اس کو ہلایا تو وہ مرچکی تھی۔ میں نے لڑکے کے خون آلود کپڑے ان کی والدہ کے حوالے کردیئے اور زخمی دل اس گھر سے واپس لوٹ آیا، مجھے اس عورت کے صبر پر اب تک تعجب ہورہا ہے۔ (مشارع الاشواق صفحہ ۲۹۰)

بہو کا انتخاب

میدان جہاد کی طرف شوق سے بڑھنے کے سلسلے میں علامہ ابن نحاس نے اپنی کتاب مشارع الاشواق میں ایک عجیب قصہ ذکر کیا ہے جو عبرتوں اور شوق جہاد اور شوق شہادت سے پر ہے۔ فرمایا کہ شہر بصرہ میں شوق جہاد اور عبادت کے جذبہ میں چند عورتیں مشہور تھیں۔ ان میں سے ایک عورت اُمّ ابراہیم ہاشمیہ بھی تھیں۔ دشمن نے اس وقت مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد پر حملہ کردیا۔ مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے اور شوق جہاد دلانے کے لئے ایک مہم شروع ہوئی، انہیں ترغیبی خطبات میں شیخ عبدالواحد بن زید بصری نے جہاد پر ابھارا اور خوب شوق دلایا۔ اس مجلس وعظ میں اُمّ ابراہیم بھی حاضر تھیں۔

شیخ عبدالواحد نے اپنی تقریر کے دوران مجاہدین اور شہداء کے لئے جنت کی نعمتوں میں حوروں کا تذکرہ بھی کیا۔ اس مؤثر تذکرہ میں انہوں نے حوروں کے حسن و جمال اور عظمت وکمال پر ایک قصیدہ بھی پڑھا جس سے لوگ جنونی حد تک جذباتی ہوگئے اور مجمع میں شوق شہادت کا ایک زلزلہ برپا ہوا۔ مجمع میں اُمّ ابراہیم کود پڑی اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگی کہ اے ابوعبید! آپ کو خوب معلوم ہے کہ بصرہ کے بڑے بڑے رئیس میرے بیٹے ابراہیم کو اپنی بیٹیوں کا پیغام نکاح دے چکے ہیں لیکن میں نے ابراہیم کے لئے کسی پیغام کو قبول نہیں کیا ہے۔ آپ نے جس لڑکی اور حور کا تذکرہ کیا ہے، اس نے تو مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے ابراہیم کی شادی اس لڑکی سے کراؤں گی مگر آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کے حسن و جمال اور عظمت وکمال کو ذرا پھر دہرا لیجئے۔ شیخ عبدالواحد نے حور کی صفت میں پھر ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

تولد نور النور من نور وجهها
فمازج طيب الطيب من خالص العطر

''روشنیوں کی بنیاد اس حور کے روشن چہرے سے پڑی ہے اور اس کے خالص عطر کی آمیزش تمام خوشبوؤں میں آئی ہے۔''

فلو وطئت بالنعل منها علی الحصی
لاعشبت الاقطار من غیر ما قطر

''اگر یہ حور اپنے جوتے سے ریت کو بھی روند ڈالے تو بغیر بارش کے تمام اطراف گھاس سے ہرے بھرے ہو جائیں گے۔''

ولو تفلت فی البحر شهد رضا بها
لطاب لاهل البر شرب من البحر

''اگر یہ حور اپنے شہد جیسے لعاب کو سمندر میں تھوک دے تو خشکی کی تمام مخلوق کے لئے سمندر کا پانی میٹھا ہو جائے گا۔''

یکاد اختلاس اللحظ یجرح خدها
بجارح وهم القلب من خارج السر

''اس کے رخسار پر جب کسی کی نگاہ پڑتی ہے تو قریب ہے کہ دل کے خیال تصور کی وجہ سے یہ نگاہ رخسار میں زخم کر دے۔''

ان اشعار کو سن کر اس دفعہ تو لوگ تڑپ اٹھے اور اُمّ ابراہیم پھر سامنے آئی اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگی، اے ابوعبید! اس لڑکی جمال آراء نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لئے اس لڑکی کو بطور دلہن پسند کرتی ہوں تو کیا آپ یہ کر سکتے ہیں کہ اس لڑکی کا نکاح میرے بیٹے سے کرا دیں اور مہر میں مجھ سے دس ہزار دینار قبول کر لیں؟ پھر میرا لخت جگر آپ کے ساتھ اس غزوہ میں چلا جائے گا، شاید کہ اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کو شہادت کے عالی رتبہ سے نواز دے اور یہ لڑکا اپنے والد اور میرے لئے قیامت کے روز شفاعت کرنے والا بن جائے۔ شیخ عبدالواحد نے فرمایا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً آپ کا لڑکا اور لڑکے کا باپ کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اُمّ ابراہیم نے اپنے لخت جگر کو آواز دے کر فرمایا کہ اے پیارے بیٹے! کیا آپ کو مذکورہ صفت سے متصف یہ لڑکی اس شرط پر قبول ہے کہ اس کے مہر کے عوض اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان دو گے اور آئندہ کوئی گناہ نہیں

کرو گے؟ نوجوان ابراہیم نے کہا کہ امی جان! قسم بخدا میں اس پر بہت خوش ہوں۔ اس کے لڑکے کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح دُعا مانگی:

''اے مولائے کریم! میں تجھے گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے لڑکے کا نکاح اس حور سے کرلیا اس شرط پر کہ میرا لڑکا اپنی جان کو تیرے راستے جہاد میں قربان کرے گا اور کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اے ارحم الراحمین! میرے اس لخت جگر کو میری طرف سے قبول فرمالے۔''

اس کے بعد اُمّ ابراہیم گھر چلی گئی اور دس ہزار دینار لے آئی اور شیخ عبدالواحد سے کہنے لگی، اے ابوعبیدہ! یہ اس لڑکی کا مہر ہے، یہ لیجئے اور مجاہدین کے اہم کاموں میں خرچ کیجئے۔ یہ کہہ کر اُمّ ابراہیم گھر واپس آئی اور اپنے شہزادہ بیٹے کو روانہ فرمایا۔ جب شیخ عبدالواحد جہاد کے لئے نکل پڑے تو نوجوان ابراہیم بھی دوڑتے جارہے تھے اور قاری حضرات قرآن کریم کی یہ آیت خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے:

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ۔

''اللہ تعالیٰ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔''

راوی کا بیان ہے۔ جب ماں نے اپنے بیٹے کو رخصت کرنا چاہا تو ان کو کافور میں معطر ایک کفن دیا اور پھر اپنے لخت جگر سے فرمانے لگی کہ اے میرے پیارے بیٹے! جب میدان کارزار میں دشمن سے مقابلہ شروع ہوجائے تو تم یہ کفن زیب تن کرنا لیکن یاد رکھنا، کہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ تجھے کوتاہی یا سستی کرنے والا نہ پائے۔ پھر اس بہادر ماں نے اپنے گوشۂ جگر کو سینہ سے لگا کر اس کی پیشانی کو چوما اور فرمایا کہ میرے لخت جگر! اللہ تعالیٰ میری اور تیری ملاقات دنیا میں نہیں بلکہ اپنے ہاں میدان قیامت میں کرائے۔

شیخ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ جب ہم دشمن کے علاقے میں پہنچ گئے اور عمومی تعارض کا اعلان ہوگیا اور لوگ کھلے میدان میں نکل آئے تو ابراہیم سب سے اگلے مورچوں میں کھڑا

تھا۔ اس نے غضب کی جنگ لڑی اور میدان کارزار میں دشمن کے چھکے چھڑائے۔ کئی کفار کو واصل جہنم کیا اور مسلسل پیش قدمی میں لڑتا رہا حتیٰ کہ دشمن کے بہت سارے لوگوں نے اس کو اپنے نرغے میں لے کر شہید کر دیا۔ شیخ عبدالواحد فرماتے ہیں کہ جب ہم نے بصرہ واپس آنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابراہیم کی والدہ کو بیٹے کی شہادت کی خبر اس وقت تک مت دو کہ میں خود جا کر ان کی تعزیت کروں اور تسلی دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بے صبر ہو جائے اور اس کا اجر خراب ہو جائے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ جب ہم فاتحین کی حیثیت سے واپس آئے اور بصرہ میں داخل ہونے لگے تو بصرہ کے سارے لوگ ہمارے استقبال کے لئے اُمنڈ آئے۔ انہی لوگوں میں ابراہیم کی والدہ بھی آئیں۔ جب اس نے مجمع دیکھا تو کہنے لگی، ابوعبید! یہ تو بتاؤ کہ میرا ہدیہ قبول ہو گیا یا نہیں؟ اگر قبول ہو گیا ہے تو میں لوگوں سے مبارکباد لوں اور اگر ہدیہ رد ہو گیا ہے تو میں لوگوں سے تعزیت وصول کروں۔ شیخ نے فرمایا کہ قسم بخدا تیرا ہدیہ اور تیری قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے، تیرا بیٹا شہداء کے ساتھ زندہ تابندہ کھا پی رہا ہے۔ اس پر اُمّ ابراہیم سجدۂ شکر میں گر پڑیں اور فرمایا کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے گمان اور ارادہ کو ناکام نہیں بنایا بلکہ میری قربانی کو قبول فرمایا۔ یہ کہہ کر اُمّ ابراہیم واپس چلی گئیں۔

رات گزار کر اگلی صبح سویرے اُمّ ابراہیم شیخ عبدالواحد کے پاس آئیں اور زور سے کہا، ......السلام علیک یا ابا عبید! ...... بشراك ......اے ابوعبید! تجھ پر سلامتی ہو، میں تجھے ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ شیخ نے کہا، اللہ تعالیٰ تجھے خوش رکھے، کیا قصہ ہے؟ اُمّ ابراہیم نے کہا کہ میں نے رات کو اپنے لخت جگر ابراہیم کو ایک خوبصورت باغ میں دیکھا، وہ ایک سبز رنگ کے خیمے میں موتیوں کے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے سر پر ایک عمدہ تاج رکھا ہوا تھا اور وہ مجھے کہہ رہا تھا:

''امی جان! مبارک ہو، مہر قبول کر لیا گیا اور دلہن کی رخصتی ہو گئی۔''

(دعوت جہاد از آئینہ خواتین ۳۰۴)

مجھے رونا کہاں آتا ہے؟

یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور جو کچھ ان کی فریاد و

زاری ہوتی، اس کو دیکھا کرتا۔ ایک بار میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ چلو، جب یہ تنہا ہوں تو ان سے کہیں کہ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں۔ اس نے کہا، ٹھیک ہے چلو۔

ہم ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر آپ اپنے نفس پر نرمی کریں اور اتنا نہ رویا کریں جو تمہاری مراد ہے اس پر یہ بات زیادہ مدد ہوگی۔ وہ یہ بات سن کر رو پڑیں۔ پھر کہا کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے تن میں آنسو نہ رہیں، پھر خون کے آنسو رویا کروں یہاں تک کہ میرے کسی عضو میں ایک قطرہ خون کا باقی نہ رہے مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے؟ میں کب روتی ہوں۔ اسی جملہ کو بہت دفعہ کہا کہ میں کہاں روتی ہوں، پھر بے ہوش ہوگئیں۔

(قصص الاولیاء ۲/۱۵)

حضرت شعوانہ کی اپنی بہن کو دو نصیحتیں

محمد بن معاذ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک عابدہ عورت نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل کی گئی ہوں اور دیکھتی کیا ہوں کہ تمام اہل جنت اپنے اپنے دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جنت والے کیوں کھڑے ہیں؟ مجھ سے کسی نے کہا کہ اس عورت کے انتظار میں کھڑے ہیں جس کے لئے جنتیں آراستہ کی گئی ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ عورت کون ہے؟ مجھ سے کسی نے کہا کہ ایک کالی لونڈی ایلہ کے لوگوں کی ہے جس کو شعوانہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا، وہ تو میری بہن ہے۔

میں اسی گفتگو میں تھی کہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہوا میں اڑتی ہوئی آ پہنچی۔ جب میں نے اس کو دیکھا تو پکارا کہ اے بہن! تم تو مجھ سے محبت کیا کرتی ہو، اپنے ربّ سے دُعا کرو کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ ملا دے۔ انہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ ابھی تیرے آنے کا وقت نہیں آیا مگر میری دو باتیں یاد کر لے۔ اوّل یہ کہ اپنے دل میں ہمیشہ غم رکھنا، دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے ہوائے نفس پر مقدم رکھنا، پھر انشاء اللہ تجھے نقصان نہ ہوگا کبھی تیری موت آئے۔

(قصص الاولیاء ۲/۱۶)

حضرت غفیرہ کی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغولیت

احمد بن علی کہتے ہیں کہ ہم نے غفیرہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی، انہوں نے

ہمیں اجازت نہ دی۔ ہم دروازے ہی پر پڑے رہے اور کہیں نہ ہلے۔ جب ان کو معلوم ہوا تو وہ دروازہ کھولنے کو کھڑی ہوئیں اور یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا کہ الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اس شخص سے جو مجھے تیرے ذکر سے روکے۔ ہم اندر گئے اور ان سے کہا کہ آپ ہمارے لئے دُعا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ضیافت میرے گھر میں یوں کرے کہ تمہاری مغفرت فرمادے۔ پھر ہم سے کہا کہ عطائے سلمی نے چالیس برس آسمان کی طرف نگاہ نہ کی، ایک نگاہ نے جوان پر خیانت کی تو بے ہوش ہوکر گر پڑے اور پیٹ میں کوئی پردہ پھٹ گیا۔ کاش غفیرہ اپنا سر اٹھائے اور نافرمانی نہ کرے اور کیا اچھا ہو کہ اگر نافرمانی کی ہے تو اس کو دوبارہ نہ کرے۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۸)

زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھیں چلی گئیں

ابن علائے سعدی کہتے ہیں کہ میرے چچا کی لڑکی کا نام بریرہ تھا۔ وہ عابدہ تھیں اور قرآن شریف بہت پڑھا کرتی تھیں۔ جب ایسی آیت پر آتیں کہ اس میں دوزخ کا ذکر ہوتا تو روتیں۔ اسی طرح کیا کرتیں یہاں تک کہ رونے کی کثرت سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ ان کے چچازاد بھائیوں نے آپس میں کہا کہ چلوان کو کثرت گریہ کے باب میں ملامت کریں۔ ہم سب کے سب ان کے پاس گئے اور بریرہ سے کہا کہ بریرہ! تم کیسی ہو؟ جواب دیا کہ مہمان ہیں، اجنبی زمین پر پڑے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ کب کوئی ہم کو بلائے اور ہم جائیں۔ ہم نے کہا کہ پھر یہ رونا کب تک رہے گا، آنکھیں تو جاتی رہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر میری آنکھوں کو خدا تعالیٰ کے یہاں کچھ بہتری ہے تو دنیا میں جو کچھ ان میں سے جاتا رہا، اس سے ان کا کیا نقصان ہے اور اگر ان کو خدا تعالیٰ کے یہاں برائی ہے تو اس سے زیادہ رووٗں گی۔ یہ کہہ کر منہ پھیر لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے اٹھ کھڑے ہو، ان کا حال کچھ اور وہی ہے، اپنا سا حال نہیں۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۸)

میرا دل زخمی اور جگر پارہ پارہ ہے

خواص کہتے ہیں کہ ہم رحلہ عابدہ کے پاس گئے۔ ان کا حال یہ تھا کہ روزہ رکھتے

رکھتے کالی پڑ گئی تھیں اور روتے روتے اندھی ہو گئی تھیں، نماز پڑھتے پڑھتے بیسکی ہو گئی تھیں، نماز بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتی تھیں۔ ہم نے ان کو سلام کیا اور کچھ بیان عفو الٰہی کا کیا تا کہ ان کا معاملہ آسان ہو۔ انہوں نے یہ سن کر ایک چیخ ماری اور فرمایا کہ من آنم کہ من دانم۔ میرے نفس کا حال مجھ ہی کو معلوم ہے، اسی سے میرا دل زخمی اور جگر پارہ پارہ ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ کاش! خدا تعالیٰ مجھے نہ پیدا کرتا اور میرا ذکر کچھ دنیا میں نہ ہوتا۔ یہ کہہ کر پھر نماز پڑھنے لگیں۔

(نقص الاولیاء ۲/۲۲)

ایک لڑکی کی عارفانہ باتیں

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں منیٰ سے عرفات کو جا رہا تھا تو مجھ سے ایک لڑکی نے ملاقات کی جو ایک اونی ٹاٹ پہنے اور ایک اونی چادر اوڑھے ہوئے تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک جانماز اور ایک عصا تھا اور اس کے چہرہ پر طاعت و عبادت کا نور تھا۔ وہ بہت تیز چال چل رہی تھی اور اللہ اللہ کہتی جاتی تھی۔ میں نے جی میں کہا کہ یہ لڑکی معد یہ معلوم ہوتی ہے، اپنے اللہ والی ہونے کا اظہار کرتی ہے۔ اس نے کہا:

﴿ویعلم ما تبدون وما تکتمون﴾

''جو بات تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں۔''

میں سمجھ گیا، یہ عورت ولی اللہ ہے۔ میں نے کہا، اے لڑکی! میں بالکل تیرے ساتھ مشغول ہوں۔ اس نے کہا، میں بھی تمہارے لئے حاضر ہوں لیکن میرے پیچھے مجھ سے بھی زیادہ حسین ایک عورت آ رہی ہے۔ میں نے پھر کے دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ اس نے فوراً چلا کر کہا، اے مدعی! اے کذاب! ادوستوں کا دوستوں کے ساتھ ایسا فعل تو نہیں ہوتا ہے۔ پہلے تو تو نے خدام ربّ الارباب کے ساتھ بدگمانی کی، اگر تو اس کے پاس سچ مچ آتا اور اسے اچھی طرح سے پہچان لیتا تو وہ تجھے اپنے دروازہ پر کھڑا کرتا۔ ہم نے جب تجھے دور سے دیکھا تو ہم نے سمجھا کہ تم عابد ہو، جب قریب آئے تو ہم نے جانا کہ تم عارف ہو، جب ہم سے بات چیت کی تو ہم نے گمان کیا کہ تم عاشق مزاج ہو۔ اگر اس کا عارف ہوتا تو اسے چھوڑ کر ہماری طرف رجوع نہ کرتا اور اگر ہم پر عاشق ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر غیر کی طرف رخ نہ کرتا۔ پھر جلدی سے میرے

پاس سے بھاگی اور کہتی جاتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہوگئی۔ (قصص الاولیاء ۲/۳۲)

شکار کرنے چلی تھی خود شکار ہوگئی

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک قوم نے ایک خوبصورت عورت کو جو حسن میں لاثانی تھی، حکم کیا کہ وہ ربیع ابن خثیم کو چھیڑے شاید وہ فتنہ میں پڑ جائیں اور اس فعل کی ہزار درہم اجرت ٹھہرائی۔ اس نے حتی المقدور عمدہ لباس اور زیور سے آراستہ ہو کر نہایت عمدہ خوشبو لگائی اور جب حضرت نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے تو سامنے آئی۔ آپ اسے دیکھ کر گھبرائے، وہ کھلے منہ آپ کے پاس آ گئی۔ اس وقت حضرت نے اس سے فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب کہ تجھ پر بخار نازل ہو اور تیرا رنگ متغیر ہو جائے اور رونق اڑ جائے یا تجھ پر ملک الموت نازل ہو کر تیری رگِ جان کاٹ ڈالیں۔

یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ قسم ہے اللہ کی جب اسے افاقہ ہوا تو ایسی عبادت گزار بن گئی کہ جس دن وہ مری ہے، جلے ہوئے درخت کی طرح خشک وسیاہ تھی۔ (قصص الاولیاء ۲/۳۴)

بدکار عورت راہ راست پر آئی

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک فاحشہ عورت تھی جس کے پاس حسن کا تہائی حصہ تھا۔ جب تک سو دینار نہ لے لیتی کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتی۔ اسے ایک عابد نے دیکھا اور اس پر عاشق ہو گیا، محنت مزدوری کر کے سو دینار جمع کئے، پھر اس عورت کے پاس آیا اور کہا، تیرا حسن مجھے بھا گیا تھا، میں نے محنت مزدوری کر کے سو دینار جمع کر لئے ہیں۔ اس نے کہا، لے آؤ۔ وہ شخص اس کے یہاں پہنچا۔ اس کا ایک سونے کا تخت تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی تھی، اسے بھی اس نے اپنے پاس بلایا۔

جب عابد آمادہ ہوا اور اس کے پاس جا بیٹھا تو اچانک اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہونا یاد آ گیا اور فوراً اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور کہا، مجھے جانے دے،

سو دینار تیرے ہی ہیں۔ اس نے کہا، تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو نے تو کہا تھا کہ میں تجھے پسند آ گئی اور تو نے محنت مزدوری کر کے دینار جمع کیے، جب مجھ پر قادر ہوا تو یہ حرکت کی۔ عابد نے کہا، مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خوف طاری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کا اندیشہ غالب آ گیا، میرے دل میں تیری عداوت پیدا ہو گئی۔ اب تو ابغض الناس ہے میرے نزدیک۔ اس نے کہا، اگر تو سچا ہے تو میرا شوہر بھی تیرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا، مجھے نکل جانے دے۔ اس نے کہا، مجھ سے نکاح کرنے کا وعدہ کر جاؤ۔ کہا، عنقریب ہو جائے گا۔ پھر سر پر چادر ڈالی اور اپنے شہر چلا گیا۔

وہ عورت بھی توبہ کر کے اس کے پیچھے اس شہر کو روانہ ہوئی۔ اس شہر میں پہنچ کر لوگوں سے عابد کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے اسے بتایا۔ اس عورت کو ملکہ کہتے تھے۔ عابد سے بھی کسی نے کہا کہ تمہیں ملکہ تلاش کرتی پھرتی ہے۔ انہوں نے جب اسے دیکھا تو ایک چیخ ماری اور جان بحق تسلیم کی۔ وہ عورت ناامید ہو گئی۔ پھر اس نے کہا، یہ تو مر ہی گئے، ان کا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا بھائی بھی فقیر آدمی ہے۔ کہنے لگی، اس کے بھائی کی محبت کی وجہ سے اس سے نکاح کروں گی۔ چنانچہ اس سے نکاح کیا جس سے سات لڑکے پیدا ہوئے، سب کے سب نیک بخت، صالح تھے۔ (قصص الاولیاء ۲/ ۳۵)

ایک صالحہ لونڈی کی حکایت

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خدمت کے واسطے ایک لونڈی خریدی۔ ایک مدت تک وہ میری خدمت کرتی رہی اور اپنی حالت مجھ سے پوشیدہ رکھتی تھی۔ اس کی ایک خاص محراب تھی جس میں وہ نماز پڑھتی تھی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات کرتی ہے۔ میں نے سنا، وہ کہتی ہے، آپ اس محبت کے وسیلہ سے جو کہ میرے ساتھ ہے فلاں فلاں کام کر دیں۔ اس وقت میں نے چلا کر کہا، اے عورت! یوں مت کہہ بلکہ یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلہ جو مجھے تجھ پر ہے۔ کہا، اے میرے آقا! اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمہیں نماز سے بٹھلا کر مجھے کھڑا نہ رکھتا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اسے بلا کر کہا، تو میری خدمت کے لائق نہیں ہے بلکہ اپنے بڑے مالک کی خدمت کے قابل ہے، جا تو خدا تعالیٰ

کے واسطے آزاد ہے۔ پھر کچھ چیز اس کے ساتھ کر کے اسے روانہ کر دیا اور اس کی جدائی پر مجھے ندامت ہوئی۔ (نقص الاولیاء ۲/۳۹)

کیا گناہ سے بڑھ کر کوئی مصیبت ہو سکتی ہے؟

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بازار کو گیا، میرے ہمراہ ایک حبشن لونڈی تھی۔ میں نے اسے بازار میں ایک جگہ بٹھایا اور کہا کہ میرے آنے تک یہیں رہو۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔ جب میں لوٹ آیا تو اسے اس جگہ نہ پایا، میں اس پر بہت غصہ ہو کر گھر آیا۔ وہ لونڈی میرے پاس آئی اور کہا، اے آقا! تم مجھ پر جلدی نہ کرو۔ تم نے مجھے ایسے لوگوں کے پاس بٹھایا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے تھے، مجھے ڈر معلوم ہوا کہیں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے زمین میں دھنس نہ جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ دھنس جاؤں۔ میں نے کہا، اس اُمت سے ان کے نبی ﷺ کی برکت سے خسف اٹھ گیا ہے۔ اس نے کہا، اگرچہ خسف مکانی ہٹا لیا گیا ہے لیکن خسف قلوب باقی ہے۔ اے وہ شخص! جس کا قلب معرفت کا خسف ہو گیا ہے، وہ ابھی تک اپنی بلا اور کرب سے غافل ہے۔ جلدی دوا اور پرہیز میں مشغول ہو اور اپنی موت اور فنا سے پہلے اپنا تدارک کر۔ پھر چند اشعار پڑھے:

هلموا بنا نذری الدموع تاسفا
بلا المعاصی فوق کل بلاء
لعل الهی ان یمن بجمعنا
فقد حال فی سجن الفراق عنائی
فیها مهجتی لا تترك الحزن ساعة
یا مقلتی هذا او ان بكائ

"ہمارے پاس آجاؤ تاکہ افسوس کے ساتھ آنسو بہائیں۔ گناہ کی مصیبت ہر مصیبت سے بڑی ہے، شاید کہ حق تعالیٰ ہمیں اپنے کرم سے جمع کر لے کیونکہ قید جدائی میں مدت دراز سے میں غمگین ہوں۔ اے میری جان! ایک لحظہ بھی غم مت چھوڑ اور اے میری آنکھ بھی رونے کا وقت ہے رو لے۔"

ذکر اللہ سے غفلت موجب ذلت و تکلیف ہے

ابوالعباس مسروق فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں تھا۔ ایک شکاری کو دیکھا کہ ساحل پر مچھلی کا شکار کرتا تھا اور اس کے پہلو میں اس کی چھوٹی لڑکی بیٹھی تھی۔ جب کوئی مچھلی پکڑتا تو ٹوکری میں ڈال کر اس لڑکی کے پاس رکھ دیتا تھا اور لڑکی اسے نکال کر پانی میں چھوڑ دیتی تھی۔ ایک بار مڑ کے دیکھا تو ٹوکری میں کچھ نہ تھا۔ لڑکی سے پوچھا، تو نے مچھلیوں کو کیا کیا؟ کہنے لگی، ابا جان! کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جو مچھلی ذکر اللہ سے غافل ہوتی ہے وہی کانٹے میں پھنستی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص رونے لگا اور کانٹا پھینک کر چلا گیا۔

(قصص الاولیاء ۲/۴۳)

اللہ والوں کی غذا

ایک بزرگ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سفر میں ایک کم سن دیہاتی لڑکی کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم کہاں منزل کرتی ہو؟ کہنے لگی، جنگل میں۔ میں نے کہا، تمہیں وحشت نہیں ہوتی؟ کہنے لگی، اے نالائق! اللہ تعالیٰ سے اُنس رکھنے والے اس کے ساتھ ہو کر متوحش بھی ہوتے ہیں؟ میں نے پوچھا، تم کہاں سے کھاتی ہو؟ کہنے لگی، اللہ تعالیٰ جانتا ہے جہاں سے وہ اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے، وہ اپنے منکرین کو روزی دیتا ہے پس ایمان والوں کو کیونکر نہ دے گا۔ پھر کہنے لگی، جو دل کہ معرفت الٰہی میں زندہ ہیں اور اس کی وحدانیت کے گرویدہ ہیں اور اس کی محبت میں فنا ہیں۔ ان کی غذا اللہ تعالیٰ کی محبت اور انس ہے اور اس کے جمال و کمال کا مشاہدہ، وہ لوگ اللہ والے، روحانی طاقت والے ہیں اور دن رات تسبیح کرتے ہیں کبھی تھکتے نہیں۔ (قصص الاولیاء ۲/۵۱)

ایک کمسن لڑکی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے

ابو عبداللہ ابن شجاع صوفی فرماتے ہیں کہ میں اپنے سیاحت کے زمانہ میں مصر میں قیام پذیر تھا۔ وہاں مجھے نکاح کی ضرورت ہوئی، میں نے اپنے دوستوں سے ذکر کیا۔ ان

لوگوں نے کہا، یہاں ایک عورت صوفیہ ہے، اس کی ایک لڑکی قریب البلوغ ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے نکاح کا پیغام دیا اور اس کے ساتھ میرا نکاح ہوگیا۔ جب میں اس کے پاس داخل ہوا تو وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کر رہی تھی۔ مجھے شرم آئی کہ ایسی کم سن لڑکی تو نماز پڑھے اور میں نہ پڑھوں۔ میں نے بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنی شروع کی اور جتنا مجھ سے ہو سکا، ادا کیا۔ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی اور میں اپنے مصلے پر لیٹ گیا، وہ بھی اپنے مصلے پر سو گئی۔ دوسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔

جب بہت دنوں تک یہی حالت رہی تو ایک دن میں نے اس سے کہا، اے لڑکی! ہمارے اس اجتماع کا کچھ مقصد بھی ہے۔ اس نے جواب دیا، میں اپنے مولیٰ کی خدمت میں ہوں لیکن جس کا مجھ پر حق ہے اسے منع بھی نہیں کرتی۔ مجھے اس کی باتوں پر شرم آئی اور اسی گزشتہ طریق پر میں نے ایک مہینہ گزارا۔ پھر میرا قصد سفر کا ہوا۔ میں نے کہا، اے بی بی! اس نے کہا، لبیک۔ میں نے کہا، میرا سفر کا ارادہ ہے۔ کہنے لگی، تم عافیت کے ساتھ رہو اور خدا تعالیٰ تم کو مکروہات سے سلامت رکھے اور مقصود عطا کرے۔ جب میں دروازے تک پہنچا تو وہ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی، اے میرے سردار! ہمارے درمیان دنیا میں ایک عہد تھا جو پورا نہ ہو سکا، ممکن ہے ان شاء اللہ جنت میں پورا ہوگا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتی ہوں، وہی سب سے بہتر امانت دار ہے۔ چنانچہ میں اس سے وداع ہو کر چلا گیا۔ پھر دو سال کے بعد میں نے اس کی حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ پہلے سے زیادہ عبادت و مجاہدہ میں زیادہ مشغول ہے۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہا۔ (قصص الاولیاء ۲/۵۱)

تم کہاں سے آرہی ہو؟

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ میں نے ساحل شام میں ایک عورت دیکھی۔ میں نے پوچھا، تم کہاں سے آرہی ہو؟ کہنے لگی، ان لوگوں کے پاس سے آرہی ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ میں نے کہا، کہاں جارہی ہو؟ کہا، ان لوگوں کے پاس جن کو تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے باز نہیں رکھ سکتے۔ میں نے کہا، ان لوگوں کے کچھ اوصاف بیان کرو تو اس نے چند اشعار پڑھے:

قوم ھموم باللّٰہ قد علقت
فما لھم ھمم تسموا الیٰ احد
فمطلب القوم مولاھم وسیدھم
یاحسن مطلبھم للواحد الصمد
ما ان ینازعھم دنیا ولا شرف
من الطاھم والـلذات والولد
ولا لباس لثوب فائق انق
ژلا لروح سرور حل فی بلد
وھم رھائن غدران واودیة
وفی الشوامخ تلقاھم مع العدد

''وہ ایسی قوم ہے کہ ان کی ہمتیں اللہ کے ساتھ معلق ہیں، ان کی کوئی خواہش اور کے یہاں نہیں پہنچتی۔ اس قوم کا مقصود اپنا مولا اور مالک ہے اللہ واحد، صمد ان کا مطلوب ہے۔ کیا ہی اچھا مطلوب ہے ان سے کوئی منازعت نہیں کرسکتا نہ دنیا، نہ شرافت نہ طعام ولذائذ واولاد وغیرہ۔ نہ لباس عمدہ اعلیٰ ترین کپڑے کا، نہ انہیں کسی شہر کی سکونت سے روحانی مسرت ہوتی ہے، وہ چشموں اور جنگلوں میں رہتے ہیں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جماعت کے ساتھ ملتے ہیں۔'' (قصص الاولیاء ۲/۵۴)

ایک لڑکی کی حضرت ذوالنون کو نصیحت

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ میں ساحل سمندر پر گزر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی کھلے سر، زرد چہرہ چلی آرہی ہے۔ میں نے کہا، اے لڑکی! اپنے سر پر دوپٹہ اوڑھ لے۔ اس نے کہا، ایسے منہ پر جس پر ذلت برستی ہے دوپٹہ کی کیا ضرورت ہے؟ پھر کہا، اے بیہودہ! میرے پاس سے ہٹ جا، شب گزشتہ میں نے جام محبت نوش کیا ہے جس سے رات بھر طرب میں گزری اور اسی کی مستی میں، میں نے صبح کی ہے۔ میں نے کہا، اے لڑکی! مجھے بھی کچھ

نصیحت کر۔ کہا، اے ذوالنون! خاموشی، گوشہ نشینی اور قوت لایموت پر رضامندی اختیار کرو یہاں تک کہ موت آئے۔ رحمۃ اللہ علیہا۔ (قصص الاولیاء ۲/۵۶)

حضرت حبیب عجمی کی بیوی

حبیب عجمی کی بی بی بدخلق تھیں۔ ایک دن کہنے لگیں، اگر خدا تعالیٰ تمہارے پاس کوئی فتوحات نہیں بھیجتا ہے تو مزدوری کرو اور کسی مزدوری دینے والے کی خدمت کرو۔ حضرت جنگل میں تشریف لے گئے اور دن بھر عبادت میں مشغول رہے۔ پھر گھر کو لوٹے اور بیوی کے ڈر سے شرمندہ اور پریشان خاطر تھے۔ آتے ہی بیوی نے پوچھا کہ مزدوری کہاں ہے؟ فرمایا، جس کی میں نے مزدوری کی ہے، وہ بہت سخی ہے، میں نے مزدوری مانگنے میں جلدی نہ کی اور مجھے شرم آئی۔ اسی طرح کئی دن گزرے کہ جنگل میں جا کر عبادت کرتے اور رات کو گھر آتے۔ جب بی بی دریافت کرتیں تو کہتے، مجھے اُجرت میں جلدی کرتے شرم آتی ہے۔

جب بہت دن گزر گئے تو بیوی نے کہا، یا تو ان سے اپنی اجرت لے آؤ یا کسی اور کی مزدوری کرو۔ چنانچہ ان سے وعدہ کیا کہ آج ضرورت اجرت طلب کروں گا اور موافق عادت کے جنگل کی طرف چلے۔ جب شام ہوئی تو گھر آئے لیکن بیوی کی بدمزاجی سے ڈرے ہوئے تھے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ دھواں اٹھ رہا تھا اور دسترخوان چنا ہوا تھا اور بیوی خوش خوش پھر رہی تھی۔ دیکھتے ہی کہنے لگیں، تمہارے مستاجر نے کریموں ہی کی سی اجرت روانہ کی اور اس کے قاصد نے مجھ سے کہا کہ حبیب سے کہو کہ عمل میں زیادہ کوشش کرے اور یہ سمجھ لے کہ ہم نہ ہونے کی وجہ اجرت میں تاخیر نہیں کرتے ہیں، نہ بخیلی کی وجہ سے، اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور دل خوش رکھے۔ پھر انہیں چند توڑے دیناروں کے بھرے ہوئے دکھائے۔ یہ دیکھ کر حضرت بہت روئے اور فرمانے لگے، یہ اجرت اس نے بھیجی ہے جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کے خزانے ہیں۔ یہ سن کر بیوی نے بھی توبہ کی اور قسم کھائی کہ پھر کبھی انہیں ایسی تکلیف نہ دیں گی۔ (قصص الاولیاء ۲/۵۸)

گناہ سے بچنے کا انعام

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں طواف کر رہا تھا، اچانک ایک عورت پر نظر

پڑی جس کے کندھے پر ایک چھوٹا بچہ تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی ...... یا کریم عہدک القدیم...... میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کیا عہد ہے؟ کہنے لگی، ایک بار میں کشتی پر سوار ہوئی اور ایک قوم تاجروں کی ہمارے ساتھ تھی۔ اتفاقاً بہت زور کا طوفان آیا اور کشتی غرق ہوگئی۔ کشتی کے تمام لوگ غرق ہوگئے، صرف میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر اور ایک حبشی مرد جو دوسرے تختہ پر تھا، سلامت رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس حبشی نے میری طرف دیکھا اور پانی کو ہٹاتے ہٹاتے میرے قریب آیا اور ہمارے تختہ پر سوار ہوگیا اور مجھے راضی کرنے لگا۔ میں نے کہا، اے بندۂ خدا! کیا تجھے کچھ بھی خوف خدا نہیں ہے، ہم اس بلا میں گرفتار ہیں جس سے بجز اللہ کی اطاعت کے خلاصی ممکن نہیں چہ جائیکہ اس کی نافرمانی کریں۔ اس نے کہا، یہ باتیں چھوڑ دے، میں ضرور یہ کام کروں گا۔ یہ بچہ میری گود میں سویا ہوا تھا، میں نے اس کے چٹکی بھر لی، وہ جاگ کر رونے لگا۔ میں نے اس سے کہا، اے بندۂ خدا! ذرا صبر کر، میں اس بچہ کو سلا لوں، پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔ اس حبشی نے ہاتھ لمبا کر کے بچہ کو دریا میں ڈال دیا۔ میں نے آسمان کی جانب نگاہ کر کے کہا، اے اللہ! تو آدمی اور اس کے قلبی ارادوں کے درمیان حائل ہونے والا ہے، اپنی طاقت اور قدرت سے میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دے، تو سب چیزوں پر قادر ہے۔ قسم ہے اللہ کی، میں ابھی ان کلمات کو پورا بھی نہ کر سکی تھی کہ ایک جانور منہ کھولے ہوئے دریا سے نکلا اور اس حبشی کا ایک نوالہ کر گیا اور غوطہ لگا کر تہ آب چلا گیا اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے مجھے اس سے بچا لیا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر موجیں مجھے تھپیڑے دینے لگیں حتیٰ کہ ایک جزیرے میں پہنچایا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہاں کی سبزی اور پانی پر اپنا گزر کر لوں گی جب تک اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا کرے، وہی نجات دینے والا ہے۔ اس طرح چار روز مجھ پر گزرے، پانچویں دن دور سے ایک کشتی نظر آئی۔ میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر ان کی طرف کپڑے سے اشارہ کیا۔ ان میں سے تین آدمی ایک ناؤ میں بیٹھ کر میری طرف آئے۔ میں ان کے ساتھ ناؤ پر سوار ہو کر کشتی میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا وہ بچہ جس کو حبشی نے دریا میں ڈال دیا تھا، ایک حبشی کے پاس ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے اپنے آپ کو اس بچہ پر گرا دیا اور اسے چومنے لگی

اور کہا کہ یہ میرا بچہ ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ کشتی والے کہنے لگے، تو مجنونہ ہے، تیری عقل ماری گئی ہے۔ میں نے کہا، نہ میں مجنونہ ہوں، نہ میری عقل ماری گئی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے اور اپنا سارا قصہ کہہ سنایا۔ یہ سن کر انہوں نے سر جھکالیا اور کہا، اے لڑکی! تو نے عجیب قصہ سنایا۔ ہم بھی ایک قصہ سنا دیں گے جس سے تجھے بھی تعجب ہوگا۔

ہم موافق ہوا میں چل رہے تھے کہ ایک بڑا دریائی جانور ہمارے آڑے آیا اور سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ یہ بچہ اس کی پشت پر سوار تھا اور ایک منادی یہ آواز دے رہا تھا کہ اگر اس بچہ کو نہ لے چلو گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ایک آدمی ہم میں سے اس جانور کی پشت پر چڑھا اور اس بچہ کو لے آیا۔ اس کے کشتی پر آتے ہی وہ جانور غوطہ مار کر چلا گیا۔ ہمیں اس سے بھی اور تیرے بیان کئے ہوئے قصے سے بھی بہت تعجب ہوا۔ ہم سب خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد ہمیں معصیت میں نہ دیکھے گا۔ چنانچہ ان سب نے توبہ کی۔

پاک ہے وہ بندوں پر لطف کرنے والا، ان کی خبر رکھنے والا اور مصیبت زدوں کی مدد کرنے والا۔ (قصص الاولیاء ۲/۶۰)

ایک شب بیدار باندی کا ذکر خیر

ایک بادشاہ کے پاس ایک لونڈی تھی، اسے جوہرہ کہتے تھے، اسے بادشاہ نے آزاد کر دیا۔ وہ ابوعبداللہ ترابی کے پاس ان کے جھونپڑے میں جہاں وہ عبادت خدا میں مشغول تھے، گئی اور ان سے نکاح کرلیا اور ان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوگئی۔ ایک شب اس نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے خیمے نصب ہیں۔ پوچھا، یہ کس کے لئے ہیں؟ کہا گیا کہ یہ تہجد گزاروں کے لئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سونا ترک کر دیا اور اپنے شوہر کو جگاتی اور کہتی، اے ابوعبداللہ! قافلہ نکل چکا اور یہ اشعار پڑھتی تھی:

ارنی بعد الدار لم اقرب الجمی
وقد نصبت للساھرین خیام
علامة طردی ملول لیلی نا
وغیری یری ان المنام حرام

''دیکھتی ہوں میں کہ میرا گھر دور ہے اور اپنے باغ کے قریب بھی نہیں پہنچی اور شب بیداروں کے لئے خیمے گڑھے ہوئے ہیں۔ یہ میرے مطرود اور مردود ہونے کی دلیل ہے کہ میں ساری رات سوتی ہوں اور دوسرے لوگ اپنے اوپر نیند کو حرام کئے ہوئے ہیں۔'' (قصص الاولیاء ۲/۶۳)

شیخ کرمانی کی بیٹی

بادشاہ کرمان نے شیخ شاہ کرمانی کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے جواب کے لئے تین دن کی مہلت مانگی اور مساجد میں تلاش کرنے گئے۔ ایک لڑکا دیکھا کہ اچھی طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ جب فارغ ہوا تو بلایا، اے لڑکے! تمہاری کوئی بیوی ہے۔ اس نے کہا، نہیں۔ فرمایا، تو نکاح کرنا چاہتا ہے ایسی لڑکی سے جو قرآن پاک پڑھتی ہے اور نماز روزہ کی پابند ہے اور خوبصورت، پاک سیرت، عفیفہ ہے۔ اس نے کہا، کون مجھ سے نکاح کردے گا۔ شاہ نے کہا، میں کئے دیتا ہوں۔ یہ درہم ہے، ایک کی روٹی، ایک کا سالن اور ایک کا عطر خرید لا اور سب کام تیار ہے۔ اور اس کا نکاح اپنی لڑکی سے پڑھا دیا۔

جب لڑکی اس کے مکان میں آئی تو گھڑے پر ایک سوکھی روٹی دیکھی۔ کہا کہ یہ کیسی روٹی ہے؟ اس نے کہا، یہ کل کی بچی ہوئی روٹی ہے، میں نے افطار کے لئے رکھ چھوڑی ہے۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹنے لگی۔ لڑکے نے کہا، میں جانتا تھا کہ شاہ کرمانی کی بیٹی مجھ فقیر پر قناعت نہ کرے گی اور راضی نہ ہوگی۔ کہنے لگی، شاہ کرمانی کی بیٹی تیری فقیری کی وجہ سے نہیں لوٹتی ہے بلکہ تیرے ضعف یقین کی وجہ سے لوٹتی ہے۔ مجھے تجھ سے تعجب نہیں اپنے باپ سے تعجب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک جوان عفیف سے تیرا نکاح کردیا ہے۔ انہوں نے ایسے شخص کو کیونکر عفیف کہا جو خدا تعالیٰ پر بدون روٹی جمع کئے اعتماد نہیں رکھتا۔ اس جوان نے عذر خواہی کی۔ لڑکی نے کہا، اپنے عذر کو تم جانو لیکن میں ایسے گھر میں، جہاں ایک وقت کی بھی خوراک ہو، نہیں رہوں گی۔ اب یا تو میں نکل جاؤں گی یا روٹی یہاں سے نکال دی جائے۔ چنانچہ اس جوان نے روٹی خیرات کردی۔ (قصص الاولیاء ۲/۶۴)

ایک خدا پرست لونڈی

شیخ محمد حسین بغدادی فرماتے ہیں۔ ایک سال میں حج کو گیا۔ ایک روز مکہ معظمہ کے بازاروں میں پھر رہا تھا، ایک بوڑھا شخص ایک لونڈی کا ہاتھ پکڑے نظر آیا۔ لونڈی کا رنگ بدلا ہوا، جسم دبلا، اس کے چہرے سے نور چمکتا اور روشنی ظاہر تھی۔ وہ بوڑھا پکار کر کہہ رہا تھا، کوئی طالب لونڈی کا ہے، کوئی اس کی رغبت کرنے والا ہے، کوئی بیس دینار سے بڑھنے والا ہے، میں اس لونڈی کے سب عیبوں سے بری الذمہ ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ میں اس کے قریب گیا اور کہا، قیمت اس لونڈی کی معلوم ہوگئی، اس میں عیب کیا ہے؟ کہا، یہ لونڈی مجنونہ ہے، غمگین رہتی ہے، راتوں کو عبادت کرتی، دن کو روزہ رکھتی ہے، نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ ہر جگہ تنہا (اکیلی) رہنے کی عادی ہے۔ جب میں نے یہ کلام سنا، میرے دل نے اس کو چاہا۔ میں نے قیمت دے کر اس کو خرید لیا اور اس کو اپنے گھر لے گیا۔ لونڈی کو سر جھکائے دیکھا، پھر اس نے اپنا سر میری جانب اٹھا کر کہا، اے میرے چھوٹے مولیٰ! خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے، تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا، عراق میں رہتا ہوں۔ کہا، کون سا عراق؟ بصرے والا عراق یا کوفے والا؟ میں نے کہا، نہ بصرے والا، نہ کوفے والا۔ پھر لونڈی نے کہا، شاید تم مدینۃ الاسلام بغداد میں رہتے ہو؟ میں نے کہا، ہاں۔ کہا، واہ واہ! وہ شہر زاہدوں عابدوں کا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ مجھ کو تعجب ہوا۔ میں نے کہا، لونڈی حجروں کی رہنے والی، ایک حجرے سے دوسرے حجرے میں بلائی جانے والی، زاہدوں عابدوں کو کیسے جانتی ہے؟ پھر میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر دل لگی سے پوچھا، تم بزرگوں میں کس کس کو پہچانتی ہو؟ کہا، میں مالک بن دینار، بشر حافی ، صالح مزنی ، ابوحاتم بجستانی ، معروف کرخی، محمد بن حسین بغدادی، رابعہ عدویہ، شعوانہ، میمونہ، ان بزرگوں کو پہچانتی ہوں۔ میں نے پوچھا، ان بزرگوں سے اور تم سے کہاں کی شناخت ہے؟ لونڈی نے کہا، اے جوان! کیسے نہ پہچانوں، قسم خدا کی! وہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں، محبت کو محبوب کی راہ دکھلانے والے ہیں۔ پھر میں نے کہا، اے لونڈی! میں محمد بن حسین ہوں۔

اس نے کہا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی تھی اے ابوعبداللہ! کہ خدا تعالیٰ تم کو مجھ سے ملا دے، تمہاری وہ خوش آواز جس سے مریدوں کے دل زندہ ہوتے تھے اور سننے والوں کی آنکھیں روتی تھیں، کیا ہوئی؟ میں نے کہا، اپنے حال پر ہے۔ کہا، تم کو خدا تعالیٰ کی قسم ہے مجھ کو کچھ قرآن شریف کی کچھ آیتیں سناؤ۔ میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ اس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ میں نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا۔ ہوش میں آئی، پھر کہا، اے ابوعبداللہ! یہ تو اس کا نام ہے، کیا حال ہوگا اگر میں اس کو پہچانوں اور جنت میں اس کو دیکھوں، اور پڑھو خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میں نے یہ آیت پڑھی:

﴿ام حسب الذین اجترحوا السیآت نجعلھم...... سے...... سأما یحکمون...... تک﴾

''کیا گمان کرتے ہیں جنہوں نے گناہ کئے ہیں کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک عمل والوں کے برابر کردیں گے، ان کی موت اور زندگی برابر ہے، برا ہے جو کفار حکم لگاتے ہیں۔''

پھر اس نے کہا، اے ابوعبداللہ! ہم نے نہ کسی بت کو پوجا اور نہ کسی معبود کو قبول کیا، پڑھے جاؤ خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میں نے پھر یہ آیت پڑھی:

﴿انا اعتدنا للظالمین نارا سآء ت مرتفقاً...... تک﴾

''ہم نے ظالموں کے واسطے آگ تیار کر رکھی ہے، ان کے گرد آگ کے خیمے ہوں گے، اگر پانی طلب کریں گے تو گرم پانی مثل تانبہ گلے ہوئے کے پائیں گے جو ان کے چہرے جھلس دے گا۔ برا ہے پینا اور بری ہے آرام گاہ ان کی۔''

پھر کہا، اے ابوعبداللہ! تم نے اپنے نفس کے ساتھ ناامیدی لازم کرلی ہے، اپنے دل کو خوف اور امید کے درمیان آرام دو، کچھ اور پڑھو، خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ پھر میں نے پڑھا:

﴿وجوہ یّومئذٍ مستفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ وجوہ یّومئذٍ ناضرۃ الٰی ربّھا ناظرۃ﴾

''بعضے منہ قیامت کے دن خوش ہنستے بشاش ہوں گے اور بعضے منہ اس دن
تازے اپنے پروردگار کو دیکھنے والے ہوں گے۔''

پھر کہا، مجھ کو کس قدر شوق اس کے ملنے کا ہوگا جس دن وہ اپنے دوستوں کے واسطے ظاہر ہوگا، اور پڑھو خدا تعالیٰ رحم کرے۔ پھر میں نے پڑھا:

﴿یطوف علیهم ولدان مخلدون باکواب واباریق وکاسٍ
مّن مّعینٍ لا یصدعون عنها ولا ینزفون﴾

''طواف کریں گے اہل جنت پر لڑکے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، ہاتھوں
میں کوزے اور لوٹے اور پیالے شراب معین کے لئے ہوئے، نہ پینے
والوں کا سر پھرے گا اور نہ وہ بہکیں گے۔''

پھر کہا، اے ابو عبداللہ! میں خیال کرتی ہوں، تم نے حور کو پیغام دیا ہے، کچھ ان کے مہر کے واسطے بھی خرچ کیا ہے؟ میں نے کہا، اے خدا کی نیک بندی! مجھے بتا دے، وہ کیا چیز ہے میں تو بالکل مفلس ہوں۔ کہا، شب بیداری اپنے اوپر لازم کرلو اور ہمیشہ روزہ رکھا کرو اور فقیر اور مسکینوں سے محبت کرتے رہو۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ لونڈی بے ہوش ہوگئی اور میں نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ ہوش میں آئی، پھر مناجات پڑھتے پڑھتے بے ہوش ہوگئی۔ میں نے پاس جا کر دیکھا، وہ مرچکی تھی۔ مجھے اس کے مرنے کا بہت غم ہوا، بازار گیا تا کہ اس کے لئے کفن دفن کا سامان لاؤں۔ واپس آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ کفنائی ہوئی، خوشبو لگی ہوئی، جنتی سبز دو حلے اس پر پڑے ہیں، کفن میں دو سطروں میں لکھا ہے۔ سطر اوّل...... لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... اور دوسری پر ...... الا ان اولیاء اللّٰه لا خوف علیهم ولا هم یحزنون...... میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا اور نماز پڑھ کر دفن کر دیا۔ اس کے سرہانے میں نے سورۂ یٰسین پڑھی اور اپنے حجرے میں غمگین روتا ہوا واپس آیا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہا۔

خواب میں دیکھا کہ وہ لونڈی بہشت میں ہے، جنتی حلے پہنے زعفران زار کے تختے میں ہے، سندس واستبرق کا فرش ہے، سر پر تاج مرصع، موتی جواہرات ٹکے ہوئے، پاؤں میں یاقوت سرخ کی جوتی پہنے ہوئے، اس سے عنبر ومشک کی خوشبو آ رہی ہے، چہرہ اس کا ماہتاب آفتاب

سے زیادہ روشن ہے۔ میں نے کہا، ٹھہر اے ولیہ! کس عمل نے تجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا؟ جواب دیا، فقیروں، مسکینوں کی محبت، کثرت استغفار، مسلمانوں کی راہ سے ان کے ایذاء دینے والی چیز دور کرنے نے مجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہے۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۷)

ایماندار لونڈی

ایک اہل علم فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک لونڈی حسینہ حیادار آیا کرتی تھی۔ اکثر اوقات شریعت اسلام کے احکام پوچھا کرتی اور دین کی باتیں دریافت کرتی، میں اس کی باتوں کا جواب دیتا اور نرمی سے پیش آتا۔ اس کا جمال پردے اور پوشیدگی کی جانب مائل تھا، اس کی روش اور اس کا جمال مجھے بھلا معلوم ہوتا تھا۔

ایک مدت کے بعد ایک روز میں بازار جا رہا تھا، میری نگاہ اسی لونڈی پر پڑی، ایک شخص اس کا ہاتھ پکڑے کہہ رہا تھا، کون اس عیب دار لونڈی کو مول لیتا ہے۔ میں نے لونڈی سے کہا، کیا تو وہ نہیں ہے جو مجھ سے دین اور شریعت اسلام کی باتیں پوچھا کرتی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا اور اشارہ سے کہا، ہاں۔ میں نے اس مرد سے کہا کہ لونڈی کو چھوڑ دے۔ اس نے جواب دیا کہ اے سردار! مجھ کو یہ قدرت نہیں ہے، اس لونڈی کا مالک مجوسی ہے، اس لونڈی نے اس کو غضب ناک کیا ہے۔ ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس لونڈی کا مالک آ پہنچا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا کہ اپنی لونڈی کا حال بیان کر و اور جو بات اس کی تم کو ناپسند ہے، وہ ظاہر کرو۔

راوی کا بیان ہے کہ مالک نے کہا، وہ شخص مجوسی ہے، آگ اور روشنی کی عبادت کرتا ہے اور کہا کہ میں نے اس لونڈی کو پسند کیا تھا، اس کی عقل اور خوبصورتی دیکھ کر خریدا تھا اور بہت قیمت خرچ کی اور اس کو دیکھتا تھا کہ ہمارے معبود کی بہت عبادت و تعظیم محبت کے ساتھ کرتی تھی۔ رات ایک شخص تمہارے مذہب والا ہمارے یہاں آیا اور تمہاری کتاب سے کچھ پڑھا۔ اس لونڈی نے سنتے ہی چیخ ماری۔ ہم لوگوں کو دہشت ہوئی اور لونڈی حیران تھی۔ ہم اس سے پوچھتے تھے، کچھ جواب نہ دیتی تھی۔ اس نے ہم کو چھوڑا، ہمارے معبودوں کی عبادت ترک کی، ہمارا کھانا کھانے سے انکار کیا۔ جب رات ہوئی تو تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ ہم نے بہت کچھ منع کیا مگر باز نہ آئی، اس کی رونق جمال جاتی رہی اور حالت بدل گئی۔ ہم کو اس سے کوئی

فائدہ حاصل نہ ہوا اور نہ اس کو اس حال سے پھیرنے کی طاقت ہے۔ اب میں نے اس کے بیچنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں نے اس لونڈی سے کہا، کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا، ہاں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بوجہ جہل کے اس کو عیب لگاتا ہے۔ پھر میں نے لونڈی سے پوچھا، کون سی آیت تجھ کو پڑھ کر سنائی تھی۔ کہا:

﴿ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین﴾

''اللہ کی طرف رجوع کرو، میں تم کو ڈرانے والا ظاہر ہوں اور خدا کی عبادت میں دوسرا معبود شریک نہ کرو میں تم کو اس سے ڈرانے والا ہوں۔''

لونڈی نے کہا، جب سے یہ آیت میں نے سنی ہے، میں بے صبر ہوگئی اور جو حالت تم دیکھتے ہو، پیدا ہوگئی۔ میں نے کہا، اگر تمام آیت تجھ کو سناؤں تو کیا ہو۔ لونڈی نے کہا کہ اگر تم اچھی طرح پڑھ سکتے ہو تو پڑھو۔ میں نے باقی آیتیں پڑھیں:

﴿ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین...... تک﴾

اس نے کہا، خوب پڑھا، جس امر کا خدا ضامن ہوا تجھ کو کافی ہے۔ پھر میں نے اس کے مالک سے کہا، کیا تم اس کی قیمت مجھ سے لیتے ہو۔ اس نے کہا، اس کی بڑی قیمت ہے اور میرا ایک چچازاد بھائی اس سے محبت رکھتا ہے، مجھ سے لینا چاہتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس کو ان خیالات سے جو پیش آئے ہیں، پھیر دے گا اور وہ مجوسی مذہب ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ ہم سے باتیں کر رہا تھا کہ اس کا چچازاد بھائی آ گیا اور کہا کہ میں اس کو اس کے دین سے پھیر دوں گا۔ مالک نے اس کے حوالے کر دیا۔ جب لونڈی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے مجھ سے کہا، اے شیخ! اب تو اس کی کوئی بات نہ سن، میری اس کے ہاں ضرور بڑی شان ہوگی، خداوند کریم تجھ کو اس کی اطلاع دے گا۔

کچھ عرصہ بعد میں نے دیکھا کہ وہ مجوسی جو لونڈی کو لے گیا تھا، ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ میں نے اس سے کہا، کیا تم اس لونڈی کے مالک نہیں؟ کہا، کیوں نہیں۔ میں نے کہا، اب کیا خبر ہے؟ کہا، اچھی خبر ہے۔ میں وہ لونڈی اپنے گھر لے گیا، کسی کام کو گھر سے نکلا۔ جب گھر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس لونڈی نے ایک کرسی بچھائی اور خود اس پر بیٹھی ہے

اور خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی وحدانیت بیان کر رہی ہے اور میرے گھر والوں کو آگ کی عبادت سے ڈراتی ہے اور منع کرتی ہے۔ جنت کی تعریف کر رہی ہے۔ میں ڈرا کہ یہ ہمارا دین بگاڑ دے گی۔ میں نے دل میں کہا کہ میں تو اس کو اس نیت سے لایا ہوں کہ اس کا دین بگاڑوں مگر یہ ہمارا دین مٹانے لگی۔ میں نے اس کا حال اپنے ایک دوست سے بیان کیا اور اس سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اب میں کیا کروں؟ اس نے کہا، اس کے پاس کچھ مال امانت رکھ دو اور اس سے پوشیدہ لے لو، پھر اس سے طلب کرو، وہ دینے سے عاجز ہوگی، تم کو اس کے اوپر حجت ہوگی، پھر اس کو خوب مارنا۔

مجوسی کہتا ہے کہ میں نے اس کے پاس ایک تھیلی پانچ سو درہم کی امانت رکھی۔ وہ حسب عادت اپنی نماز میں مشغول ہوئی، میں نے وہ تھیلی لے لی، اس کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ میں نے اس سے طلب کی، جس جگہ رکھی تھی، وہ فوراً کود کر وہاں سے نکال لائی اور میرے حوالہ کر دی۔ مجھے سخت تعجب ہوا، میں نے جی میں کہا، میں تھیلی نکال لایا اور یہ تو دوسری تھیلی ہے۔ اب آنکھوں سے دیکھ کر ہرگز شک نہیں کہ جس خدا کی یہ عبادت کرتی ہے، اس کی بڑی قوت ہے۔ میں اس کے خدا پر ایمان لایا اور میرا دوست اور سب گھر والے مسلمان ہو گئے اور اس لونڈی کو حسب خواہش اس کے چھوڑ دیا۔ وہ ہمیشہ محبت خدا کو چھپائے رہی یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کا حال لوگوں پر ظاہر کر دیا۔ (قصص الاولیاء ۲/۷۶)

جنت میں ان کی جگہ میرے پڑوس میں ہے

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ ایک شب مجھے نیند نہ آئی، نہایت درجہ بے چین ہوا، میں آنکھ تک بند نہ کر سکا باوجود یہ کہ اس شب کو تہجد سے بھی محروم رہا، جب فجر کی نماز پڑھ چکا گھر سے نکلا، کسی طرح مجھے قرار نہ تھا۔ پھر میں جامع مسجد میں ٹھہر گیا اور ایک واعظ کا وعظ سننے لگا تا کہ کچھ دل کو راحت ہو، میں نے اپنے دل کو پایا کہ سختی اس کی بڑھتی جاتی ہے۔ میں وہاں سے چل دیا، دوسرے واعظ کے پاس ٹھہرا، وہاں بھی دل کا اضطراب کم نہ ہوا۔ پھر میں نے اپنے جی سے کہا، دل کے طبیبوں کے پاس جاؤں اور جو لوگ محبت کو محبوب کی راہ بتاتے ہیں، ان سے ملوں۔ پھر بھی میرے دل کو قرار نہ ہوا اور سختی بڑھتی گئی۔ پھر میں نے سوچا، اب

کوتوالی میں جاؤں اور وہاں لوگوں کو سزا پاتے دیکھ کر شاید کچھ عبرت ہو، مگر وہاں بھی دل کی سختی کم نہ ہوئی۔ پھر میں نے کہا، چلوں قید خانہ کو شاید ان لوگوں کو جو مبتلائے عذاب ہیں، دیکھ کر دل ڈرے۔

جب میں قید خانہ میں داخل ہوا، اپنے دل کو پایا کہ کھل گیا اور میرا سینہ کشادہ ہو گیا۔ ایک لونڈی خوبصورت قیمتی اوڑھنی اوڑھے نظر آئی، اس کے پاس سے عطر کی خوشبو آتی تھی، پاک نظر نیک دل تھی۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑی پڑی ہوئی تھی۔ جب مجھے دیکھا، آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے:

میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں کہ بغیر گناہ کیے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر گردن میں لٹکادی اور ان ہاتھوں نے نہ کبھی خیانت کی، نہ چوری کی۔
میرے پہلو میں جگر ہے، میں جانتی ہوں، وہ جل گیا۔ قسم تیرے حق کی اے دل کی مراد! میں سچی قسم کھاتی ہوں۔ اگر تو میرے دل کے ٹکڑے کر ڈالے، تیرے حق کی قسم ہے کبھی تجھ سے نہ پھرے گا۔"

شیخ سری فرماتے ہیں، میں نے داروغہ سے دریافت کیا، یہ کون ہے۔ اس نے کہا، لونڈی ہے، دیوانی ہوگئی، اس کے مالک نے یہاں قید کیا ہے تاکہ درست ہو جائے۔ جب اس لونڈی نے داروغہ کا کلام سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شیخ سری فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے وہ باتیں سنیں جنہوں نے مجھے بے چین کر دیا، مجھے غم دیا، جلایا، رُلایا۔ جب لونڈی نے میرے آنسو دیکھے تو کہا، اے سری! یہ تمہارا رونا اس کی صفت سن کر ہی ہے، کیا حال ہوا گر تم اس کو پہچان لو۔ پھر ایک ساعت وہ بے ہوش رہی، جب ہوش آیا، میں نے کہا، اے لونڈی! جواب دیا۔ لبیک اے سری۔ میں نے کہا، تو نے مجھے کیسے پہچانا؟ کہا، جب سے مجھ کو معرفت حاصل ہوئی، جاہل نہیں رہی اور جب سے خدمت کی، سست نہ ہوئی اور جب سے وصل ہوا، جدا نہ ہوئی اور درجہ والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا، تجھ سے سنا کہ تو محبت کرتی ہے، تیرا دوست کون ہے؟ کہا، جس نے اپنے محبوں کے ساتھ مجھ کو معرفت دی اور اپنے بڑے عطا کے ساتھ سخاوت کی۔ وہ دلوں کے پاس ہے، محبوب کے طلب کا دست ہے، سنتا اور جانتا ہے، پیدا کرنے والا، حکمت والا، سخی، کریم، بخشنے والا، رحیم ہے۔ میں نے پوچھا، تجھ کو یہاں

کس نے قید کیا؟ کہا، حاسدوں نے، باہم [illegible]دی اور قول وقرار کیا۔ پھر وہ بآواز بلند چلائی۔ میں نے خیال کیا کہ اس نے زندگی چھوڑ دی، پھر یہ ہوش میں آئی۔

شیخ سری فرماتے ہیں کہ میں نے داروغہ مجلس سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، اس نے چھوڑ دیا۔ میں نے اس سے کہا، جہاں تیرا دل چاہے چلی جا۔ کہا، اے سری! میں کہاں جاؤں اسے چھوڑ کر، میرا کدھر راستہ ہے، میرے دل کے دوست نے اپنے مملوک کو میرا مالک بنا دیا، اگر میرا مالک راضی ہوگا چلی جاؤں گی ورنہ صبر کروں گی۔ میں نے کہا، خدا کی قسم! یہ تو مجھ سے زیادہ عقلمند ہے۔ میں اسی حال میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ اس کا مالک آ گیا اور داروغہ سے پوچھا، تحفہ (اس کی لونڈی) کہاں ہے؟ کہا، اندر ہے اور اس کے پاس شیخ سری سقطی بیٹھے ہیں۔ مالک یہ سن کر بہت خوش ہوا، اندر آیا اور مجھے مرحبا کہا اور میری تعظیم کی۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ لونڈی بہ نسبت میری تعظیم کی زیادہ مستحق ہے، اس کی کیا حرکت مجھے ناپسند ہے؟ مالک نے کہا، بہت سی باتیں ہیں۔ نہ کھائے نہ پیے، بے عقل، نہ خود سوئے نہ ہم کو سونے دے، ہر وقت متفکر رہتی ہے، ذرا سی بات پر فوراً رو دے، آہ و نالے سے کام ہے، سدا رویا کرتی ہے اور یہی میری پونجی ہے۔ میں نے اپنا تمام مال بیس ہزار درہم دے کر اس کو خریدا تھا اور امید کی تھی کہ نفع حاصل ہوگا کیونکہ حسن و جمال کے علاوہ اور کام بھی جانتی ہے۔ میں نے پوچھا اور کیا کام کرتی ہے؟ کہا، گانا جانتی ہے۔ میں نے پوچھا، کتنی مدت سے یہ مرض اس کو ہے؟ کہا، ایک برس سے۔ میں نے کہا، ابتدا کیسے ہوئی؟ کہا، ایک مرتبہ عود لئے گا رہی تھی، دفعتاً عود توڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور روئی چلائی۔ میں نے اس کو انسان کی محبت کی تہمت لگائی، پھر اس کی تحقیقات کی مگر کچھ علامت ونشان نہ پایا۔

پھر میں نے لونڈی سے پوچھا، کیا ایسا ہی معاملہ ہے۔ لونڈی نے تیز زبان اور جلے دل سے جواب دیا، میرے دل سے خدا نے مجھ کو خطاب کیا، میرا وعظ میری زبان پر تھا، مجھے بعد دوری کے قریب کیا اور خدا نے مجھے خاص منتخب کیا۔ جب میں بہ رضا و رغبت بلائی گئی، میں نے قبول کیا اور لبیک اپنے بلانے والے کے جواب میں کہی، جو کچھ گناہ مجھ سے سابق میں ہوئے تھے، میں ان سے ڈری مگر محبت نے خوف دفع کر کے آرزوؤں میں ڈال دیا۔

شیخ سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے مالک سے کہا کہ میرے ذمہ اس کی

قیمت ہے اور میں زیادہ دوں گا۔ مالک چلایا اور کہا، ہائے محتاجی تیرا برا ہو، تم تو ایک مرد فقیر ہو، اس لونڈی کی قیمت کہاں پاؤ گے؟ میں نے کہا، جلدی نہ کرو، تم یہیں رہو میں اس کی قیمت لاتا ہوں۔ پھر وہاں سے چل دیا، غمگین روتا ہوا۔ قسم خدا کی میرے پاس لونڈی کی قیمت ایک درہم بھی نہ تھا۔ تمام رات خدا تعالیٰ کی درگاہ میں روتا رہا اور خوشامد و عاجزی کرتا رہا اور اس سے دُعا مانگتا تھا۔ تمام رات آنکھ نہ جھپکی اور کہتا تھا، خداوندا! تو ظاہر و باطن خوب جانتا ہے، میں نے تیرے فضل پر اعتبار کیا، مجھے رسوا نہ کرنا، اس مالک کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔ اسی حال میں عبادت خانہ میں بیٹھا دُعا مانگ رہا تھا کہ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا، دروازہ میں کون ہے؟ کہا، دوستوں میں سے ایک دوست ہے، کسی سبب سے آیا ہے، خدائے مہربان کا حکم اس کو یہاں لایا ہے۔

میں نے دروازہ کھولا، ایک شخص، چار غلام اس کے ہمراہ شمع لئے۔ پھر اس آنے والے نے کہا، اے استاد! مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟ میں نے کہا، آؤ۔ وہ شخص اندر آیا۔ میں نے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا، احمد بن مثنیٰ ہوں، مجھے ایسے شخص نے دیا ہے کہ وہ دیتے وقت بخل نہیں کرتا۔ میں آج کی رات سو رہا تھا کہ ہاتف غیبی نے پکار کر کہا، پانچ توڑے اشرفیاں سری کے پاس لے جا، ان کا دل خوش ہو اور وہ تحفہ کو خرید لیں کیونکہ ہم کو تحفہ کے حال پر مہربانی ہے۔ میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی اور فجر کا انتظار کرنے لگا۔ جب صبح کی نماز ادا کی، احمد کا ہاتھ پکڑ کر قید خانے لے گیا۔ لونڈی کا محافظ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہا، مرحبا آیئے، خدا کے نزدیک اس لونڈی کے واسطے مہربانی ہے، رات کو ہاتف نے مجھ سے پکار کر کہا ہے۔

شیخ سری سقطی فرماتے ہیں کہ تحفہ نے جب ہم کو دیکھا، اس کے آنسو ڈبڈبا آئے اور کہا، تم نے مجھے سب لوگوں میں مشہور کر دیا۔ اسی حال میں تحفہ کا مولیٰ (مالک) آ گیا، روتا ہوا، دل غمگین، رنگ فق۔ میں نے کہا، مت رو جس قدر تم نے اس کی قیمت دی ہے، میں لایا ہوں اور پانچ ہزار نفع دوں گا۔ اس نے کہا، نہیں خدا کی قسم۔ میں نے کہا، دس ہزار نفع لے لو۔ کہا نہیں خدا کی قسم نہ لوں گا۔ میں نے کہا، قیمت کے برابر نفع لے لو۔ کہا، اگر تمام دنیا اس کے عوض دو گے تو بھی نہ قبول کروں گا، تحفہ خدا کے واسطے آزاد ہے۔ میں نے کہا، کیا حال ہے؟ جواب دیا،

رات کو مجھے سخت تنبیہ اور جھڑکی دی گئی، میں تمام حال میں چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگا ہوں۔
خدایا! تو کشائش کے ساتھ میرا کفیل ہو اور میرے رزق کا ضامن۔

پھر ابن مثنیٰ میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے دیکھا، وہ رو رہا تھا۔ میں نے کہا، تم کیوں روتے ہو؟ کہا، خداوند تعالیٰ نے جس کام کی طرف مجھے بلایا، اس سے راضی نہ ہوا۔ تم گواہ رہو میں نے اپنا تمام مال راہ خدا میں خیرات کر دیا۔ میں نے کہا، تحفہ کیا بڑی صاحب برکت ہے۔ تحفہ کھڑی ہو گئی، جو کپڑے پہنے تھی، اتار کر پھینک دیئے اور ایک کرتا بالوں کا پہن لیا اور روتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ہم لوگوں نے اس سے کہا، خدا تعالیٰ نے تم کو آزاد کر دیا پھر کس لئے روتی ہو؟ پھر ہم قید خانہ کے دروازے سے نکلے، اثنائے راہ میں تحفہ کو تلاش کیا اپنے ہمراہ نہ پایا۔ ابن مثنیٰ راستہ میں مر گئے۔ میں اور تحفہ کا مولیٰ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ ایک دن میں طواف کر رہا تھا کہ کسی زخمی دل سے کلام مجروح سنا۔ وہ کلام یہ ہے:

> ”خدا کا دوست دنیا سے بیمار، اس کا مرض دراز ہے، اس کی دوا خود مرض ہے۔ اس کو شراب محبت کا پیالہ دیا اور خوب پلا کر سیر کر دیا۔ پھر تو وہ دوست اس کی محبت میں حیران ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہوا، بجز اس کے دوسرا محبوب نہیں چاہتا۔ یہی حال ہے جو براہ شوق خدا کی طرف بلایا جائے اس کی محبت میں حیران رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا دیدار نصیب ہو۔“

میں اس آواز کی جانب گیا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو کہا، اے سری! میں نے کہا، لبیک، تم کون ہو، خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ کہا، لا إلہ الا اللہ، بعد معرفت کے اب انجان ہو گئے، میں تحفہ ہوں۔ وہ اس وقت بالکل ضعیف و ناتواں تھی جیسے کسی کا خیال دل میں گزرے، اسی طرح وہ نظر آتی تھی۔ میں نے کہا، اے تحفہ! جب سے تم خلق سے جدا ہو کر خدائے تعالیٰ کی طرف مائل ہوئی ہو، خدا تعالیٰ سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اس نے کہا، اپنے قرب سے انس دیا، غیر سے مجھے وحشت دی۔ پھر میں نے کہا، ابن مثنیٰ مر گئے۔ کہا، خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ میرے مولیٰ نے ان کو وہ کرامات عطا کئے ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، جنت میں ان کی جگہ میرے پڑوس میں ہے۔ پھر میں نے کہا، تمہارا مالک جس نے تم کو آزاد کیا

ہے، میرے ساتھ ہے۔ یہ سن کر تحفہ نے کچھ دُعا مخفی مانگی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے تحفہ کعبہ کے روبرو مردہ نظر آئی۔ جب اس کے مالک نے اس کو مردہ دیکھا، اپنے کو سنبھال نہ سکا، منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے پاس جا کر ہلایا، وہ بھی دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ پھر میں نے دونوں کے غسل و کفن سے فراغت کر کے دونوں کو دفن کر دیا، ان پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو۔

(قصص الاولیاء ۲/۸۱)

زندگی کی لذت دیوانوں کو ہی نصیب ہے

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیت المقدس کے صحراء میں چلا جا رہا تھا کہ ایک آواز میرے کان میں پڑی۔ کوئی کہتا ہے:

"اے بے حد و بے انتہا نعمتوں والے! اور اے جود اور حقیقی بقا والے! میری قلبی نگاہ کو اپنے میدان جبروت میں جولانی دے کر نفع مند کر اور میری ہمت کو اپنے لطف کے متصل فرما، اور اے رؤف! اپنے جلال کے صدقہ مجھے متکبرین اور سرکشوں کی راہوں سے پناہ دے اور تنگی اور فراخی دونوں حالتوں میں مجھے اپنا خادم اور طالب رکھ اور اے میرے دل کے روشن کرنے والے اور میرے مطلوب حقیقی! میرے قصد میں تو ہی میرے ساتھ رہی۔"

ذوالنون فرماتے ہیں کہ میں اس عجیب مضمون کو سن کر اس آواز کے پیچھے ہولیا۔ شدہ شدہ معلوم ہوا کہ وہ ایک عورت کی آواز تھی جو ریاضت و مجاہدات کی آگ میں جل کر مثل سوختہ آتش ہو گئی تھی اور بدن پر اس کے ایک اون کا کرتا اور سر پر بالوں کا دوپٹہ تھا، مشقت الٰہی نے اسے بالکل لاغر بنا کر رکھ دیا تھا اور اندوہ نہانی نے فنا کر دیا تھا اور عشق الٰہی کی آگ نے پگھلا دیا تھا۔ میں نے قریب جا کر کہا، السلام علیکم۔ جواب ملا، وعلیکم السلام، اے ذوالنون! میں نے تعجب سے کہا،......لا الٰہ الا اللہ!...... تو نے میرا نام کس طرح جانا، تو نے آج کے سوا مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کہا، ذوالنون! میرے محبوب حقیقی نے اسرار کے پردے مجھ سے اٹھا دیئے ہیں اور قلب سے اندھا پن کھو دیا، اس لئے مجھے تیرا نام معلوم ہو گیا۔ ذوالنون فرماتے ہیں کہ

میں نے اسے کہا کہ تو اپنی مناجات پھر کر۔ یہ سن کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا:

''اے نور اور رونق والے! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جس شے کے شر کو میں ادراک کرتی ہوں، اسے مجھ سے علیحدہ کر دے کیونکہ میں اس زندگی سے بہت متوحش ہوں۔''

یہ کہہ کر ذرا سی دیر کے بعد مردہ ہو کر گر پڑی اور میں حیران، متفکر کھڑا رہ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک بڑھیا آئی اور اس کے چہرہ کو دیکھ کر بولی:

﴿الحمدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اکرمھَا﴾

''تمام تعریف اللہ کو ہے جس نے اس کو معزز فرمایا۔''

میں نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے اور تم کون ہو اور یہ کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا، مجھے زہراء والہانہ کہتے ہیں اور یہ میری بیٹی ہے۔ بیس برس سے اس کی یہی حالت ہے۔ لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ دیوانی ہو گئی ہے مگر واقعی بات یہ ہے کہ شوق الٰہی نے اس حال پر پہنچایا تھا۔ سبحان اللہ! کیا خوب کسی شاعر نے کہا:

قالوا جننت بمن تھوی فقلت لھم
ما لذۃ العیش الا للمجانین

''لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے محبوب کے عشق سے دیوانہ ہو گیا ہے میں نے ان کو جواب دیا کہ زندگی کی لذت بھی دیوانوں ہی کو نصیب ہے (پھر میں کیونکر ایسا دیوانہ نہ بنوں)۔'' (قصص الاولیاء ۲/۸۹)

ایک دیوانی عورت کے احوال

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں انطاکیہ کے ایک پہاڑ پر جا رہا تھا کہ ایک دیوانی سی لڑکی صوف کا جبہ پہنے ہوئے نظر پڑی۔ میں نے سلام کیا تو اس نے جواب دے کر کہا، تم ذوالنون مصری ہو؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا، تو نے مجھے کس طرح پہچانا؟ کہا، محبوب حقیقی کی معرفت سے۔ پھر کہنے لگی، ذوالنون! میں یہ دریافت کرتی ہوں کہ سخاء کیا چیز ہے؟ میں نے کہا، سخاوت داد و دہش ہے۔ کہا، یہ تو دنیا کی سخاوت ہے، دین کی سخاوت کیا ہے؟ میں نے کہا، اللہ

تعالٰی کی طاعت میں سعی کرنی۔ کہا، جب بندہ طاعت میں سعی کرتا ہے تو محبوب حقیقی قلب پر متجلی ہوتا ہے لیکن اس وقت چاہئے کہ تو اس سے کچھ نہ مانگے۔ اے ذوالنون! بیس برس سے میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک شے طلب کروں مگر اس سے شرم آتی ہے کہ برے مزدور کی طرح ہو جاؤں گی کہ جب وہ کام کرتا ہے، فوراً ہی اجرت مانگ لیتا ہے، اس لئے میں تو اس کی تعظیم اور جلال کی وجہ سے کام کرتی ہوں۔ یہ کہا اور روانہ ہوگئی۔ (قصص الاولیاء ۲/۹۴)

ایک لڑکی پر خوف الٰہی کا اثر اور اس کا حال

حضرت ابوالقاسم جنید فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تن تنہا بیت اللہ شریف گیا اور وہاں کی مجاورۃ اختیار کی۔ میری عادت تھی کہ جب شب کو خوب تاریکی ہو جاتی تھی تو میں طواف کرتا۔ حسب عادت ایک دن طواف کر رہا تھا کہ ایک نو عمر لڑکی کو دیکھا کہ طواف کرتی جاتی ہے اور یہ اشعار نہایت ذوق شوق سے گاتی ہے:

ابی الحب ان یخفی وکم قد کتمتہٗ
فاصبح عندی قد اناخ وطنبا
اذا شتد شوقی ھام قلبی بذکرہ
وان رمت قرباً من حبیبی تقربا
ویبدو فافنی ثم احیابہ لہ
ویسعدنی حتی الدوا طربا

''محبت اور عشق کو میں نے بہت چھپایا لیکن اب کسی طرح نہیں چھپ سکتا، اس نے تو میرے پاس ڈیرہ ہی ڈال دیا۔ جب مجھے محبوب کا شوق زیادہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کی یاد سے حیران و مضطرب ہوتا ہے اور اگر میں اپنے دوست کے قرب کا قصد کرتی ہوں تو مجھے اپنی دولت قرب سے محروم نہیں فرماتا بلکہ قریب ہو جاتا ہے اور جب میرا محبوب متجلی ہوتا ہے تو میں فنا ہو جاتی ہوں اور پھر اس کے لئے اور اسی کی دستگیری سے زندہ ہو جاتی ہوں اور وہی میری امداد کرتا ہے، حتیٰ کہ میں اس کی عنایتوں سے لذت حاصل کرتی ہوں۔''

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ لڑکی! تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی، بیت اللہ شریف میں ایسے اشعار گاتی ہے۔ وہ میری طرف ملتفت ہو کر بولی۔ جنید! بھلا اگر خوف الٰہی نہ ہوتا تو میں کیوں خواب شیریں چھوڑتی، ارے خوف ہی نے تو مجھے میرے وطن سے بے وطن کر دیا، اسی کے عشق میں تو میں بھاگی پھرتی ہوں، اسی کی محبت نے مجھے حیران بنا رکھا ہے۔ پھر پوچھا، جنید! بتاؤ تم بیت اللہ کا طواف کرتے ہو یا ربِّ بیت اللہ کا؟ میں نے کہا، میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں۔ یہ سن کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور بولی، سبحان اللہ! آپ کی بھی کیا شان ہے، مخلوق جو خود مثل پتھروں کے ہیں، وہ پتھروں ہی کا طواف کر رہے ہیں۔ جنید فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو پھر اس لڑکی کو نہ دیکھا۔ (قصص الاولیاء ۲/۹۶)

مہمان نوازی کا عطیہ

شیخ ابو الرابیع مالکی فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ ایک بستی میں ایک عورت بہت صالح اور خدا پرست ہے۔ اگر چہ میری عادت کسی عورت کی زیارت کی نہ تھی لیکن اس کی کرامت کی شہرت نے مجھے اس کی زیارت پر مجبور کیا اور وہ ولیہ فضہ کے نام سے مشہور تھی۔ القصہ میں نے اس شہر میں جا کر اس کی یہ کرامت سنی کہ اس کے پاس ایک بکری ہے جو دودھ اور شہد دیتی ہے۔ میں ایک نیا پیالہ خرید کر اس کے پاس گیا۔ جا کر سلام کیا۔ سلام کے بعد عرض کیا کہ میں آپ کی بکری کی برکات سے متمتع ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے وہ بکری مجھے دے دی۔ میں نے اس کو دوہا تو واقعی اس نے دودھ اور شہد دیا۔ یہ عجیب و غریب واقعہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ بکری تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ کہا، اس کا قصہ اس طرح پر ہے کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی اور ہم لوگ محتاج اور فقیر تھے، کچھ ہمارے پاس نہ تھا۔ عید کا روز جب آیا تو میرے شوہر نے جو ایک مرد صالح تھے، کہا کہ ہم آج اس بکری کو ذبح کریں۔ میں نے کہا کہ اس بکری کو ذبح نہ کرو کیونکہ قربانی ہمارے ذمہ فرض تو نہیں ہے، اگر ہم نہ کریں گے تو ہم کو اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ہم کو اس بکری کی احتیاج رہتی ہے۔

القصہ یہ بات میرے شوہر کو پسند آئی اور بکری ذبح نہ کی۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ

ہمارے یہاں ایک مہمان آ گیا۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آج مہمان آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مہمان کی مدارت کا حکم دیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ آج اس بکری کو ذبح کر ڈالو۔ جب اس کے ذبح کرنے کا ارادہ ہوا تو خیال آیا کہ اس کے ننھے ننھے بچے اسے ذبح ہوتے دیکھ کر سخت پریشان ہوں گے، اس لئے میں نے شوہر سے کہا کہ اسے باہر لے جاؤ اور دیوار کے نیچے ذبح کر لاؤ۔ کچھ دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک بکری دیوار پر کھڑی ہے۔ میں سمجھی کہ شاید بکری قابو میں نہیں آئی اور بھاگ کر چلی آئی ہے۔ میں اس کے دیکھنے کے لئے چلی تو دیکھا کہ میرا شوہر بکری کی کھال کھینچ رہا ہے۔ میں نے اس دوسری بکری کا قصہ بیان کیا۔ شوہر نے کہا کہ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے اچھی بکری ہم کو عطا فرمائی ہو۔ دیکھا کہ وہ نئی بکری دودھ اور شہد دیتی ہے، وہ پہلی صرف دودھ دیتی تھی۔ مہمان کی مدارت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ برکت عطا فرمائی۔ پھر اس عورت نے اپنے معتقدین سے خطاب کر کے فرمایا کہ:

''یہ بکری تمہارے قلوب میں چرتی ہے، اگر تمہارے دل پاکیزہ ہوں گے تو اس کا دودھ بھی عمدہ ہوگا اور اگر تمہارے قلوب میں کچھ تغیر ہوگا تو دودھ میں بھی خرابی ہوگی، اس لئے تمہیں چاہئے کہ اپنے دلوں کو سنوارو۔''

(قصص الاولیاء۲/۱۰۳)

اپنے آپ کو احکام الٰہیہ سے آراستہ رکھنے کا بدلہ

حضرت سری سقطی کے ایک مرید فرماتے ہیں کہ حضرت سری کے یہاں ایک عورت ان کی شاگرد رہتی تھی، اس عورت کا ایک لڑکا معلم کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک روز معلم نے اس لڑکے کو پن چکی پر بھیج دیا، وہ لڑکا پانی میں ڈوب گیا۔ معلم نے حضرت سری کو اطلاع دی۔ حضرت سری مع اپنے اصحاب کے اس کی والدہ کے پاس آئے اور اوّل صبر کے متعلق بہت طویل بیان کیا، پھر رضا کا بیان فرمایا۔ اس نے سن کر عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس بیان سے کیا قصد ہے؟ فرمایا کہ تمہارا بیٹا پانی میں ڈوب گیا۔ کہا، میرا بیٹا۔ فرمایا، تیرا بیٹا۔ کہا، ہرگز نہیں، حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت سری نے پھر مکرر فرمایا کہ تمہارا بیٹا ڈوب گیا ہے، اس میں کچھ شک نہیں۔ اس نے کہا، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو مجھے اس موقع پر لے چلو۔ الغرض سب اس نہر

پر گئے اور اس کو بتایا کہ وہ گل خوبی و سرو محبوبی یہاں آ کر مردہ ہوا ہے۔ اس نے اس کو پکارا، بیٹا محمد! اس نے فی الفور جواب دیا، اماں! حاضر ہوں۔ یہ آواز سن کر وہ پانی میں اتری اور اس کا دست سیمیں پکڑ کر نکال لیا اور لے کر اپنے گھر چلی گئی۔

اس عجیب واقعہ پر حضرت سری نے حضرت جنید کی طرف عنان التفات متصرف فرمائی اور عرض کیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ فرمایا، یہ عورت احکام الٰہیہ کے حلیہ سے اپنے آپ کو آراستہ رکھتی ہے، اس کے برکت سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے ساتھ یہ ہے کہ اس کے متعلق جب کوئی واقعہ ہوتا ہے، اسے پہلے اطلاع کی جاتی ہے اور اس غرق کے واقعہ سے اسے آگاہی نہیں دی گئی، اس لئے اس نے انکار کیا اور نہایت پختگی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہا ونفعنا بہا۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۰۵)

نیکی کا صلہ

ایک عورت نے ایک روٹی سائل کو خیرات کر دی، پھر اپنے شوہر کا کھانا لے کر کھیت پر گئی جہاں وہ کٹائی کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ ایک باغ سے گزر رہی تھی کہ ایک درندے نے اس کے بچے کو پکڑ لیا۔ اچانک ایک ہاتھ نکلا اور بھیڑیئے کو ایک طمانچہ مار کر بچہ اس سے چھین لیا۔ پھر ایک منادی کی آواز سنی جو کہتا تھا کہ اپنا بچہ لے جا، ہم نے روٹی کے لقمے کے عوض بچہ کا لقمہ چھین کر تیرے حوالے کر دیا۔ (قصص الاولیاء ۲/۱۱۰)

اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے

فضیل بن عیاض کی چھوٹی لڑکی تھی۔ اس کی ہتھیلی میں ایک دن درد ہوا۔ حضرت فضیل نے پوچھا، تمہاری ہتھیلی کا کیا حال ہے؟ بچی نے کہا، خدا کا شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے تھوڑی سی مصیبت میں مبتلا کیا ہے مگر سارے بدن کو عافیت کے ساتھ رکھا ہے، پس خدا کا شکر ہے۔ یہ سن کر حضرت فضیل نے فرمایا، میری بچی! مجھے اپنی ہتھیلی دکھاؤ۔ اس نے ہتھیلی دکھائی تو آپ نے اس کی ہتھیلی کا بوسہ لیا۔ بچی نے کہا کہ میں آپ کو قسم دے کر کہتی ہوں، کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ فضیل نے کہا، خدا کی قسم! ہاں۔ بچی نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف

فرمائے، خدا کی قسم! مجھے گمان نہیں تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے محبت کرتے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت فضیل کی چیخ نکل گئی اور فرمایا، اے میری بچی! تم مجھے اللہ کے علاوہ کسی اور کی محبت میں ملامت کرتی ہو۔ اے اللہ! تیری عزت اور بزرگی کی قسم! میں تیرے ساتھ تیری محبت میں کسی اور کو شریک نہیں گردانتا۔ (حیاۃ الحیوان ۱/۴۰۹)

عقل مند خاتون

ایک خاتون گزری ہیں جن کو حاتم طائی کی بیوی کہا جاتا تھا۔ نیک اور دیندار، مالدار خاوند کی بیوی تھیں۔ ان کا گھر جس بستی میں تھا اس کے قریب سے ایک عام سڑک گزر رہی تھی۔ دیہاتوں کے لوگ اپنی بستیوں سے چل کر اس سڑک تک آتے اور بسوں کے ذریعے پھر شہروں میں جاتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ جب پہنچتے تو بس کا آخری وقت ختم ہو چکا ہوتا، رات گہری ہو چکی ہوتی۔ اب ان مسافروں کو بس نہ ملنے کی وجہ سے انتظار میں بیٹھنا پڑتا اور بیٹھنے کے لئے کوئی خاص جگہ بھی بنی ہوئی نہیں تھی۔ اس نیک عورت نے جس کا شوہر خوشحال تھا اپنے خاوند کو یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ہم مسافروں کے لئے ایک چھوٹا اس مسافر خانہ بنائیں تا کہ وقت بے وقت لوگ اگر آئیں اور ان کو سواری نہ ملے تو وہ لوگ ایک کونہ میں بیٹھ کر وقت گزار لیں۔

خاوند نے مسافر خانہ بنوا دیا۔ لوگوں کے لئے بڑی آسانی ہو گئی۔ جب بھی لوگ آتے تو اس کمرے میں بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کر لیتے۔ پھر اس نیک عورت کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان مسافروں کے لئے چائے پانی کا تھوڑا سا انتظام ہی ہو جائے۔ چنانچہ اس کو جو جیب خرچ ملتا تھا، اس نے اس میں سے مسافروں کے لئے چائے پانی کا نظم کر دیا۔ اب مسافر اور خوش ہو گئے اور اس عورت کو اور زیادہ دُعائیں دینے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہ بات بہت پسند کی جانے لگی کہ اللہ کی اس نیک بندی نے لوگوں کی تکلیف کو دور کر دیا حتیٰ کہ اس کو اور چاہت ہوئی، اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ دیا ہوا ہے، ہم اگر کھانے کے وقت میں ان مسافروں کو کھانا بھی کھلا دیا کریں تو اس میں کون سی بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے ہم خرچ کریں گے۔ چنانچہ خاوند مان گیا۔

نیک بیویاں اپنے خاوندوں سے نیکی کے کام کروایا کرتی ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی تو

تاج محل بنوائے اور کوئی گلشن آرا کا باغ بنوائے۔ یہ تو بے وقوفی کی باتیں ہیں کہ دنیا کی چیزیں بنالیں، یہ کیا یادگار ہوئی۔ یادگار تو وہ تھی جو زبیدہ خاتون نے چھوڑی کہ جن کی نہر سے لاکھوں انسانوں نے پانی پیا اور اپنے نامہ اعمال میں اس کا اجر لکھا گیا۔ تو نیک بیویاں اپنے خاوندوں سے ہمیشہ نیک کاموں میں خرچ کرواتی ہیں۔ چنانچہ شوہر نے مسافروں کے لئے کھانے کا انتظام بھی کر دیا لہٰذا جب مسافروں کو کھانا بھی ملنے لگا تو بہت سے مسافر رات میں وہاں ٹھہر جاتے اور اگلے روز بس پکڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے۔ یہاں تک کہ وہاں پر سو پچاس مسافر رہنے لگ گئے۔

کھانا پکتا، لوگ کھاتے، اس کے لئے دُعائیں کرتے۔ اب کچھ لوگ ضرورت سے زیادہ خیر خواہ بھی ہوتے ہیں جو خیر خواہی کے رنگ میں بدخواہی کر رہے ہوتے ہیں، دوستی کے رنگ میں دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے آدمیوں میں سے ایک دو نے اس کے خاوند سے بات کی کہ جی تمہاری بیوی تو فضول خرچ ہے، سو پچاس بندوں کا کھانا روز پک رہا ہے۔ یہ فارغ قسم کے لوگ، نکھٹو اور نالائق قوم کے لوگ آ کر یہاں پڑے رہتے ہیں، کھاتے رہتے ہیں۔ تمہیں اپنے مال کا بالکل احساس نہیں، یہ تو تمہیں ڈبو کر رکھ دے گی۔ انہوں نے ایسی باتیں کہیں کہ خاوند نے کہا کہ اچھا ہم ان کو چائے پانی تو دیں گے البتہ کھانا دینا بند کر دیتے ہیں چنانچہ کھانا بند کر دیا گیا۔ جب عورت کو پتہ چلا تو اس عورت کے دل پر تو بہت صدمہ گزرا مگر عورت سمجھدار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ موقع پر کہی ہوئی بات سونے کی ڈلیوں کی مانند ہوتی ہے، اس لئے مجھے اپنے خاوند سے الجھنا نہیں، موقع پر بات کرنی ہے تاکہ میں اپنے خاوند سے بات کہوں اور میرے خاوند کو بات سمجھ میں آجائے۔

چنانچہ دو چار دن وہ خاموش رہی۔ ایک دن وہ خاموش بیٹھی تھی۔ خاوند نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ خاموش کیوں بیٹھی ہو؟ کہنے لگی کہ بہت دن ہو گئے گھر میں بیٹھے ہوئے، سوچتی ہوں کہ ہم ذرا اپنی زمینوں پر چلیں جہاں کنواں ہے، ٹیوب ویل ہے، باغ ہے۔ کہنے لگا، بہت اچھا میں تمہیں لے چلتا ہوں۔ چنانچہ خاوند اپنی بیوی کو لے کر اپنی زمینوں پر آ گیا جہاں باغ تھا، پھل پھول تھے، وہاں ٹیوب ویل بھی لگا ہوا تھا۔ وہ عورت پہلے تو تھوڑی دیر پھولوں میں، باغ میں گھومتی رہی اور پھول توڑتی رہی۔ پھر اخیر میں آ کر کنوئیں کے قریب بیٹھ گئی اور کنوئیں

کے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ خاوند سمجھا کہ ویسے ہی کنوئیں کی آواز سن رہی ہے، پانی نکلتا ہوا دیکھ رہی ہے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو خاوند نے کہا کہ نیک بخت چلو گھر چلتے ہیں۔ کہنے لگی کہ ہاں بس ابھی چلتے ہیں اور بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر کہا کہ چلو گھر چلیں۔ کہنے لگی کہ ہاں بس ابھی چلتے ہیں اور پھر بیٹھی رہی۔ تیسری مرتبہ اس نے پھر کہا کہ ہمیں دیر ہو رہی ہے، مجھے بہت سے کام سمیٹنے ہیں چلو گھر چلتے ہیں۔ کہنے لگی کہ جی ہاں چلتے ہیں اور کنوئیں میں دیکھتی رہی۔

اس پر خاوند قریب آیا اور کہا کہ کیا بات ہے؟ تم کنوئیں میں کیا دیکھ رہی ہو؟ تب اس عورت نے کہا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ جتنے ڈول کنوئیں میں جا رہے ہیں، سب کے سب کنوئیں سے بھر کر واپس آ رہے ہیں لیکن پانی جیسا تھا، ویسا ہی ہے ختم نہیں ہو رہا۔ اس پر خاوند مسکرایا اور کہنے لگا کہ اللہ کی بندی! بھلا کنوئیں کا پانی بھی کبھی کم ہوا ہے۔ یہ تو سارا دن اور ساری رات بھی اگر نکلتا رہے اور ڈول بھر بھر کر آتے رہیں تب بھی کم نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نیچے سے اور بھیجتے رہتے ہیں۔

جب اس مرد نے یہ بات کہی تب اس سمجھدار خاتون نے جواب دیا۔ کہنے لگی، اچھا یہ اسی طرح ڈول بھر بھر کر آتے رہتے ہیں اور پانی ویسا ہی رہتا ہے، نیچے اور آتا رہتا ہے؟ خاوند نے کہا کہ تمہیں نہیں پتہ۔ بیوی نے کہا کہ میرے دل میں ایک بات آ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کا ایک کنواں ہمارے لئے یہاں بھی جاری کیا تھا مسافر خانہ کی شکل میں، لوگ آتے تھے اور ڈول بھر بھر کر لے جاتے تھے تو کیا آپ کو خطرہ ہو گیا تھا کہ اس کا پانی ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اور نہیں بھیجے گا؟ اب جب اس نے موقع پر یہ بات کہی تو خاوند کے دل پر جا کر لگی، کہنے لگا کہ واقعی تم نے مجھے قائل کر لیا۔ چنانچہ شوہر واپس آیا اور اس نے دوبارہ مسافر خانہ میں کھانا شروع کروا دیا اور جب تک یہ میاں بیوی زندہ رہے، مسافر خانہ کے مسافروں کو کھانا کھلاتے رہے۔

تو یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ نیک بیویاں فوراً ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیا کرتیں بلکہ بات کو سن کر خاموش رہتی ہیں، سوچتی رہتی ہیں، پھر سوچ کر بات کرتی ہیں۔ انجام کو سامنے رکھ کر بات کرتی ہیں۔ موقع پر بات کرتی ہیں اور کئی مرتبہ یہ دیکھا گیا کہ مرد اگر غصے میں کوئی بات کر بھی جائے تو دوسرے موقع پر وہ خود معذرت کر لے گا اور کہے گا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ لہٰذا اگر ایک موقع پر آپ نے کوئی بات کہی، اس پر مرد نے کہا، میں ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ خاموش

ہو جائیے، دوسرے موقع پر وہ خوش سے بات مان لے گا۔ یہ غلطی ہرگز نہ کریں کہ ہر بات کا جواب دینا اپنے اوپر لازم کرلیں۔ اس غلطی کی وجہ سے بات کبھی چھوٹی ہوتی ہے مگر بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے اور تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے اور میاں بیوی کے اندر جدائیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ تو اس لئے عقلمند عورت ''پہلے تولے گی اور پھر بولے گی'' اس لئے کہ اسے پتہ ہے اگر میں موقع پر بات کہوں گی تو اس بات کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔

ایک خاتون کی قرآنی دلیل کے سامنے عدالت جھک گئی

ایک عالی مرتبہ بزرگ خاتون کو عدالت میں ایک مرد اور عورت کے ہمراہ گواہی دینے کے لئے جانا پڑا۔ قاضی نے دونوں عورتوں کے بیانات جدا جدا لینے چاہے۔ بزرگ خاتون نے الگ گواہی دینے سے قرآن کی ایک آیت:

ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ......

کی بناء پر انکار کر دیا اور عدالت سے کہا کہ خداتعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر اس غرض سے قرار دی ہے کہ اگر ایک کوئی بات بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے اور ظاہر ہے کہ جدا جدا گواہی سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ قاضی نے اس قرآنی استدلال کو قبول کرلیا اور دونوں خواتین کی گواہی ایک ہی ساتھ لی۔ یہ بزرگ خاتون حضرت امام شافعی کی والدہ محترمہ تھیں۔ (قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۳۹۶)

شاہ کابل کی بیوی کی پرہیزگاری اور دینداری کا عجیب واقعہ

امیر محمد والی کابل کے دادا امیر دوست محمد خان کے متعلق حکایت ہے کہ کسی بادشاہ نے اس کے ملک پر چڑھائی کی، اس کی سرکوبی کے لئے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی، اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ مفرور ہو کر آرہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے۔ امیر کو سخت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم شہزادے کی کمزوری کا اور رعایا کی ملامت کا۔ انہی غموں میں محو ہو کر گھر آیا اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا کہ یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا، سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے وہ کیسے غلط ہوسکتی

ہے مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہر گز نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ نے کہا، یہ عورت ہے، یہ مرغی کی ایک ٹانگ ہی ہانکے گی۔

دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے، شہزادہ فتحیاب ہو کر آرہا ہے۔ بادشاہ خوشی خوشی گھر گیا اور بیگم سے کہا کہ واقعی تمہاری بات سچی رہی کہ شہزادہ کامیاب ہو کر آرہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتحیابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ شہزادہ شکست نہیں کھا سکتا، کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلا دیا۔ کہنے لگیں، کچھ نہیں صرف اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی، یہ میرا راز ہے میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی۔ آخر اصرار کرنے پر بتایا کہ جب یہ شہزادہ میرے میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کر لیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ غذا نہ جائے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو، اس لئے اس کے اخلاق رذیلہ اور برے نہیں ہو سکتے۔ شہید ہونا، یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیر کر بھاگنا برا خلق ہے تو شہزادہ شہید تو ہو سکتا ہے اور کٹ کٹ کر مر سکتا ہے مگر پشت پھیر کر فرار نہیں ہو سکتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا، تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی تاکہ اس غذا سے دودھ پیدا ہو کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو۔ اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی۔ اس لئے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ اس لئے میں تمہاری ساری فوج اور حکومت کو جھٹلا دیا مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

جب امیر دوست محمد کی بیگم اتنی متقی بن سکتی ہے جب کہ تمام وسائل واسباب موجود ہیں، تخت پر بیٹھ کر متقی بن سکتی ہے تو ہماری آج کل کی بہنیں جھونپڑیوں میں رہ کر کیونکر متقی نہیں بن سکتیں۔ جورکاوٹیں ان کو تھیں، وہ ان کو نہیں ہیں۔

(قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۲۳۳)

ملکہ اَمۃ الحبیب کی بہادری

امیر تیمور گورگان (۷۱ھ تا ۸۰۷ھ) کی بیگم تھی۔ والد کا نام یزدانی تھا جو چوتھے

عثمانی فرمانروا سلطان بایزید اوّل (۷۹۲ھ تا ۸۰۷ھ) کی فوج کا ایک جرنیل تھا۔ امۃ الحبیب ترکستان میں پیدا ہوئی۔ والد نے اس کو دوسرے علوم کے علاوہ شہسواری اور فنون سپاہ گری سکھانے کا بھی خاص اہتمام کیا۔ چنانچہ جوان ہو کر وہ اپنے باپ کا دست و بازو بن گئی اور کئی فوجی مہموں میں اس کے ساتھ شریک ہوئی۔ ۸۰۴ھ میں امیر تیمور نے سلطنت عثمانیہ پر یلغار کی تو سلطان بایزید نے انگورہ (Ankara) کے مقام پر اس کا پرجوش مقابلہ کیا۔ ترک فوج میں مردانی بھی اپنی بیٹی اَمۃ الحبیب کے ساتھ شامل تھا۔ ترک فوج کی جانبازی کے باوجود قسمت نے سلطان بایزید کا ساتھ نہ دیا اور اس نے شکست کھائی۔ امیر تیمور نے سلطان بایزید سمیت ترک فوج کے سینکڑوں سپاہیوں اور افسروں کو گرفتار کر لیا۔ امیر تیمور فطری طور پر بڑا سخت دل واقع ہوا تھا، اس نے سلطان بایزید کو لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں محبوس کر دیا اور دوسرے تمام قیدیوں کے قتل کا حکم صادر کیا۔ ان قیدیوں میں اَمۃ الحبیب بھی شامل تھی، اس وقت اس نے مردانہ فوجی لباس پہن رکھا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طریقے سے امیر تیمور کے سامنے پہنچ گئی اور اس کے سامنے ایک دل دہلا دینے والی تقریر کی جس میں اس کو آخرت کا خوف دلایا اور اسیران جنگ کے ساتھ نرم سلوک کرنے کی ترغیب دی۔ یہ تقریر کرنے کے بعد اس نے اپنا آہنی خودسر سے اتار کر زمین پر پٹک دیا اور امیر تیمور سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے بادشاہ! میری طرف دیکھ میں ایک عورت ہوں اور موت سے بالکل نہیں ڈرتی، مجھے اور میری قوم کے سپاہیوں کو قتل کر کے تیرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، جس قوم میں مجھ جیسی عورتیں ہوں وہ کبھی نہیں مر سکتی۔''

اُمۃ الحبیب کی تقریر ایسی مؤثر تھی کہ امیر تیمور جیسے شخص کا دل بھی موم ہو گیا۔ اس نے امۃ الحبیب اور دوسرے ترک قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا البتہ بایزید کو اس نے رہا نہ کیا۔ رہا ہونے والے قیدیوں میں اَمۃ الحبیب کا باپ بھی تھا۔ امیر تیمور نے اس سے اَمۃ الحبیب کا رشتہ مانگ لیا جو اس نے منظور کر لیا اور یوں وہ بادشاہ بیگم بن گئی۔ امیر تیمور نے اس کو حمیدہ بانو بیگم کا خطاب دیا۔ امۃ الحبیب سے شادی کے بعد امیر تیمور صرف تین سال زندہ رہا اور ۸۰۷ھ میں فوت ہو گیا۔ اَمۃ الحبیب کے بطن سے اس کی جو اولاد ہوئی، وہ زندہ نہ بچی۔ بیوہ ہونے کے بعد اس کے سوتیلے بیٹے نے اس کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخر وہ سمرقند سے طفلس چلی گئی لیکن

وہاں بھی حالات ناسازگار پائے۔ آخراس نے قسطنطنیہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور وہیں اکسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اَمۃ الحبیب بڑی دانا اور علم دوست خاتون تھی۔ وہ دنیا کی کئی زبان جانتی تھی مثلاً ترکی، عربی، فارسی اور چینی۔ وہ یہ زبانیں نہ صرف روانی سے بولتی تھی بلکہ ان میں لکھ بھی سکتی تھی۔ اس نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن یہ سب حوادث زمانہ کا شکار ہو گئیں۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۳۵۰)

فاطمہ بنت عبدالقادر کی کرامت

حضرت مخدوم میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کی اہلیہ تھیں۔ وہ حضرت بی بی کلاں کے لقب سے مشہور ہیں۔ بی بی فاطمہ پیر پیران سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے تھیں۔ ان کے دادا حضرت سیّد محمد غوث بالا پیر گیلانی تھے اور والد سیّد عبدالقادر گیلانی ثالث المعروف بہ سیّد جیون تھے۔ بی بی فاطمہ نہایت عبادت گزار اور متقی خاتون تھیں، ان کا شمار اپنے وقت کی عارفات میں ہوتا ہے۔ مشہور مصنف پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اپنی کتاب ''بزرگان لاہور'' میں لکھا ہے کہ ایک دن بی بی صاحبہ نے اپنی چادر دھو کر دھوپ میں ڈالنی چاہی لیکن عصر کا وقت تھا اور دھوپ گھر میں صرف بیری کے درخت کی چوٹی پر تھی۔ انہوں نے اس درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے درخت! اپنی ٹہنیاں جھکا دے تا کہ میں اپنی چادر ان پر ڈال کر خشک کرسکوں۔''

ٹہنیاں فوراً نیچی ہو گئیں، بی بی صاحبہ نے اپنی چادر ان پر ڈال دی اور وہ پھر بلند ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد حضرت موج دریا گھر تشریف لائے اور چادر کو درخت پر پڑا پایا تو سمجھے کہ بی بی صاحبہ نے درخت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے۔ انہوں نے غصہ میں آ کر بی بی صاحبہ سے باز پرس کی تو انہوں نے قسم کھا کر بتایا کہ میں درخت پر نہیں چڑھی بلکہ خود درخت نے اپنی ٹہنیاں جھکا دیں۔ حضرت موج دریا نے فرمایا، تو پھر اسی طرح درخت سے چادر اتار دو۔ چنانچہ بی بی صاحبہ نے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے درخت! اب اپنا سر جھکا لے تا کہ میں اپنی چادر اس سے اتار لوں۔''

درخت کی ٹہنیاں فوراً نیچی ہوگئیں اور بی بی صاحبہ نے اپنی چادر ان سے کھینچ لی۔ اس طرح اور بھی کئی کرامات بی بی صاحبہ سے منسوب ہیں۔ بی بی فاطمہ نے ۱۰۱۶ھ میں وفات پائی اور اپنے شوہر نامدار کے مزار سے کچھ فاصلے پر مدفون ہوئیں۔ لیک روڈ (لاہور) پر ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔ بی بی فاطمہ کے بطن سے حضرت موج دریا بخاری کے دو فرزند ہوئے، سیّد صفی الدین اور سیّد بہاؤ الدین۔ دونوں علم وفضل اور زہد واتقا کے اعتبار سے درجہ کمال پر فائز تھے۔ (تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۳۷۳)

شرف النساء بیگم......قرآن اور تلوار

شرف النساء کا شمار بارھویں صدی ہجری کی نہایت عظیم المرتبت خواتین میں ہوتا ہے۔ شرف النساء بیگم نے اپنے باغ میں عبادت الٰہی کے لئے ایک چبوترہ بنوایا تھا۔ وہ سیڑھی کے ذریعے اس چبوترے پر چڑھ جاتی اور روزانہ نمازِ فجر کے بعد تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو جاتی۔ اس کے پاس ہمیشہ ایک مرصع تلوار بھی ہوتی تھی۔ تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہونے کے بعد وہ قرآن مجید اور تلوار کو چبوترے پر ہی چھوڑ دیتی اور خود نیچے اتر آتی، زندگی بھر اس کا یہی معمول رہا۔

ایک روایت کے مطابق اس نے مرتے وقت اپنی ماں کو وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد بھی قرآن پاک اور تلوار اس سے جدا نہ کئے جائیں چنانچہ اسی چبوترے میں اس کو دفن کر کے قرآن پاک اور تلوار اس کی قبر پر رکھ دیئے گئے۔ پھر اس کی قبر پر ایک گنبد تعمیر کیا گیا جس کی تین اطراف بند کر کے ان پر سبز رنگ کے سرو کے درخت منقش کئے گئے۔ انہی کی نسبت سے یہ ''سرو والا مقبرہ'' مشہور ہو گیا۔ سکھا شاہی میں اس مقبرے کو اس خیال سے کھودا گیا کہ شاید وہاں کوئی خزانہ دفن ہے لیکن ظالموں کو تلوار اور قرآن پاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ معلوم نہیں ان کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا البتہ قبر پر پھر مٹی ڈال دی۔ انگریزوں کے زمانے میں اس مقبرے کی مرمت کرادی گئی اور اسے محکمہ آثار قدیمہ نے اپنی تحویل میں لے

لیا۔ یہ مقبرہ ابھی تک اچھی حالت میں موجود ہے اور اس عظیم خاتون کی یاد تازہ کر رہا ہے۔
(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۴۸۲)

ایک خاتون کی غیرت وحمیت

تیموریوں کے دورِ زوال میں مرہٹے اس قدر زور پکڑ گئے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ اس نازک وقت میں افغانستان کے فرمانروا احمد شاہ ابدالی (درانی) نے ہندوستان پر یلغار کی اور جمادی الآخر ۱۱۷۴ھ میں ایک خونریز لڑائی کے بعد پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو تباہ کن شکست دی۔ اس فتح عظیم کے بعد اس نے جلد ہی افغانستان کو مراجعت کی۔ جب قندھار دو منزل کے فاصلے پر رہ گیا تو احمد شاہ نے اپنی فوج کو تین روز کے لئے قیام کا حکم دیا تاکہ تھکے ماندے سپاہی طویل سفر کی زحمتوں اور کلفتوں کو دور کر لیں، اطمینان کے ساتھ نہا دھو لیں، کپڑے بدل لیں اور تر و تازہ ہو کر قندھار میں داخل ہوں۔

ایک افغانی سپاہی جسے اپنے اہل وعیال سے بچھڑے ہوئے مدت گزر چکی تھی، عین وطن کے قریب پہنچ کر توقف وتاخیر کے حکم کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے سوچا کہ وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے احمد شاہ کے ساتھ ہندوستان پہنچا، مرہٹوں کے خلاف جہاد میں کامیابی کے بعد وطن واپس آیا، اب وہ یہاں تین دن کیوں ٹھہرے؟ یہ سوچ کر لشکر سے نکل گیا اور خاموشی کے ساتھ اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ دو دن اپنے گھر میں ٹھہرنے کے بعد شاہی لشکر کے قندھار میں داخل ہونے سے پہلے اس سے جا ملے گا۔

سپاہی گھر پہنچا تو بچے موجود تھے مگر بیوی پانی لانے کے لئے قریب کی ندی پر گئی ہوئی تھی۔ سپاہی نے بچوں کو بھینچ بھینچ کر پیار کیا، اتنے میں اس کی بیوی بھی آ گئی۔ وہ شوہر کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئی، اس کو نہ پانی پت کی لڑائی اور اس کے نتیجے کا کچھ علم تھا اور نہ شاہی لشکر کے قندھار کے قریب پہنچنے کی اطلاع تھی، وہ تو بس اتنا جانتی تھی کہ اس کا شوہر بادشاہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کے لئے گیا ہوا ہے اور کافروں کے خلاف لڑتے ہوئے یا تو اس نے اپنی جان قربان کر دی ہوگی یا فتح وکامرانی کے بعد شاہی لشکر کے ساتھ گھر واپس آئے گا۔ لیکن اس کے اس طرح تنہا وطن آنے کا وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی، اس نے مسرت اور شادمانی کا اظہار

کرنے کے بجائے غصے کے ساتھ شوہر سے سوال کیا۔

احمد شاہ بابا اور شاہی لشکر کہاں ہے اور جس مقصد کے لئے تم ہندوستان گئے اس کا کیا بنا؟ شوہر نے جواب دیا، کافروں کو شکست ہوئی ہے۔ شاہی لشکر فتح کے پھریرے اڑاتا وطن واپس پہنچ چکا ہے اور قندھار سے صرف دو منزل کے فاصلے پر ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اہل وعیال کی محبت سے مجبور ہو کر جلد یہاں آ گیا۔ بیوی نے کہا، مجھے کیسے یقین آئے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ درست ہے۔ لوگ تمہیں دیکھیں گے تو یہی کہیں گے کہ تو جہاد فی سبیل اللہ سے جی چرا کر بھاگ آیا ہے۔ شوہر نے کہا، لیکن یہ شبہ کا کون سا موقع ہے؟ شاہی لشکر دو دن کے بعد قندھار پہنچ جائے گا۔ بیوی بولی، اگر یہ سچ ہے تو تم اسی وقت واپس چلے جاؤ۔ جب تک احمد شاہ بابا کا لشکر قندھار نہ پہنچے گا، میں تمہاری شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ میں عورتوں سے یہ طعنہ نہیں سن سکتی کہ میرا شوہر جہاد کے میدان سے بھاگ آیا ہے۔

شوہر نے ہر چند کہا کہ وہ ایک دن گھر میں ٹھہر کر چلا جائے گا لیکن غیور اور باحمیت بیوی نے صاف کہہ دیا کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی تمہیں گھر میں نہیں بٹھا سکتی۔ مجبور ہو کر شوہر اٹھا اور شاہی لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔ لشکر میں پہنچا تو اجازت کے بغیر لشکر سے نکلنے کے جرم میں اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ احمد شاہ نے اس سے لشکر چھوڑنے کا سبب پوچھا تو اس نے ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سچ سچ بیان کر دی۔ شاہ ابدالی اپنے وطن کی ایک بیٹی کی قومی حمیت کا حال سن کر بہت خوش ہوا۔ سپاہی کو سچ بولنے کی بناء پر فوراً رہا کر دیا۔ قندھار پہنچا تو حکم دیا کہ سپاہی کی بیوی کو جس کا نام عینو تھا، ایک کاریز (زمین دوز نہر جس میں چشموں سے پانی آتا ہے) انعام کے طور پر دی جائے۔ افغانستان اور بلوچستان جیسے سنگلاخ علاقوں میں کاریز کی بے انتہا قدر و قیمت ہے۔ اس کاریز کا نام اب تک اس غیور خاتون کے نام پر ''کاریز عینو'' مشہور ہے۔ یہ قندھار سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر مشرقی سمت میں واقع ہے۔ (تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ۴۸۵)

فاطمہ بنت عبد اللہ...... کمسن مجاہدہ

فاطمہ طرابلس الغرب (لیبیا) کے ایک طاقتور قبیلے براعصہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس

کے والد شیخ عبداللہ اس قبیلے کے سردار اور بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ وہ ایک دیندار، بہادر، غیور اور مخلص مسلمان تھے اور اپنے قبیلے میں عبدۂ کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ عبداللہ کے نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی، صرف ایک لڑکی فاطمہ تھی جسے وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ فاطمہ نے صحرا کے آزاد ماحول میں پرورش پائی اور گھر کے دینی ماحول میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کر دیا۔ اس زمانے میں طرابلس الغرب خلافت عثمانیہ کے زیر نگین تھا۔ ترکی حکومت نے بھی اٹلی کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اور دونوں ملکوں کے درمیان خونریز لڑائی چھڑ گئی۔ طرابلس کے مسلمان دعوتِ جہاد پر بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور جوق در جوق میدان جہاد میں پہنچ گئے، ان کے ساتھ ان کی خواتین اور بچے بھی تھے۔ عورتوں میں بوڑھی خواتین کے ساتھ نوعمر لڑکیاں تک شامل تھیں جن کے ابھی کھیل کود کے دن تھے اور ایسی خواتین بھی تھیں جن کی گود میں دودھ پیتے بچے تھے لیکن وہ سب جذبہ جہاد سے سرشار تھیں۔ وہ زخمی مجاہدین کو پانی پلاتیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

اس لڑائی میں شیخ عبداللہ نمایاں حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اثر رسوخ سے کام لے کر طرابلس کے مختلف قبائل کو متحد اور منظم کر کے میدان جہاد میں لا کھڑا کیا تھا۔ خود ان کے اپنے جذبہ جہاد کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے گھر کا تمام ساز و سامان راہِ حق میں ترک افسروں کو دے دیا تھا اور وہ وظیفہ لینے سے بھی معذرت کر دی تھی جو خلافت عثمانیہ کی طرف سے ایام جنگ میں عرب مجاہدین کو دیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ اس کے قبیلے اور خاندان کے سبھی لوگ جہاد میں شریک تھے، ان میں شیخ کی لختِ جگر گیارہ سالہ فاطمہ بھی شامل تھی۔ اس کمسن مجاہدہ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے آپ کو مجاہدین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، وہ اس وقت بھی زخمی مجاہدوں کو اپنے مشکیزے سے پانی پلا رہی ہوتی جب دشمنوں کی طرف سے گولوں کی بارش ہو رہی ہوتی۔ اسے ایک ہی دھن تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے، زخمی مجاہدوں کی مدد کے لئے ان تک پہنچ جاؤں یا اسی کوشش میں اپنی جان قربان کر دوں۔ ایک ترک افسر ڈاکٹر اسماعیل ثباتی نے اس جنگ کے چشم دید حالات لکھے ہیں، ان میں وہ اس ننھی مجاہدہ کے بارے میں لکھتا ہے:

> ''میں نے سب سے پہلے کمسن فاطمہ کو اس وقت دیکھا جب میں اپنے فوجی دستے کے ساتھ عزیزیہ سے زوارہ پہنچا۔ یوں تو فوج میں بہت سی

خواتین اور لڑکیاں تھیں کیونکہ بیشتر عرب مجاہدین اپنے اہل خاندان کو بھی ساتھ لائے تھے لیکن فاطمہ ان میں منفرد نظر آتی تھی۔ ایک تو اس لئے کہ وہ بہت کم عمر تھیں اور دوسرے اس لئے کہ خوف یا ڈر اس کو چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ توپیں گولے اگل رہی ہوں، گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو یا تلواروں اور سنگینوں سے دست بدست لڑائی ہو رہی ہو۔ غرض کیسا ہی خطرناک موقع ہو، فاطمہ اپنے مشکیزے سمیت وہاں پہنچ جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل میں شوق شہادت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ یہ شوق اس کی چھوٹی سی عمر سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ بارود کے دھوئیں سے ہر طرف اندھیرا چھا گیا، توپوں کی گڑگڑاہٹ سے زمین ہل رہی تھی۔ گولوں کے پھٹنے سے بار بار چمک پیدا ہوتی، اس کے ساتھ ہی زخمیوں کی چیخ پکار حشر برپا کر دیتی۔

اس ہولناک موقع پر وہ ننھی مجاہدہ اپنا اونچا کرتا پہنے اور پھٹی ہوئی چادر کمر کے گرد لپیٹے بے بس اور مجبور زخمیوں کی مدد کے لئے دوڑتی پھرتی تھی جیسے خدا تعالیٰ نے آسمان سے کوئی فرشتہ بھیج دیا ہو۔ فاطمہ کو اپنے گرد و پیش کا جیسے علم ہی نہ تھا اور ایک ہی لگن تھی کہ زخمیوں تک پانی پہنچاؤں۔ کچھ دیر بعد ننھی فاطمہ میرے قریب سے گزری، میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا، ننھی! کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔ فاطمہ نے کہا، مجھے چھوڑ دو کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ اسلام اور وطن کے کتنے جاں نثار پانی نہ ملنے کے باعث جاں بلب ہیں اور شاید تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ میرے ابا جان اور امی جان بھی اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر چکے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا بازو چھڑا لیا اور تیزی سے دھوئیں میں غائب ہو گئی۔ ننھی فاطمہ کہا کرتی تھی کہ مجھے سرخ رنگ بہت پسند ہے، آہ! یہی رنگ میں نے ایک دن اس کی گردن کے نیچے بہتا ہوا دیکھا۔''

اثنائے جنگ میں ایک دن بارہ ہزار سے زیادہ اطالوی فوج نے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کردیا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے بھی کم تھی لیکن انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس کے بعد دشمن نے ہولناک گولہ باری شروع کردی۔ ننھی فاطمہ برستے گولوں میں زخمیوں کو پانی پلاتی پھرتی تھی۔ عصر کے وقت عربوں کا ایک دستہ سربکف دشمنوں کی صفوں میں گھس گیا۔ ایک ترک افسر احمد نوری بیگ نے انہیں خطرے میں دیکھا تو کچھ ترک سپاہیوں کو ساتھ لے کران کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور لڑتا بھڑتا دشمن کے مشرقی توپ خانے تک جا پہنچا۔ وہاں تازہ دم اطالوی فوج نے مجاہدین کو گھیر لیا۔ ترک مجاہدین یہ گھیرا توڑ کر نکل آئے لیکن چار ترک سپاہی شدید زخمی ہو کر زمین پر گر گئے۔ اطالوی درندے ان بے بس زخمیوں کو اپنی سنگینوں سے بھنبھوڑنے لگے۔

عین اس وقت چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا، ننھی فاطمہ اپنا مشکیزہ لئے ہوئے وہاں نمودار ہوئی اور مشکیزہ ایک جاں بلب زخمی کے منہ سے لگا دیا۔ دو اطالوی سپاہیوں نے اسے گریبان سے پکڑلیا۔ فاطمہ نے تڑپ کر ایک زخمی سپاہی کی پاس پڑی ہوئی تلوار اٹھا کر ایک اطالوی سپاہی کو اس زور سے ماری کہ اس کا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ دوسرے اطالوی سپاہی نے فوراً اس پر گولی چلا دی اور وہ شہید ہو کر فرش خاک پر گر گئی۔ یکا یک مسلمان دستے یلغار کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور اطالویوں کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ اس وقت مجاہدین نے ایک دل دہلا دینے والا منظر دیکھا۔ چار ترک سپاہی زخمی حالت میں زمین پر پڑے ہیں اور ان کے قریب ننھی فاطمہ کی خون آلود نعش اس طرح پڑی ہے کہ اس کا مشکیزہ ایک زخمی ترک کے سینے پر رکھا ہے اور مشکیزے کا ایک کونہ فاطمہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ننھی مجاہدہ گولی کھا کر زمین پر گرنے کے بعد بھی زخمی ترک کو پانی پلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس کے مشکیزے کا منہ زخمی مسلمان کے منہ تک نہ پہنچ سکا اور وہ جنت الفردوس میں پہنچ گئی۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۵۹۲)

بقول علامہ اقبال مرحوم:

فاطمہ تو آبروئے اُمت مرحوم ہے
ذرّہ ذرّہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حورِ صحرائی تیری قسمت میں تھی
غازیانِ دین کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا ربّ اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرّہ ذرّہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں
بے خبر ہوں گر چہ ان کی وسعت مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں ان کی اس مرقد سے میں
تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور
جو ابھی اُبھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے
جن کی ضو ناآشنا ہے قید صبح و شام سے
جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کواکب تقدیر کا پرتو بھی ہے

(بانگِ درا)

قرسم خاتون...... بابا فرید الدین گنج شکر کی والدہ محترمہ

مولانا وجیہ الدین خجوندی کی صاحبزادی، شیخ جمال الدین سلیمان کی اہلیہ اور شیخ الشیوخ عالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نہایت عابدہ، زاہدہ اور مستجاب الدعوات خاتون تھیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ کثرت عبادت کی بدولت ان کو درجہ ولایت حاصل ہو گیا تھا۔

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رات کو بی بی قرسم خاتون نمازِ تہجد میں مشغول تھیں کہ ایک چور گھر میں گھس آیا۔ بی بی صاحبہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً نور بصارت سے محروم ہو گیا۔ اب اس نے گریہ وزاری شروع کر دی اور کہنے لگا، جس نیک بخت کی دہشت اور بددُعا سے میری بینائی سلب ہوئی ہے، میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میری بینائی پھر واپس آجائے تو میں عمر بھر چوری نہ کروں گا۔ بی بی صاحبہ کو اس کی گریہ وزاری اور فریاد پر رحم آ گیا۔ انہوں نے اس کی بینائی کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور چور کی بصارت عود کر آئی۔ اسی وقت بی بی صاحبہ کے قدموں پر گرا پڑا، معافی کا خواستگار ہوا اور توبہ کر کے رخصت ہوا۔ صبح کو اپنے اہل وعیال کے ہمراہ بی بی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اہل وعیال سمیت مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ بی بی صاحبہ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا۔ اس نے قبول اسلام کے بعد کثرت مجاہدات و ریاضات کی بدولت درجہ ولایت حاصل کیا۔ اسے بی بی صاحبہ کے خاندان کی طرف سے چاولے مشائخ کا لقب عطا ہوا اور قصبہ کھوتوال (شیخ جمال الدین سلیمان کی جائے سکونت) اسی کے نام پر چاولے مشائخ مشہور ہو گیا بی بی قرسم خاتون کے بچے ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے شوہر نے وفات پائی۔ بی بی صاحبہ نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت بڑے اہتمام سے کی۔ شیخ فرید الدین مسعود ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر چکے تھے۔ والدہ نے مزید تعلیم کے لئے ملتان بھیج دیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر کھوتوال واپس آئے تو بی بی قرسم خاتون بے حد خوش ہوئیں اور انہیں بہت دُعائیں دیں۔

بابا فرید الدین نے جب اجودھن (پاک پتن) میں توطن اختیار کیا تو کچھ عرصہ بعد

انہوں نے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو وہاں کھوتوال بھیجا کہ والدہ ماجدہ کو اجودھن لے آئیں۔ وہ کھوتوال پہنچے اور بی بی صاحبہ کو اجودھن جانے کے لئے رَضامند کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے ضعیف العمر والدہ کو گھوڑی پر بٹھایا اور خود پاپیادہ اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ کھوتوال اور اجودھن کے راستے میں ایک مہیب جنگل تھا جس میں شیر، چیتے اور دوسرے خونخوار جانور بکثرت تھے۔ جب شیخ نجیب الدین اس جنگل کو عبور کر رہے تھے، والدہ محترمہ کو سخت پیاس لگی۔ شیخ نے انہیں ایک درخت کے نیچے بٹایا اور خود پانی کی تلاش میں نکلے۔ بہت دیر کے بعد پانی لے کر واپس آئے تو اس درخت کے نیچے کچھ بھی نہ تھا۔ دیوانہ وار والدہ ماجدہ کو آوازیں دیں لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پریشان ہوکر ان کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگے لیکن والدہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر مایوس ہوکر نہایت مغموم ومحزون بابا صاحب کی خدمت میں اجودھن پہنچے اور سارا ماجرا آپ کو سنایا۔ انہوں نے چند آدمی شیخ نجیب الدین کے ساتھ والدہ ماجدہ کی تلاش کے لئے جنگل میں بھیجے لیکن وہ بھی مایوس واپس آئے۔ اب بابا صاحب رَضائے الٰہی پر شاکر ہو گئے اور فرمایا، مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور فقراء کو صدقہ دو۔ یہ واقعہ ۶۴۳ھ کا ہے۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ اس سانحہ کے بعد شیخ نجیب الدین متوکل پھر اس جنگل میں گئے تو ان کو ایک جگہ کچھ انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں۔ یہ جگہ اس درخت کے نواح میں تھی جس کے نیچے وہ والدہ مخدومہ کو بٹھا کر گئے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ کسی درندے نے والدہ محترمہ کو شہید کر ڈالا اور یہ ہڈیاں انہیں کی ہیں۔ چنانچہ یہ ساری ہڈیاں جمع کر کے اپنے خریطے میں ڈال لیں اور بابا صاحب کی خدمت میں پہنچ کر ان ہڈیوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا، یہ ہڈیاں میرے مصلّے پر ڈال دو۔ شیخ نجیب الدین نے خریطہ کھولا تو اس میں سے کوئی ہڈی برآمد نہ ہوئی حالانکہ اس سارے عرصہ میں انہوں نے خریطے کو اپنے پاس بحفاظت تمام رکھا تھا۔ سب نے اس کو اللہ تعالیٰ کا بھید سمجھا اور شیوۂ تسلیم ورَضا اختیار کیا۔

تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ۲۸۹)

حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ محترمہ

بی بی زلیخا کی زندگی پرسکون گزر رہی تھی۔ ان کو ایک ہی پریشانی تھی کہ شادی کو پندرہ

سال گزر چکے ہیں اور ابھی تک ان کے گھر میں اولاد کی بہار نہیں آئی۔ اس سلسلہ میں بی بی زلیخا اکثر اداس رہتی تھیں۔ سیّد احمد بخاری بی بی زلیخا کو اکثر تسلیاں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اگر سیّد احمد بخاری اور بی بی زلیخا یہ دُعا کرتے تھے:

﴿رَبّ لا تذرنی فرداً وّانت خیر الوارثین﴾

''اے میرے ربّ! مجھے تنہا نہ چھوڑ تو بہتر وارث دینے والا ہے۔''

آخر دُعا قبول ہوئی اور ۶۳۶ھ میں بی بی زلیخا کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا۔ پھر اسی بچے نے بڑے ہو کر نظام الدین اولیاء اور محبوب الٰہی کے نام سے شہرت پائی۔ پھر دوسرے سال بی بی زلیخا کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر ان خوشیوں کے بعد اچانک ان کے شوہر سیّد احمد بخاری کا انتقال ہو گیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد جب زلیخا بیوہ ہوئیں تو ان کے بھائیوں نے اپنی اس نیک بہن کی مالی امداد کرنے کی بہت کوشش کی مگر زلیخا ایک غیور عورت تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والی نہیں تھیں۔ خود محنت مزدوری کر کے اپنی زندگی کے لمحات گزارنے لگیں۔

بی بی زلیخا پر چار افراد کا بوجھ تھا۔ ایک وہ خود، بیٹا (محمد)، بیٹی اور گھر کی ایک ملازمہ۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سوت کاتنے کا فیصلہ کیا۔ جو کچھ سوت کاتتیں، دوسرے دن ملازمہ کے ہاتھ بازار میں فروخت کروا دیتیں مگر اس سے بہت معمولی رقم حاصل ہوتی جوان چار افراد کی کفالت کے لئے ناکافی ہوتی۔ ہفتہ میں ایک دو دن کا فاقہ ضرور ہو جاتا، جس دن فاقہ ہوتا اس دن بی بی زلیخا فرماتیں کہ آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔

شروع شروع میں نوعمر فرزند اپنی والدہ کے اس ارشاد کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ مگر بعد میں اسی فاقہ میں ان کو ایسی لذت محسوس ہونے لگی کہ پھر جب کھانے کو ملتا تو حضرت نظام الدین اولیاء والدہ ماجدہ سے پوچھتے کہ کس روز اللہ کے مہمان بنیں گے؟ والدہ محترمہ اس کے جواب میں فرماتیں، بابا نظام الدین! یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کسی کا بھی محتاج نہیں۔ دنیا کی ہر شے اس کے قبضہ میں ہے۔ وہ جب بھی چاہے تمہیں اپنا مہمان بنا لے گا۔ حضرت نظام الدین اولیاء اپنی والدہ ماجدہ کی زبان سے یہ وضاحت سن کر خاموش ہو جاتے اور پھر نہایت خوشی کے عالم میں دُعا مانگتے:

''اے اللہ! تو اپنے بندوں کو روزانہ اپنا مہمان بنا۔'' (سیر الاولیاء ۱۱۲)

حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ بی بی زلیخا کا انتقال

بی بی زلیخا اپنے بیٹے کی تعلیم کے سلسلہ میں دلی آ گئیں۔ یہاں آ کر بی بی زلیخا کی طبیعت مسلسل خراب ہو رہی تھی اور مرض روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بی بی زلیخا نے اپنے بیٹے نظام الدین کو اطلاع کروائی کہ وہ آج رات میرے پاس آ جائیں۔ جب آئے تو بی بی زلیخا نے فرمایا، میرے پاس بیٹھو۔ آخری وقت میں حضرت بی بی زلیخا کی آنکھوں کی بینائی بھی بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھی، نظر نہیں آتا تھا۔ جب نظام الدین نے یہ منظر دیکھا تو اس حالت کو دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور رو کر کہا:

''اماں جان! ہم آپ کے بغیر کیسے جئیں گے؟''

بی بی زلیخا نے اپنے محبوب بیٹے کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے بی بی زلیخا نے کہا:

''اے اللہ! میں سید محمد کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔''

جب یہ جملہ بی بی زلیخا کی زبان سے پورا ہوا تو دیکھا کہ ان کی زبان پر...... اشهد ان لا الہ الا اللہ واشهد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ ...... کا ورد تھا اور پھر چند لمحوں میں اپنی جان اپنے ربّ کے حوالے کر دی۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۶۴۸ھ کا ہے۔ (بیس بڑی خواتین ۳۲۔۳۶)

والدہ کا توکل

علاء الدین اصولی کے پاس جب قدوری وغیرہ کتابیں ختم کر لیں تو فرمایا، اب تمہاری دستار بندی ہوگی۔ نظام الدین اولیاء جب پریشانی کی حالت میں گھر پہنچے کہ اب تو دستار بندی میں بدایوں کے علماء و مشائخ کو بلانا ہوگا جب کہ ہمارے گھر پر دو وقت کا کھانا بھی بمشکل ہوتا ہے۔ مگر والدہ ماجدہ بی بی زلیخا اس بات کو سن کر خوش ہو گئیں اور خوشی میں فرمایا، اس بارے میں تم ذرا بھی فکر نہ کرو، تمہارے استاد کی یہ خواہش جلد پوری ہوگی۔ غرض یہ کہ بی بی زلیخا نے اپنے ہاتھ سے سوت کاتا جس سے دستار بندی ہوئی اور کھانا تیار کرا دیا جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور بدایوں کے تمام علماء و مشائخ کے لئے کافی ہو گیا۔ بی بی زلیخا اپنے پیارے

فرزند کو علم میں منہمک دیکھتیں تو بے حد خوش ہو کر بہت دُعائیں دیتیں۔ ابھی نظام الدین اولیاء کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بلاوا آ گیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اہلیہ کا جذبہ اطاعت

بانی دار العلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دیوبند کے کسی رئیس نے اپنی بیٹی نکاح میں دے دی۔ جب خلوت میں اپنی دلہن کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ سونے کے زیورات سے اَٹی ہوئی ہے۔ آپ نئی نویلی دلہن پر توجہ کئے بغیر اسی کمرہ میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے اور نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہوئے تو بیوی کے قریب آ کر اسے یوں تقریر کی۔

"دیکھو تم ایک امیر، رئیس کی صاحبزادی ہو اور میں فقیر و غریب اور ایک مسکین انسان ہوں۔ نکاح کے بعد اب تمہارا اور میرا ایک ساتھ جینا ہو گیا ہے۔ ہمارا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے مگر یہ نبھاؤ بظاہر مشکل ہو گا کہ تو امیر ہے اور امیر کی بیٹی ہے، میں فقیر ہوں اور فقر کو پسند کرتا ہوں۔ ہمارا گزارا تب بہتر ہو سکے جب دونوں ایک ہو جائیں۔ یا میں امیر بن جاؤں یا تو فقر اختیار کر لے۔ جہاں تک میری امارت اور دنیا پسندی کا تعلق ہے، وہ تو ناممکن ہے البتہ آپ کو فقر و مسکنت کی راہ اختیار کرنا آسان ہے۔ اب آپ جونسی راہ اختیار کریں گی، مستقبل کے لحاظ سے ہمارے تعلق کا اس پر نتیجہ مرتب ہو گا۔"

بیوی نے ان کی تقریر سن کر بڑی خوشی سے کہہ دیا کہ میں فقر و غربت کی راہ اختیار کرتی ہوں اور میرے سارے زیورات آپ کی ملکیت ہیں اور آپ کو اختیار ہے، جہاں چاہیں استعمال کریں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی تو فقر، زُہد اور ورع و تقویٰ کا پہاڑ تھے۔ اسی وقت بغیر کسی تاخیر کے اپنی دلہن سے تمام کے تمام زیورات اتار لئے اور صبح بلقان کی جنگ میں مسلمانوں کی اعانت و نصرت کے لئے چندہ میں داخل کر دیئے۔ (سوانح قاسمی ۱/ ۵۰۸)

دوسرا واقعہ

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی عادت شب کو سوتے وقت دودھ کے استعمال کی تھی۔ گائے کا ددھ استعمال کرتے تھے، شب کی غذا اکثر ہی یہ ہوتی تھی۔ جب حضرت مولانا عشاء سے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے تو آپ کی اہلیہ محترمہ ددھ کا پیالہ لے کر پہنچ جاتی۔ حضرت کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ میرا انتظار اگر کرتے تو یہ علامت خوش دلی کی ہوتی اور اگر انتظار کئے بغیر نوافل میں مشغول ہوگئے تو یہ علامت ناگواری کی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت نے نوافل میں پوری شب گزار دی اور میں بھی پوری شب پیالہ لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ (سوانح قاسمی ۱/۵۱۸)

ذکر عبادت کی حالت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی دادی حضرت نانوتوی کی اہلیہ محترمہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ اذان کی حی علی الصلوۃ پر کام کو چھوڑ کر اس طرح اٹھ جاتی تھیں کہ گویا اس کام سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ بالکل ہر چیز سے بے گانہ بن جاتیں۔ بعد نماز صبح سر پر اور منہ پر اپنا دوپٹہ ڈال کر ہلکی ضرب سے ذکر کیا کرتی تھی۔ آندھی، بارش ہو، سردی ہو گرمی ہو، اس میں بال برابر فرق نہیں آتا تھا۔ (سوانح قاسمی ۱/۵۹)

حضرت تھانوی کی والدہ محترمہ

میں (حضرت تھانوی) نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا ہے کہ میری والدہ نے سارا زیور اتار کر والد صاحب کے سامنے پھینک دیا تھا اور یہ فرمایا کہ یا تو اس کی زکوۃ دو ورنہ اس کو اپنے پاس رکھو، میں نہ پہنوں گی۔ آخر والد صاحب نے سب کی زکوۃ دی۔

(مواعظ اشرفیہ دین ودنیا ۵۰۴)

مولانا الیاس کی نانی کی نماز اور غذا

حضرت مولانا محمد الیاس (م ۱۹۴۴) نوراللہ مرقدہ کی نانی "امتہ الرحمن" جو مولانا

مظفر حسین کاندھلوی کی صاحبزادی تھی اور جن کو خاندان میں عام طور پر ''امی بی'' کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک رابعہ سیرۃ بی بی تھیں۔ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ مولانا (الیاس) نے ایک مرتبہ فرمایا کہ امی بی کی نماز کا نمونہ میں نے مولانا گنگوہی کی نماز میں دیکھا۔(مولانا گنگوہی کی نماز اپنے طبقہ میں ممتاز تھی)۔آخر زمانہ میں ان کا یہ حال تھا کہ خود کھانا کبھی طلب نہیں فرماتی تھیں، کسی نے لاکر رکھ دیا تو کھالیا۔گھر بڑا تھا اگر کام کی کثرت اور زیادتی کی مشغولیت کی وجہ سے خیال نہ آیا تو بھوکی بیٹھی رہیں۔ایک مرتبہ کسی نے کہا، آپ ایسے ضعف کی حالت میں کیسے بغیر کھائے رہتی ہیں؟ فرمایا، الحمدللہ میں تسبیحات سے غذا حاصل کر لیتی ہوں۔

(مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت ۴۲)

امی بی مولانا الیاس پر بہت شفیق تھیں۔فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہؓ کی خوشبو آتی ہے۔کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں، کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہؓ کی سورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ (مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت ۴۳)

مولانا محمد الیاس کی والدہ کی تلاوت واذکار

مولانا کی والدہ محترمہ بی صفیہ بڑی جیدہ حافظہ تھیں۔انہوں نے قرآن مجید شادی کے بعد مولانا یحییٰ صاحب کی شیر خوارگی کے زمانہ میں حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد کیا تھا کہ معمولی حافظ ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔معمول تھا کہ رمضان میں روزانہ پورا قرآن مجید اور دس پارے مزید پڑھ لیا کرتی تھیں، اس طرح ہر رمضان میں چالیس قرآن مجید ختم کرتی تھیں۔ رواں اتنا تھا کہ گھر کے کام کاج اور انتظامات میں فرق نہ آتا تھا بلکہ اہتمام تھا کہ تلاوت کے وقت ہاتھ سے کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتیں۔رمضان کے علاوہ امور خانہ داری کے ساتھ روزانہ کے معمولات یہ تھے۔

درود شریف پانچ ہزار بار، اسم ذات اللہ پانچ ہزار بار۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 1900 بار، یا مغنی 1100 بار، لا الٰہ الا اللہ 1200 بار، یا حی یا قیوم 200 بار، حسبی اللہ نعم الوکیل 500 بار، سبحان اللہ 200 بار، الحمدللہ 200 بار، لا الٰہ الا اللہ 200 بار، اللہ اکبر 200 بار، استغفار 500 بار، افوض امری الی اللہ 100 بار۔حسبنا اللہ ونعم الوکیل 100 بار،

رب انی مغلوب فانتصر 100 بار، رَبِّ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین 100 بار، لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین 100 بار۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۴۲)

دیندار گھرانے کا نقشہ

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء کے اواخر میں، میں نے ارادہ کیا کہ اپنی مرحومہ اہلیہ کو لے کر سہارنپور کا سفر کروں۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی اہلیہ مکرمہ اور صاحبزادیاں پوری شرعی پابندیوں کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں اور دینی حیثیت سے اس گھرانے کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے۔ میں نے چاہا کہ اہلیہ کا چند روز حضرت شیخ کے گھر پر قیام رہے تاکہ وہ صحیح دینی زندگی کا نقشہ آنکھوں سے دیکھیں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میں نے حضرت شیخ کو خط لکھ کر اجازت طلب کی، حضرت کی طرف سے اجازت آنے پر یہ سفر ہوا۔ چند روز اہلیہ کا قیام حضرت کے یہاں رہا۔ آنکھوں نے جو دیکھا اور بعد میں مجھے بتلایا اس میں چند باتیں جو یاد رہ گئی ہیں، درج ذیل ہیں:

۱...... کوئی عزیز قریب بھی زنان خانے میں نہیں آتے۔

۲...... کوئی داماد اگر اپنی اہلیہ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں تو دروازہ ہی پر ان کو بلا کر بات کر لیتے ہیں۔

۳...... غیر معمولی تعجب کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا کہ جو کھانا ہم اپنے گھر گھنٹوں میں پکاتے ہیں، وہ حضرت شیخ کے یہاں منٹوں میں تیار ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ذکر کیا کہ ایک دن جب کھانے کے وقت میں صرف آدھ گھنٹہ باقی تھا، حضرت شیخ نے بالا خانے کے اپنے کمرے سے اطلاع دی کہ فلاں مہمان آگئے ہیں، ان کے لئے کچھ اہتمام کر لو تو صرف آدھ گھنٹہ میں یا اس سے بھی کم وقت میں صاحبزادیوں نے پلاؤ تیار کر لیا اور ایک دو طرح کے سالن بھی۔ میں حیرت سے دیکھتی رہی۔ وہ پتیلی چولہے پر رکھتی تھیں اور جو کچھ پکانا ہوتا تھا اس میں ڈال دیتی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد اتار لیتی تھیں اور کھانا تیار ہوتا تھا۔ (تحدیث نعمت ۲۹۴)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی آپ بیتی میں ایک

دلچسپ قصہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی اور دیگر دس بارہ آدمی اچانک کچے گھر میں آ گئے۔ میں نے بچیوں سے پوچھا، کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا، نہ روٹی کا ٹکڑا اور نہ سالن ہے۔ میں جلدی باہر گیا، قصاب سے قیمہ خرید کر گھر پہنچا تو دونوں چولہوں میں آگ جل چکی تھی، ایک پر توا رکھا تھا ایک پر مصالحہ بھن رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا، جلدی کر کے کھانا تیار کرو اور میں نے باہر آ کر شور مچایا کہ بھائی کسی نے دستر خوان نہیں بچھایا، ارے بھائی دستر خوان بچھاؤ، ہاتھ دھلاؤ۔ حضرت مدنی سمجھے کہ کھانا تیار کر رکھا ہوگا۔ سب کے ہاتھ دھلائے اور ترتیب سے بیٹھنے اور دستر خوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے۔ میں اندر گیا، دس بارہ روٹیاں تیار ہو چکی تھیں اور قیمہ بھی تیار ہو چکا تھا۔ میں اطمینان سے تین رکابیوں میں قیمہ لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھیں۔ ایک دم حضرت کو خیال ہوا کہ پہلے کا کچھ نہیں، ابھی ہی پکایا ہے۔ حضرت کو تعجب نہیں ہوا کہ بارہا ان کا سابقہ پڑ چکا تھا لیکن علامہ ابراہیم بلیاوی مرحوم جو فن معقول کے مشہور امام تھے، فرمانے لگے، کیا آپ کو ہمارے آنے کا پہلے سے علم تھا یا آپ کو کشف ہو گیا۔ میں نے کہا، جناب! آپ کے یہاں بیٹھنے کے بعد گوشت قصاب کے یہاں سے خریدا گیا ہے۔ فرمانے لگے، یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ میں نے کہا، ہر بات معقول نہیں ہوتی، کچھ عقول سے بالاتر بھی ہوتی ہے۔ حضرت مدنی نے علامہ سے فرمایا، مناظرہ نہ کرو، جلدی سے کھالو دیر ہو رہی ہے، ان کے یہاں تو یہ قصے چلتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت مدنی قدس سرہ کے دروازے میں مصافحے کے وقت سے گیارہویں منٹ پر دستر خوان بچھ گیا تھا۔ (آپ بیتی ۲/۴۵۰)

ایک عورت کا دینی جذبہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں۔ آخر ۱۹۴۶ یا شروع ۴۷ء کا واقعہ ہے۔ یہ عاجز ہفتہ عشرہ کے قیام کی نیت سے نظام الدین حاضر ہوا، اہلیہ بھی اس سفر میں میرے ساتھ تھی۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی اور مولانا محمد ہارون کی والدہ مرحومہ مرض دق میں مبتلا تھیں۔ ان کے علاج دوا کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت حافظ فخر الدین صاحب نے لے رکھی تھی، وہ روزانہ شہر دہلی سے

اس ضرورت سے تشریف لاتے۔ میں نے ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ان کا حال پوچھا اور مرض کی نوعیت کی تفصیل معلوم کرنی چاہی۔ ان کے جواب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ باخبر نہیں ہیں۔ مجھے تعجب سا ہوا لیکن میں نے کچھ کہا نہیں۔

چار پانچ دن کے قیام کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ مولانا کی بیوی اس درجہ کی مریضہ ہیں کہ مجھے ان کے بچنے کی بھی امید نہیں ہے اور میں چار پانچ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ حضرت مولانا ان کا حال پوچھنے کے لئے بھی کسی وقت ان کے پاس نہیں آتے۔ وہ عورت ذات ہیں، ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی، ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے پوچھا، کیا انہوں نے تم سے خود بھی اس کی شکایت کی ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ انہوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوگا، آپ اس کے لئے مولانا سے ضرور کہیں۔ میں نے اگلے دن مولانا سے تنہائی میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ ایسی مریضہ ہیں اور آپ کئی دن مزاج پرسی کے لئے ان کے پاس نہیں جاتے۔ رشتہ زوجیت کے علاوہ وہ حضرت شیخ کی صاحبزادی بھی ہیں، ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آئی، آپ کو روزانہ کچھ وقت ان کے پاس ضرور صرف کرنا چاہئے۔ مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا، ہاں یہ بات تو بالکل صحیح ہے اور میں نے خود ان سے اس بارے میں بات کی تھی مگر انہوں نے میرے حال اور میری مصروفیت کو دیکھ کر خود ہی مجھ سے کہہ دیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں مشغول رہیں، میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو رہا ہے، اگر زندگی ہے تو اچھی ہو جاؤں گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جلدی اٹھانے کا ہے تو انشاء اللہ جنت میں اطمینان سے ملاقات ہوگی۔ میں نے کہا، مجھے تو یہ شبہ ہے کہ انہوں نے یہ بات آپ کی بے فکری اور بے پرواہی دیکھ کر کہی ہوگی۔ مولانا نے فرمایا، آپ تحقیق کرلیں، اگر ایسی بات ہوگی تو میں ان کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ان سے اس بارے میں اس طرح کی جذباتی باتیں کرو کہ ان کے دل کی بات زبان پر آجائے۔ چنانچہ میری اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی۔ انہوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا، وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں، انہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ میں نے خود ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے جنت میں جمع فرما دیا تو وہاں اطمینان

سے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا۔ چند مہینوں بعد اسی علالت میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہو گیا۔ (تذکرہ مولانا محمد یوسف ۲۶)

مولانا محمد علی جوہر کی والدہ بی اماں کی بیت اللہ میں دُعا اور جذبہ جہاد

مولانا محمد علی جوہر کی والدہ بی اماں حج کے لئے تشریف لے گئیں تو بیت اللہ کے غلاف کو تھام کر بی اماں نے دُعا کی۔ اے میرے پروردگار! تو نے محض اپنے فضل سے ان بچوں کی پرورش کروائی، میں اس قابل نہ تھی۔ اب اتنی دُعا ہے کہ ان کو سچا مسلمان بنا دے۔ اور ساتھ ساتھ یہ دُعا بھی کی کہ میں لاوارث بیوہ عورت ہوں، تیری شان کے مطابق کوئی نذرانہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ دو یتیم بچے حاضر ہیں۔ اے اللہ شوکت و محمد کو اسلام کے لئے قبول فرما لے۔

فرماتیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بھائیوں کو اپنی راہ میں لگا لیا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرانی خلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی فرماتے تھے کہ تحریک آزادی کے دو سپوت مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی سے آج ہر کوئی واقف ہے لیکن حریت کے ان علمبرداروں نے جس آغوش میں آنکھ کھولی اور پروان چڑھے۔ جن کی بے پناہ محبت، توجہ و تربیت نے ان دونوں بھائیوں کو افق عالم پر چمکایا، آج ان سے کم لوگ واقف ہیں۔ بی اماں مرحومہ بڑی خوش قسمت ماؤں میں سے ہیں کہ انہیں علی برادران جیسے چشم و چراغ ملے۔

(بیس بڑی خواتین ۱۵۲)

بی اماں کے صاحبزادگان کی گرفتاری

انگریز حکومت نے اسی سلسلہ میں ستمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی اور اس تحریک کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا اور ان رہنماؤں پر کراچی خالق دینا ہال میں ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو مقدمہ چلایا جو یکم اکتوبر ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ اسی واقعہ کو بی اماں نے ایک موقعہ پر جب خلافت اور مسلمانوں کی تباہی کا ذکر کرنے لگیں تو نہایت جوش میں آگئیں جس سے ان کے کمزور اور لاغر ہاتھ کانپنے لگے۔ فرمایا کہ جب شوکت و محمد گرفتار ہوئے تو میں بڑھیا اپاہج (عورت) جس کو چارپائی سے اٹھنا بھی دشوار تھا کراچی جانے کے لئے تیار ہو گئی اور کراچی پہنچ

کر میں نے شوکت سے کہا، میں اس قابل تو نہیں تھی لیکن اگر اس آخری عمر میں تم لوگوں کے طفیل مجھ سے اسلام کی خدمت ہو سکے تو بڑی خوش نصیبی ہوگی۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنا کفن تیار کر کے ساتھ رکھ لیا ہے۔ اشفاق (سیکریٹری علی برادران) سے میں نے کہہ دیا ہے کہ عمر کا کیا ٹھکانہ، اگر سفر میں موت آ جائے تو میرے مسلمان بھائیوں سے میرے لئے دو گز زمین مانگ کر مجھ کو دفنا دینا۔ (بیس بڑی خواتین ۱۵۴)

بی اماں کی غیرت

اسی قید کے زمانے میں ایک مرتبہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا محمد علی اور بعض دوسرے رہنما انگریز حکومت سے معافی مانگ کر جیل سے رہا ہو رہے ہیں۔ جب یہ خبر بی اماں کو پہنچی تو وہ غضبناک ہو گئیں اور بولی، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ محمد علی اسلام کا سپوت ہے، وہ انگریزوں سے معافی مانگنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اس نے یہ حرکت کی تو میرے بوڑھے ہاتھوں میں اب بھی اتنی طاقت تو ہے کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔ ایسی زندگی جس سے اسلام پر حرف آئے لعنت ہے۔ (بیس بڑی خواتین ۱۶۴)

بی اماں کی ہمت واستقلال

نصر اللہ خان عزیز نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

میں بی اماں سے ان کی جرأت، شجاعت و سیاسی پختگی کے واقعات سن کر غائبانہ واقف تھا مگر جب ان کے بیٹوں کو انگریزوں نے کراچی میں قید کر دیا تو بی اماں نے یہ بیان دیا کہ فرنگیوں نے میرے وارث بیٹوں کو قید کر دیا ہے اور اسلام پکار رہا ہے، اس لئے مجھ معذور و بوڑھی عورت کے لئے بھی اب جائز نہیں کہ گھر کی چار دیواری میں بیٹھی رہوں۔ دونوں بہوؤں کو لے کر نکل کھڑی ہوئیں اور پورے ملک کا دورہ کیا، دلوں میں ایک آگ لگا دی۔ عورتوں نے اپنے بڑے زیور اور بعض نے اپنے بچے تک فنڈ کے لئے پیش کر دیئے، تین کروڑ کا چندہ کیا۔

عزیز صاحب کو پنجاب کے چند مقامات پر بی اماں کی معیت میں دورہ کرنے کا موقعہ ملا۔ فرماتے ہیں کہ بی اماں ایک مرتبہ ایک خادمہ کے ساتھ لاہور تشریف لائیں۔ گرمی کا

موسم تھا اور بی اماں کی عمر اس وقت لگ بھگ اسی سال تھی، کمر جھک چکی تھی۔ اتنی عمر اور کمزوری کے باوجود دن بھر تقریریں کرتیں۔ اس بڑھاپے کے باوجود اپنے کام کو اپنے ہاتھ سے کرتیں حتیٰ کہ جب تہجد میں اٹھتی تو اپنی خادمہ کو نہ جگاتیں، خود ہی جھکے جھکے چل کر اپنی تمام ضرورتیں پوری کرتی اور بہت آہستہ کام کرتی کہ کسی کی نیند میں خلل نہ آئے۔ بی اماں دن بھر پبلک کے کاموں میں لگی رہتیں اور پچھلی شب میں اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کھڑی ہو جاتی اور ان سے دُعائیں مانگتیں۔

جون کا مہینہ تھا۔ بی اماں کے ساتھ چودھری افضل حق مفکر احرار، غازی عبدالرحمٰن امرتسری، شیخ دوست محمد اور مسٹر نصر اللہ خان تھے۔ یہ سب جوان انتھک کام کرنے والے اچھے مقرر تھے۔ گرمی، لائل پور کی خشک اور خاک آلود سرزمین میں دورہ کرتے تقریریں کرتے ہوئے تھک کر پست ہو گئے، آوازیں بیٹھ گئیں لیکن بی اماں کا فولادی وجود تھا جس نے تھکنے کا نام نہیں لیا۔ جفاکش جواں عمر لیڈر تقریر سے ہچکچانے لگے لیکن بی اماں مسلسل اپنی آواز کی ایک ہی حالت پر تقریریں کرتی رہیں اور تحریک خلاف کا صور پھونکتی رہیں۔ اس دورے میں جواں سال مرد موقع ملتے ہی آرام کرنے اور ستانے کی فکر کر لیتے لیکن بی اماں رات کے مختصر سے آرام کے علاوہ ایک منٹ کو بھی کمر سیدھی نہ کرتیں۔ استقبال، جلسے جلوسوں، تقریروں سے فارغ ہونے پر دوران سفر نصیحت آمیز باتیں اور کہانیاں سناتی رہتیں۔

(بیس بڑی خواتین ۱۶۴)

بیگم حسرت موہانی کی جرأت

سیّدہ نشاط النساء بیگم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ممبر تھیں، یاد رہے کہ حسرت موہانی بھی اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ اسی کمیٹی کا سالانہ اجلاس ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کو کانپور میں ہو رہا تھا جس کی صدارت مسز سروجنی نیڈو کی کر رہی تھیں۔

اس اجلاس میں بیگم نشاط النساء اپنے شوہر حسرت موہانی کے ساتھ شریک ہو رہی تھیں، ساتھ میں مزدوروں اور کسانوں کی ایک بڑی جماعت تھی۔ جب بیگم نشاط النساء ان مزدوروں، کسانوں کے ساتھ پنڈال میں داخل ہونے لگیں تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنے

رضا کاروں کے ساتھ ان کسانوں اور مزدوروں کو پنڈال میں داخل ہونے سے روکا جس کے نتیجہ میں درجنوں افراد زخمی بھی ہوئے۔ پنڈت نہرو اس وقت بڑے جوش میں تھے۔ غیر اختیاری طور پر پنڈت نہرو کا ہاتھ سیّدہ نشاط النساء کو لگ گیا، اس پر وہ بہت ناراض ہوئیں اور پھر انہوں نے بڑے زور سے پنڈت نہرو کے منہ پر طمانچہ مار دیا اور بولیں، بے غیرت شرم نہیں آتی، مجھے ہاتھ لگاتا ہے۔ فوراً پنڈت نہرو نے ہاتھ جوڑ کر کہا، آپ میری ماں ہیں، مجھے اور ماریئے اور سزا دیجئے۔ بھول ہوگئی ماں جی! معاف کردیں۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۸۶)

سیّدہ نشاط النساء کا استغناء

مولانا حسرت موہانی معاشی پریشانی میں مبتلا ہی رہے اور کوئی دوسرا ساتھ بھی نہ تھا، صرف اکیلے ہی کمانے والے تھے۔ جب جیل وغیرہ چلے گئے تو وہ معاش کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا تھا۔ کئی موقعہ پر سخت حالات آئے مگر ان حالات پر سیّدہ نشاط النساء نے صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ عموماً وہ خود ہی لوگوں کے کپڑے سیتی تھیں اور کاغذ کے لفافے بنا کر اپنی زندگی گزارتی تھیں۔ جب ۲۴۔۱۹۲۳ء میں اہل یونا کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ان پر مالی پریشانی ہے تو ان لوگوں نے مدد کرنے کی بہت کوششیں کیں مگر اس صابر عورت نے سب کی امداد کو ٹھکرا دیا۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۸۸)

بی بی نصیر النساء...... شوق عبادت

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی والدہ بی بی نصیر النساء کو نماز کا حد درجہ اہتمام تھا بلکہ نماز سے عشق تھا۔ ساتھ ساتھ اشراق و چاشت، تہجد کا اہتمام ایسا رہتا کہ کبھی ناغہ نہ ہونے پاتا۔ تہجد کے لئے نماز فجر سے ایک آدھا گھنٹہ پہلے اٹھنے کے بجائے درمیانی شب کو اٹھ جاتیں اور پوری بارہ رکعتیں بہت زیادہ اہتمام خضوع وخشوع سے پڑھتیں۔ اس معمول میں نہ سردی میں فرق آتا اور نہ ہی گرمیوں میں۔ گرمیوں کی راتیں مختصر، صبح تک بھی لوگوں کی نیند پوری ہونا مشکل مگر بی بی نصیر النساء کو تہجد کے ساتھ اتنا عشق کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد تہجد کے لئے اٹھ

بیٹھتیں۔ یہی حال سردیوں میں ہوتا کہ فجر کی نماز کے لئے بھی لوگوں کا لحاف سے نکلنا مشکل ہوتا ہے مگر بی بی نصیر النساء ایک بجے، کبھی دو بجے تین بجے تو ہر حال میں اٹھ کر بیٹھ جاتیں۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادی فرماتے ہیں کہ والدہ ماجدہ کا نماز سے تعلق کا یہ حال تھا کہ کوئی عزیزوں میں سے پردیس سے آیا یا کوئی بیماری سے صحیح ہو گیا، غرض کوئی خوشی ہو، فوراً نماز شکرادا کرنے کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ یا کسی کے انتقال کی خبر سنی تو جھٹ ایصال ثواب کے لئے ہاتھ باندھ لئے۔ صبح سے شام تک، شام سے صبح تک کتنی رکعتیں پڑھ ڈالتیں، ان کا علم تو بس اللہ کے فرشتوں کو ہی ہوگا۔

وہ یہ دُعا بھی کرتیں کہ جی چاہتا ہے مرنے کے بعد مسجد کے عین دروازے پر دفن ہوں کہ اللہ کے گھر آنے جانے والے میرے اوپر سے گزریں، خیر یہ ناممکن ہو تو میری قبر مسجد سے متصل ہی بنے کہ اذان کی آواز برابر آتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا بھی پوری کی کہ مرنے کے بعد ان کو خاندانی مسجد کے عین پشت پر گورستان میں جگہ ملی، وہاں اذان کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مؤمنہ صالحہ کی اس آرزو کو بھی پورا کر دیا۔ پھر نماز فجر اوّل وقت میں پڑھتیں، پھر جاءِ نماز پر بیٹھی رہتیں۔ اس کے بعد چراغ کی روشنی میں قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتیں۔ خود اچھی طرح نہیں پڑھ سکتی تھیں، اٹک اٹک کر پڑھتیں مگر اسی مشقت وتعب سے پڑھتی رہتیں کہ کبھی بھی اس کی وجہ سے پڑھنا نہ چھوڑا:

نماز پڑھنا قیام کرنا رکوع کرنا سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کر کبھی جھک کر زمیں پہ ماتھا ٹکا ٹکا کر

نماز کی طرح روزے کے ساتھ بھی عشق تھا، پوری زندگی کبھی فرائض ونوافل نہ چھوڑے۔ عمر جب ۸۵ سال کی تھی تو روزہ رکھنا بہت مشکل تھا، جب بھی روزہ نہ چھوڑتیں۔ فرائض تو بہت دور کی بات، عاشورہ محرم ذی الحجہ کے مسنون ومستحب روزے بھی کبھی نہ چھوڑتیں۔ حج کے لئے جب ۱۹۱۲ء میں تشریف لے گئیں تو شوہر کا انتقال مکہ میں ہی ہو گیا تو مدینہ منورہ نہ جا سکیں، اس کا پوری زندگی افسوس رہا۔ مذہبی کتابیں سننے کا حد درجہ شوق آخر عمر میں اپنی پوتیوں سے پڑھا کر سنتیں۔

اس دینی ذوق کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج بھی سب خود ہی کرتیں۔ خود دونوں

وقت بیس پچیس آدمیوں کا کھانا پکاتیں۔ آخر وقت تک صحت اچھی رہی، چلتی پھرتی رہتی تھیں۔ آنکھیں آخری وقت میں بنوائی تھیں بلکہ وہ اس کی دُعا بھی کرتیں کہ یا اللہ! میرے ہاتھ پیر آخرت وقت تک جواب نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دُعا قبول کر لی تھی۔

(تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین ۱۹۷)

سیّدہ عزیز النساء بیگم کی طلباء سے حد درجہ محبت اور خدمت

سیّدہ عزیز النساء بیگم کے شوہر حکیم برکات احمد ٹونکی نے ابتداً اپنے گھر میں ہی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس کے لئے اپنے ہی مکان کا ایک حصہ فارغ کیا ہوا تھا۔ ان طلباء کی تعداد ساٹھ ستر عموماً ہوتی تھی۔ ان طلباء کے کھانے وغیرہ کی ذمہ داری سیّدہ عزیز النساء کے ہی ذمہ تھی۔ ان طلباء کو وہ اپنے بچوں کی طرح سمجھتی تھیں اور اگر کوئی طالب کھانے میں نقص نکالتا تو اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کو مناتی تھیں۔ اگر اور کوئی شکایت کرتا تو فرماتیں:

> ''نیک بخت! تجھے یہ خیال نہیں کہ یہ لڑکے کتنی دور سے دوسرے ملکوں سے دین کا علم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ماں باپ کا لاڈلا ہوگا۔ آج یہ پردیس میں ہیں، تمہارے بس میں ہیں۔ کل اپنے گھر سدھاریں گے، کیا یاد کریں گے۔''

اسی بات کو مشہور مؤرخ اور عالم دین مولانا مناظر احسن گیلانی جنھوں نے ٹونک میں آٹھ سال قیام کیا، فرماتے ہیں:

> ''حضرت (مولانا سیّد برکات احمد) کی یہ بیوی صاحبہ ان گرامی قدر خواتین میں سے ہیں جنھوں نے علم و دین کی خدمت میں اپنے آپ کو اپنے شوہر کا دست راست ثابت کیا۔ بیوی صاحبہ نے حضرت کے تمام علمی مہمانوں کی خاطر مدارت کی۔ نہ صرف ان کے قیام و طعام کا تیں پینتیس برس تک انتظام کیا بلکہ سچ یہ ہے کہ انہوں نے ان کو مہربان ماں کی طرح پالا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ بعض دفعہ ان غریب الدیار طلباء کے مصارف کے لئے بیوی صاحب کو اپنے زیور خفیہ طور پر فروخت کر دینے پڑے۔

اگر وہ نہ ہوتیں تو برکاتی سلسلے کو علمی آبادیوں میں ہم نہ پا سکتے۔"
(معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۲۹ء)

سیّدہ خیر النساء بہتر...... والدہ ماجدہ مولانا ابوالحسن علی ندوی

ابتدا ہی سے خیر النساء کو مذہبی لگاؤ تھا۔ اپنے شوق سے اپنے بھائی سیّد عبید اللہ سے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور تین سال کی مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ پھر رمضان میں مزے لے کر پوری رات میں ایک پارہ تراویح میں پڑھتی تھیں اور ساتھ میں عورتیں بھی شریک ہو جاتی تھیں۔ علی میاں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں چھپ کر دیر تک والدہ صاحبہ کا قرآن کھڑا استار رہا، وہ تراویح پڑھا رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے بارش ہو رہی ہے۔ وہ لطف آج تک نہیں بھولتا۔ (بیس بڑی خواتین ۲۵۴)

حالات پر صبر

مولانا عبدالحئی کے گھر پر شادی کے بعد خیر و برکت کا نزول ہوا۔ خیر النساء کی شادی کے بعد سے تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ شروع میں تو یہ حال تھا کہ کئی کئی دنوں کا فاقہ ہوتا تھا کیونکہ دادا جان کی آمدنی برائے نام تھی اور مولانا عبدالحئی کی کوئی آمدنی اس وقت تک نہیں تھی۔ دوسری طرف خیر النساء کی والدہ ماجدہ کو اپنی بیٹی کی فکر رہتی تھی اور وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی کو بھیج کر معلوم کروا تیں کہ گھر پر کچھ ہے یا نہیں، کچھ نہ کچھ بھیجتی رہتیں۔ اللہ تعالیٰ نے خیر النساء کو فراست دی تھی کہ جب بھی کوئی میکہ سے آتا، فوراً ہانڈی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیتیں تاکہ آنے والا مطمئن ہو کر واپس جائے۔ (بیس بڑی خواتین ۲۵۸)

خیر النساء کے مشغلے

خیر النساء کے دو ہی مشغلے تھے:

(۱) دینی کتابوں کو لکھنا اور عموماً اس کام کے لئے انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو منتخب کیا ہوا تھا۔

(۲) دوسرا مشغلہ خیر النساء کا وظیفہ دعا اور عبادت کرنا تھا۔ (بیس بڑی خواتین ۲۶۱)

اسلام کے غلبہ کی تمنا

شروع سے اور آخر میں یہ تمنا بہت زیادہ ہوگئی تھی کہ کس طرح پورے عالم میں دین پھیل جائے، ان کو ہر وقت اس کی دھن اور فکر رہتی تھی۔ علی میاں فرماتے ہیں، اس فکر اور دھن کی وجہ سے اُن میں مولانا الیاس کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔ بہت بے چین ہوتی تھیں اور جو اشعار کہتیں، ان میں بھی اس جذبہ اور آرزو کا اظہار کرتی تھیں اور دشمنان اسلام سے، اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے والوں سے سخت نفرت تھی۔ اس پر ان کو سخت غصہ آتا تھا۔

اپنے صاحبزادے علی میاں سے کبھی کبھار پوچھتیں، علی! تمہارے ہاتھ پر کبھی کوئی مسلمان بھی ہوا ہے؟ میں کہتا کہ ہاں اکا دکا کبھی کسی نے کلمہ پڑھا ہے۔ فرماتیں کہ یہ آرزو ہے کہ جماعت کی جماعتیں تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہوتیں۔

ایک روز بڑی ٹھنڈی سانس لے رہی تھیں۔ ان کی چھوٹی بیٹی نے کہا کہ آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کی خواہش ہے کہ علی نبی ہوجائیں؟ فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتی کہ نبوت ختم ہوگئی؟ میری آرزو ہے کہ ان کے ہاتھ پر جماعتوں کی جماعتیں اسلام لائیں اور دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بج جائے۔ (بیس بڑی خواتین ۲۸۳)

خیر النساء کے معمولات

خیر النساء کی صاحبزادی امۃ اللہ تسنیم فرماتی ہیں، میں نے اپنے ہوش میں والدہ صاحبہ کے تین دور دیکھے ہیں۔ پہلا دور والد صاحب کی زندگی کا، دوسرا دور والد صاحب کی وفات کے بعد کا، تیسرا دور عالم ضعیفی کا۔

پہلے دور میں والدہ صاحبہ نماز، تلاوت کلام پاک کے بعد پورا وقت والد صاحب کی اطاعت اور خدمت میں گزارتی تھیں۔ ان کا کھانا، چائے، ناشتہ، پان اور ضروریات کی کل چیزیں خود ہی اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں۔ صبح سویرے اٹھ کر سماوار میں چائے کا پانی رکھ کر آگ جلا دیتی تھیں، پھر نماز کے لئے کھڑی ہوجاتی تھیں۔ جب والد صاحب مسجد سے تشریف لے آتے تو چائے دم کر کے ناشتہ پیش کر دیتی تھیں۔ ناشتہ کی فراغت کے بعد دوپہر کے کھانے

کی تیاری میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ کھانے پکانے میں ہر روز نئی قسم کا کھانا پکاتی تھیں۔ ذائقہ کتاب میں جو ترکیبیں لکھی ہوتی ہیں، ان سب کو بیسیوں مرتبہ خود بھی پکایا۔ والد صاحب بہت مہمان نواز اور دعوت میں ممتاز تھے، اس لئے ہر روز کسی نہ کسی کی دعوت ہوتی۔ والدہ صاحبہ بہت ہی اہتمام سے کھانا تیار کرتی تھیں۔

والد صاحب پان کے بہت شوقین تھے۔ گلوریاں بنا کر گلوری دان میں گلوریوں کو ایسی خوبی سے بھرتی تھیں کہ پھول کا گلدستہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح پھلوں کی پھانکوں کو پلیٹ میں اس طرح سجاتی تھیں کہ دیکھنے والا عش عش کر جائے اور بغیر تعریف کئے نہ رہے۔ والد صاحب کی خدمت گزاری کو اوّل دن سے آخر دم تک نبھایا، اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوا۔

دن بھر کی مصروفیات کے بعد عشاء کے وقت جب تمام کاموں سے فارغ ہو جاتی تھیں تو ہم لوگوں کو بٹھا کر دُعائیں، قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں، اللہ رسولؐ کے قصے ایسی خوبی سے سناتی تھیں کہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے حالات اور بزرگوں کے واقعات بھی سناتی رہتی تھیں۔ قرآن مجید کی خود حافظہ تھیں [illegible]مضان شریف میں والد صاحب کی خدمت کے باوجود اپنے بھتیجے سیّد حبیب الرحمٰن سے دو[illegible] اور رات کو تراویح میں سناتی تھیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد ہمہ تن خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ گر[illegible] میں ڈھائی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے، رمضان شریف میں گرمی میں ایک [illegible] سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد میں اٹھ بیٹھتی تھیں اور بڑی لمبی لمبی سورتیں پڑھتی تھیں۔ مثلاً سورۃ حدید، سورۃ حشر، سورۃ دخان، سورۃ یٰسین شریف، الم سجدہ، حم سجدہ، طور، نجم، واقعہ، رحمٰن، ق، ذاریات وغیرہ۔

واقف ہو اگر مدت بیداری شب سے
اونچی ہے ثریا سے بھی خاک پراسرار

تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جاء نماز تر ہو جاتی تھی۔ کبھی اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ رسولؐ کی محبت، دینی خوبیاں اور دینی خدمت کی توفیق ہی کی ہمیشہ دُعا کرتی تھیں۔ صبح چار بجے انگیٹھی جلا کر رکھ دیتی تھیں اور خود نماز

میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ دو [illegible] لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کرتیں۔ جو کاہلی کرتا [illegible] ناراض ہو جاتی تھیں اور جو نماز پڑھ کر بھی سو جاتا، اس پر بھی ناراض ہو جاتی تھیں کہ یہ تو [illegible]ت کا وقت ہے۔

خود تہجد کے بعد [illegible]ح تک ...... لا الٰہ الا اللہ ...... کی ضرب لگاتی تھیں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات [illegible] مشغول رہتیں۔ پھر اشراق پڑھ کر ناشتہ کر کے پھر کلام اللہ کی تلاوت کرتیں۔ اس کے بعد گھر کا کام کر[illegible]، پھر چاشت کی نماز کے بعد مناجاتیں لکھنا شروع کر دیتیں۔ ظہر کا کھانا کھا کر کچھ [illegible] آرام کرتیں، پھر اذان ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتیں، جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول ہو جاتیں تھیں۔ جب ظہر کی اذان ہو جاتی تو اولاً نماز پڑھتیں، پھر سورۃ فتح، سورۃ نساء پڑھتی تھیں [illegible]س کے بعد عصر تک تسبیحات پڑھتی رہتی تھیں۔ عصر کا وقت شروع ہونے پر عصر کی نماز پڑھ کر کلام اللہ کی کچھ سورتیں مغرب تک پڑھتی رہتی تھیں۔

[illegible]ضرات علی میاں کی شادی ہوئی تو پورا گھر اپنی چھوٹی بہو کے سپرد کر دیا۔ آخری وقت میں جب [illegible] کی بصارت بالکل ختم ہوگئی تو پھر دن رات نماز، تسبیح، تلاوت کلام پاک، ہر وقت یہی مشغل[illegible]ہ تھا۔ سرہانے گھڑی رکھنے کے باوجود ہر ایک سے معلوم کرتی رہتیں کہ کیا بجا ہے؟

[illegible]ن کی صاحبزادی امۃ اللہ تسنیم کہتی ہیں کہ میں اکثر قریب میں بیٹھ رہتی۔ میں کہتی کہ میں [illegible]وں گی جب نماز کا وقت شروع ہوگا، تب بھی ہر دس منٹ کے بعد پوچھتیں کہ کیا بجا ہے؟ مغر[illegible] کے وقت تو ایک آدمی دروازے پر بٹھا دیتیں، جیسے اذان کی آواز سنے فوراً اطلاع کر د[illegible] امۃ اللہ تسنیم کہتی ہیں کہ عرصہ سے انہوں نے اپنی یہ عادت بنا رکھی تھی کہ ناشتہ سے فارغ ہو [illegible]سورۃ فاتح اور الم مفلحون تک۔ آیت الکرسی، آمن الرسول آخر تک۔ سورۃ کہف کی [illegible]ول آخر کی دس دس آیتیں، اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنٰی، سورۃ الم نشرح، سورۃ اخلاص، [illegible]رۃ فلق، سورۃ الناس۔ ...... وان یکاد الذین ...... سے ...... لمجنون ...... تک۔ ...... قل [illegible] یصیبنا ...... سے ...... مؤمنون ...... تک۔ ...... وان یّمسسك اللّٰه بضر فلا کاشف له الا هو وانّ یردك بخیر فلا رادّ لفضله یصیب به من یّشاء من عباده وهو الغفور الرّحیم۔ رَبّ اشرح لی صدری ...... سے ...... یفقهوا قولی ......

تک...... اللّٰھمّ اجعل فی قلبی نوراً...... مزید اس پر حزب الاعظم کی چند مخصوص دُعائیں، درود شریف، صلوٰۃ تنجینا وغیرہ پڑھ کر پانی پر دم کر دیتیں اور گھر کے تمام افراد کو وہ دم کیا ہوا پانی پلاتی تھیں۔ یہ پانی لوگ دور دور سے پینے آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ان کو شفاء بھی دیتا ہے۔ مناجات پڑھنا اور پھر آخر زمانے میں مناجات سنتی تھیں۔ نصیحت فرماتیں کہ سورۃ واقعہ پڑھو، فاقہ نہیں آئے گا اور ہر فرض نماز کے بعد انیس انیس بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دُعا کرو، اس سے دُعا قبول ہوگی۔ دنیا سے تو ہمیشہ نفرت ہی رہی اور فیشن سے بھی قلبی عداوت تھی۔ (ذکر خیر ۹۹)

شہزادی زیب النساء کی دینداری

شہزادی زیب النساء (۱) شریعت کی بے حد پابندی کرنے والی تھیں۔ ہر حال میں شریعت کو دیکھ کر چلنے والی تھیں۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں، جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا، اس وقت سے ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اور نوافل و تسبیحات وغیرہ کا بھی اہتمام کرتی تھیں بلکہ اکثر اوقات عبادت میں ہی گزارتی تھیں۔ پردے کا بہت زیادہ اہتمام تھا۔

ایک دفعہ شہزادی اپنے بالا خانے میں اپنے بالوں کو خشک کر رہی تھی۔ ایک خادم اوپر کی طرف آیا، اس کی آہٹ کو شہزادی نے محسوس کیا۔ بعد میں تحقیق کی کہ خادم بالا خانے کی طرف آیا تھا اور اس کی نظر شہزادی کے ایک طرف کے بالوں پر پڑی تھی۔ اس پر شہزادی نے کہا کہ میرے اوپر کبھی غیر محرم کی نگاہ نہیں پڑی، ان بالوں پر ایک غیر محرم کی نگاہ پڑی ہے، اس لئے اس طرح کے بالوں کو انہوں نے کٹوا دیا۔ (بیس بڑی خواتین ۱۲۱)

حاشیہ...... فرمانروائے ہند اورنگزیب عالمگیر (م ۱۷۰۷) کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ۷ مارچ ۱۶۳۸ء کو دولت آباد دکن میں پیدا ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ ملا احمد جیون سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ ملا سعید اشرف سے فقہ، حدیث اور دوسرے علوم حاصل کئے۔ شعر و ادب اور خوشنویسی میں بھی کمال حاصل کیا۔ عربی اور فارسی میں اعلیٰ استعداد رکھتی تھیں۔ ان کی خواہش پر ملا صفی الدین اربیلی نے امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کا فارسی میں ترجمہ کیا جس کا نام زبدۃ التفاسیر یا زیب التفاسیر رکھا۔ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ اس زمانہ میں کسی کا کتب خانہ شہزادی زیب النساء کے کتب خانے سے بڑا نہ تھا۔ عمر بھر شادی نہیں کی۔ نہایت ہی عفیف و پارسا اور احکام شریعت کی پابند خاتون تھیں۔ ۱۷۰۲ء کو دلّی میں وفات پائی اور دلی کے باغ سہ ہزاری میں آسودہ خاک ہوئیں۔ ان کا شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ ۱۸۸۵ میں ریلوے لائن بچھاتے ہوئے اس مقبرہ کو مسمار کر دیا گیا۔

مولانا محمد تقی عثمانی کی والدہ کا ذکر وعبادت

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ اپنی والدہ صاحبہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ والدہ ماجدہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت تھیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کا ذوق عطا فرمایا تھا۔ جب تک بیماریوں نے انہیں بستر سے لگا نہیں دیا، اس وقت تک روزانہ تلاوت، مناجات، مقبول اذکار وتسبیحات اور نوافل کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا۔ وہ صبح کو تڑکے سے لے کر نصف شب تک بغیر کسی وقفے کے گھر کے کاموں، اولاد کی دیکھ بھال، حضرت والد صاحب کی ضروریات کی انجام دہی، ضعیف ساس کی خدمت اور دوسرے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتی تھیں اور رات گئے تک فرصت وآرام کا ان کی زندگی میں کوئی خانہ نہیں تھا۔ لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود ان کے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو مرتبہ حج اور ایک مرتبہ عمرے کی سعادت سے نوازا اور وہاں انہوں نے بڑی والہیت کا مظاہرہ کیا۔ آخر عمر میں بھی انہوں نے عمرے کے لئے کچھ رقم جمع کی ہوئی تھی کہ ذرا بیماریوں سے مہلت ملے تو ایک مرتبہ پھر اس سعادت سے سرفراز ہوں لیکن پھر موقع نہ مل سکا۔

عمر کے آخری تیرہ سال والدہ صاحبہ نے تقریباً مسلسل صاحب فراش رہ کر گزارے۔ ان ایام میں بھی ان کی عبادت کے معمولات جاری رہے البتہ فالج کے حملے کے بعد جب بالکل معذور ہو گئیں تو شاید مکلف بھی نہ رہی ہوں لیکن صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ادا فرماتی رہیں اور اب کچھ عرصہ سے نماز کے وقت قبلہ رُو ہو کر بیٹھ جاتی تھیں، جتنا کچھ پڑھ سکیں پڑھ لیتی تھیں۔

دوشنبہ ۲۰ رجب کو پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی بہت پیا گیا یہاں تک کہ پیٹ میں غیر معمولی نفخ ہو گیا۔ اسی اضطراب کی حالت میں عشاء کی اذان ہو گئی تو انہوں نے لیٹنے سے پہلے حسب معمول قبلہ رُو ہونا چاہا اور قبلہ کی طرف مڑتی ہوئی اچانک بستر پر گر گئیں۔ برادر محترم محمد رضی صاحب نے جن کے گھر میں وہ اس وقت مقیم تھیں۔ اٹھانا چاہا تو اندازہ یہ ہوا کہ فالج کا دوبارہ حملہ ہوا ہے۔ اسی دوران متعدد بار قے آئی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی۔ ابھی

یہ عالم اضطراب جاری تھا کہ اچانک والدہ کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی، ایسا محسوس ہوا جیسے وہ تکیہ کے نیچے کچھ تلاش کرنا چاہتی ہیں۔ تکیئے کے نیچے ان کی تسبیح رکھی رہتی تھی۔ احقر نے تسبیح ان کے ہاتھ میں دی تو معلوم ہوا کہ اسی کی تلاش تھی۔ زبان میں تو حرکت نہ رہی تھی لیکن ہاتھ سے انہوں نے جلدی جلدی تسبیح کو گھمایا اور اس طرح تسبیح پڑھتے پڑھتے بے ہوش ہوگئیں۔ عالم ہوش وحواس میں ان کے جسم کی آخری اختیاری حرکت نماز کے لئے اور ہاتھوں کی آخری حرکت تسبیح کے لئے تھی۔ (نقوش رفتگاں ۱۶۱)

حکیم محمد سعید کی والدہ کا کلمہ نماز سے تعلق

ادارہ ''ہمدرد'' کے بانی حکیم محمد سعید شہید اپنی والدہ محترمہ کے متعلق فرماتے ہیں۔
میں نے جب سے ہوش کی آنکھیں کھولیں، میں نے اپنی والدہ محترمہ کو نماز ترک کرتے نہیں دیکھا۔ صبح جب میں بیدار ہوتا تو وہ جاء نماز پر ہوتیں اور رات کو جب میں سونے لیٹتا تو وہ ہنوز جاء نماز پر ہوتی تھیں۔ نماز کی وہ خود بھی پابند تھیں اور مجھے بھی وہ نماز کا پابند رکھتی تھیں۔ ان کو خوش اور مطمئن رکھنے کی صورت صرف یہی تھی کہ ہم نماز اور روزہ کے پابند ہوں۔ ان کی ہدایت تھی اور وہ سختی سے اس پر عمل کراتی تھی کہ صبح جب آنکھ کھلے تو......لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... کلمہ زبان سے ادا ہونا چاہئے۔

حکیم محمد سعید کی والدہ محترمہ رابعہ بیگم کا تعلیم کے بارے میں ایک معین اصول تھا اور اس اصول سے انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کے بارے میں کوئی انحراف نہیں کیا۔ محترمہ رابعہ بیگم (جو اپنے والدین کی چوتھی اولاد تھیں) کی قطعی رائے تھی اور اس پر انہوں نے عمل کیا کہ مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم قرآن اور صرف قرآن کی تعلیم ہونی چاہئے۔ قرآن پاک کے بعد ہی کسی دوسری کتاب کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کی پانچوں اولادیں محترمہ حمیدہ بیگم، محترم حکیم عبدالحمید، محترمہ محمودی بیگم، میاں عبدالوحید اور حکیم محمد سعید قرآن کی تعلیم سے سرفراز ہیں۔ خاندان ہمدرد فی الواقع خاندان حفاظ ہے، اس خاندان کا ہر فرد حافظ قرآن ہے۔

محترمہ رابعہ ہمدرد ایک کثیر جائیداد کی مالک تھیں مگر اس جائیداد کے کرائے کو انہوں نے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا۔ اس کرائے سے وہ تعلیمی اور تبلیغی امدادیں بکثرت

دیا کرتی تھیں۔ انہوں نے دہلی میں ایک بڑی خوبصورت مسجد (مسجد رابعہ) تعمیر کرائی اور مسجد حوض قاضی کی بڑی اعانت کر کے مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔

(ماں از واصل عثمانی ۹۳۔۹۵)

قرآن پاک پر یقین رکھنے والی خاتون کا ایمان افروز واقعہ

مسز عائشہ بائی غلام محمد اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں۔ میں حسب معمول قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھی کہ میرا بڑا لڑکا شفیع جس کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی کھیلتے کھیلتے باہر نکل گیا۔ کار کا دروازہ خدا جانے کس طرح کھولا یا بند کیا کہ دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی دروازے میں پھنس کر تقریباً علیحدہ ہو گئی۔ صرف ایک دھاگہ کی مانند ہاتھ سے جڑی رہ گئی۔ میرے شوہر اس قدر گھبرائے کہ مجھ کو اطلاع کئے بغیر ہی اسی گاڑی میں محلہ کے ایک ڈاکٹر کے پاس لے گئے جس نے سول ہسپتال جانے کا مشورہ دیا۔ اور اس دوران میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سورۂ رحمٰن پڑھنے میں مشغول تھی۔ ابھی یہ سورۃ ختم ہونے کو تھی کہ چوکیدار نے پریشانی کے لہجے میں مجھے متوجہ کیا لیکن میں نے اس کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ سورۂ رحمٰن ختم ہونے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس نے سارا قصہ مجھ کو بتایا، میں فوراً ہسپتال پہنچی۔ ڈاکٹروں نے اس وقت تک ٹانکے لگا دیئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی انگلی جڑ سے کاٹی جائے گی۔ میں اس پر راضی نہ ہوئی۔ میرے بچے کے ہاتھ میں صرف چار انگلیاں رہ جائیں، یہ خیال بڑا ہی روح فرسا تھا۔

کراچی کے بڑے بڑے سرجنوں کو دکھایا۔ اس دران دو دن اور گزر گئے۔ ہاتھ میں سے بدبو اٹھنے لگی اور زہر تمام جسم میں آہستہ آہستہ سرایت کر رہا تھا کہ اس زمانے کے مشہور سرجن پنتھو کو دکھایا۔ انہوں نے تمام ڈاکٹروں کے متعلقہ فیصلہ کی تائید کر دی کہ یہ لاعلاج ہو گیا ہے، ٹانکے کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ چونکہ زہر کلائی تک پہنچ گیا ہے لہٰذا اب کلائی تک کاٹنا پڑے گا۔ میں اپنی مامتا اور محبت سے مجبور تھی۔ امید کی نازک ڈوری ڈاکٹر پنتھو کے چند جملوں سے ٹوٹ گئی۔ پھر بھی میں نے اس سے علاج کی درخواست کی کہ شاید اس کی دوا سے فائدہ ہو جائے۔ ڈاکٹر پنتھو جھلا گیا کہ تم اس وقت کلائی تک ہاتھ کاٹنے کی اجازت نہیں دے رہی ہو تو

آئندہ چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر تمہارے بچے کا ہاتھ صرف کہنی تک رہ جائے گا۔ میں یہ سن کر تھرا اٹھی۔ شہر کا کوئی بھی مشہور سرجن ایسا نہ تھا جس کو میں نے چھوڑ دیا ہو۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے وہیں کھڑے دُعا مانگی:

''یا الٰہی! تیرا کلام پڑھنے کے دوران یہ حادثہ ہوا ہے، تیرے ہاتھ میں کائنات ہے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اپنی رحمت سے مایوس نہ کر، میرے بچے پر رحم فرما۔ یا الٰہی! میں ایک دن میں ایک قرآن شریف مکمل کروں گی، بس تو میرے بچے کو بچالے۔''

پرنم آنکھوں سے ہاتھ پھیلائے ہوئے دل سے دُعا مانگی۔ ڈاکٹر نے میرے دل کو ڈھارس بندھاتے ہوئے دو کیپسول اور ایک ڈیٹول کی شیشی دی کہ ہاتھ دھلاتی رہنا۔ آئندہ چوبیس گھنٹہ بعد تمہارے بچے کا آپریشن کروں گا۔ میں نے یہ چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے مانگ لئے۔ اور ہسپتال میں ہی قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ میں نے اور حاجی صاحب (والد شفیع) نے مل کر اٹھارہ گھنٹہ کے اندر اندر قرآن شریف ختم کر ڈالا۔ اس اٹھارہ گھنٹہ کے دوران شفیع کے ہاتھ کا ناسور حیرت انگیز طور پر سوکھ گیا اور بدبو وغیرہ غائب ہوگئی۔

جو کام بڑے بڑے سرجن نہ کر سکے، اس کو کلام الٰہی نے چشم زدن میں کر دیا۔ سرجن حیران تھا، اس کی اعلیٰ ڈگریاں، اس کی سرجری اس مقدس کتاب کے آگے سرنگوں ہوگئیں۔ یہ واقعہ چودہ سال پہلے کا ہے لیکن میرے لئے زندہ جاوید ہے۔ شفیع کا ہاتھ حیرت انگیز طور پر اس طرح ٹھیک ہوا کہ نشان تک باقی نہیں ہے۔ (قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۱۵۱)

نواب سلطان جہاں بیگم (والی ریاست بھوپال)

نواب سلطان جہاں بیگم نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ انہوں نے ریاست کے مدار المہام (وزیر اعظم) مولوی جمال الدین خان بہادر سے قرآن پاک ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا۔ وہ اپنے دور کے بہت بڑے عالم دین بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کی تعلیم بھی دی گئی اور امور خانہ

داری نیز شہسواری اور نشانہ بازی میں بھی طاق کیا گیا۔ان کا عہد طفلی اپنی نانی نواب سکندر بیگم کی آغوش شفقت میں گزرا۔انہوں نے بڑی شفقت اور توجہ سے نواسی کی دینی تربیت کی۔اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ نواب سلطان جہاں بیگم نے عمر بھر نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کا کبھی ناغہ نہ کیا۔قرآن حکیم سے ان کو دلی لگاؤ اور گہری عقیدت تھی۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں قرآن مجید نادار مسلمانوں اور طلباء میں تقسیم کرتیں۔ تجوید اور قرأت کے فن کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے بھوپال میں مدرسہ حفاظ قائم کیا۔اپنے بیٹوں اور پوتوں کو بڑے اہتمام سے قرآن مجید پڑھایا اور ایک فرزند صاحبزادہ عبیداللہ خان کو قرآن پاک حفظ کرایا۔جس دن انہوں نے قرآن حفظ کرلیا، ان کو ناقابل بیان مسرت ہوئی۔اس سلسلے میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

> ''نواب احتشام الملک بہادر کی توجہ ہر وقت ان پر تھی اور اس دن کی خوشی تو بیان نہیں ہوسکتی جس دن کہ قرآن مجید کی آخری سورۃ صاحبزادہ صاحب نے حفظ کر کے ہم کو سنائی۔ان کو مجھ سے زیادہ اور مجھ کو ان سے زیادہ مسرت تھی۔''

پابند شریعت تھیں، زندگی بھر نماز قضا نہ کی۔اسی طرح بچپن سے لے کر اخیر عمر تک رمضان المبارک کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتی رہیں، صرف ایک آدھ مرتبہ علالت کی وجہ سے چند روزے قضا کرنے پڑے۔رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کا خاص اہتمام کرتیں اور پورا قرآن پاک سنتیں۔ ہر سال زکوٰۃ کا ایک ایک پیسہ بڑی باقاعدگی سے مستحقین میں تقسیم کرتی تھیں اور اس میں کسی قسم کی تاخیر مطلق روا نہ رکھتی تھیں۔ پردے کی سخت پابند تھیں۔عمائد حکومت ہوں یا ماتحت ملازمین، ہمعصر والیان ریاست ہوں یا دوسرے ملکوں کے فرمانروا، گورنر ہوں یا وائسرائے، وہ ان سے ملاقات کے وقت ہمیشہ برقع میں مستور رہتی تھیں۔زندگی کے آخری سال میں انہوں نے قرآن پاک کی رخصت کا فائدہ اٹھا کر پردہ ترک کیا لیکن وہ بھی صرف چہرے کی حد تک، باقی تمام جسم برقع میں مستور رہتا تھا۔اس وقت وہ ۷۱ برس کی تھیں۔

عنان حکومت سنبھالنے کے ایک ہی سال بعد وہ حج بیت اللہ کے لئے حجاز مقدس روانہ ہوگئیں اور وہاں پورے پانچ ماہ قیام کے بعد واپس بھوپال آئیں۔اپنے سفر حج کا حال

انہوں نے اپنی ایک کتاب ''ریاض الراحین'' میں بڑے ذوق وشوق سے لکھا ہے۔

نواب سلطان جہاں بیگم نے اپنے دورِ حکومت میں ہندوستان کے مختلف مقامات اور یورپ کے طوالانی سفر بھی کیئے۔ اس دوران میں سخت سے سخت سردی میں بھی انہوں نے نماز قضا نہ کی اور نہ تلاوتِ قرآن کا ناغہ کیا۔ انہوں نے اپنے سیکرٹری کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی پارٹی یا ملاقات کا وقت ایسا نہ مقرر کیا جائے جس میں نماز کے قضا ہو جانے کا خدشہ ہو۔

نواب سلطان جہاں بیگم کا دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا اور معارف پروری میں تو وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ وہ ریاست اور بیرون ریاست کے بہت سے علمی اداروں اور ارباب فضل وکمال کی فراخدلی سے مالی مدد کرتی رہتی تھیں۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کو وہ مسلمان طلباء کے لئے بہترین درسگاہ سمجھتی تھیں۔ چنانچہ اپنے فرزند صاحبزادہ حمید اللہ خان مرحوم کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان یا اجمیر کے چیفس کالج بھیجنے کے بجائے علی گڑھ بھیجا اور انہوں نے اپنی تعلیم وہیں مکمل کی۔ علی گڑھ میں انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر کی عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی جس پر زرِ کثیر صرف ہوا۔ اس عمارت کا نام انہی کے نام پر ''سلطان جہاں منزل'' رکھا گیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے قیام کے بعد وہ کچھ عرصے تک اس کی وائس چانسلر رہیں اور اس ادارے کو عرصے تک گرانقدر مالی امداد دیتی رہیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم کو سرورِ عالم ﷺ سے بے پایاں عقیدت اور محبت تھی۔ ۱۳۳۰ھ میں علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبیؐ'' لکھنے کا ارادہ کیا تو مالی مشکلات ان کے راستے میں حائل ہو گئیں اور انہوں نے قوم سے پچاس ہزار روپیہ فراہم کرنے کی اپیل کی۔ نواب سلطان جہاں بیگم کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ تمام رقم اپنے پاس سے دے دی اور علامہ شبلی کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر نواب سلطان جہاں بیگم نے اپنی آپ بیتی ''تزکِ سلطانی'' میں اس طرح کیا ہے:

''چونکہ اردو میں اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی کوئی مفصل اور مستند سوانح عمری موجود نہیں ہے اس لئے جب مجھے معلوم ہوا کہ شمس العلماء مولانا شبلی جو تاریخ اسلام کے ایک باکمال اور مستند عالم ہیں، سیرت نبویؐ مرتب کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی امداد سے مجبور ہیں اور انہوں نے ایک

اپیل امداد کے لئے شائع کی ہے تو میں نے اس اپیل کو دیکھا اور افسوس ہوا کہ ایک ایسی ضروری اور مذہبی تصنیف کے لئے پبلک سے اپیل کرنے کی نوبت پہنچی ہے۔ میں نے ان کو مطلع کیا کہ وہ فوراً کام شروع کر دیں اور جس قدر روپے کے لئے اپیل کی گئی ہے، وہ میں دوں گی۔''

چنانچہ علامہ شبلی اس کام میں یکسوئی سے مشغول ہو گئے لیکن ابھی وہ اس کا پہلا حصہ ہی مرتب کر پائے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد جب یہ کتاب شائع ہوئی تو بیگم صاحبہ نے اسے ملاحظہ فرما کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا، یہ تو بڑا کام ہوا۔ اس موقع پر مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ''سیرۃ عائشہؓ'' اور مولانا عبدالسلام ندوی کی ''سیر الصحابہؓ'' اور اس سلسلے کی دوسری کتابوں کے مسودات کا ذکر کیا اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کا ذاتی پریس نہ ہونے کی بناء پر ان کتابوں کی اشاعت میں جو مشکلات پیش آ رہی تھیں، ان کا اظہار کیا تو بیگم صاحبہ نے دریافت فرمایا، پریس کی کیا قیمت ہوگی؟ مولانا سیّد سلیمان ندوی نے کہا، تین ہزار روپے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا، ایسے نیک کاموں کے لئے تین ہزار روپے کیا چیز ہیں، ابھی حکم لکھے دیتی ہوں۔ چنانچہ یہ رقم ادا کرنے کے لئے فوراً حکم صادر کر دیا۔

نواب سلطان جہاں بیگم بڑی خدا ترس اور عدل پرور حکمران تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست میں عادلانہ نظام قائم کیا اور عدلیہ کے افسروں کو حکم دیا کہ کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت احکامِ الٰہی کو پیش نظر رکھیں اور پورا پورا انصاف کریں۔ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء میں جب نواب سلطان جہاں بیگم کی عمر اڑسٹھ برس کے لگ بھگ تھی، وہ اپنے فرزند صاحبزادہ حمید اللہ خان کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئیں۔ نئے حکمران کی مسند نشینی کے موقع پر جو دربار منعقد ہوا، اس میں تقریر کرتے ہوئے نواب سلطان جہاں بیگم نے فرمایا:

''آج ۲۵ برس سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا تھا کہ جب مالک حقیقی نے ملک محروسہ بھوپال کی عنان حکومت میرے سپرد کی۔ آپ سب کو علم ہے کہ میں نے اپنی حیثیت مثل ایک امین کے سمجھ کر اور اس کی ودیعت کبریٰ کے اہم فرائض کا احساس کر کے فوراً اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ریاست کے مفاد اور رعایا کی فلاح کو اپنا مال زندگی بنایا اور مسلسل ۲۵ برس تک اس

مقصد عظیم کے حصول میں سعی ومحنت کو اپنا اوّلیں فرض تصور کیا اور جو ذرائع
و وسائل ممکن ہوئے، ان کی بہم رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔
میں اپنے احکم الحاکمین کا شکر کرتی ہوں کہ اس نے ہر موقع پر اور ہر تدبیر
میں میری اعانت کی اور اس امر کا اندازہ کہ میری کوششیں ریاست بھوپال
اور میری رعایا کی بہبودی اور فلاح میں کس قدر کامیاب ہوئیں، آپ
لوگ خود کر سکتے ہیں۔''

اپنی اس تقریر کے آخر میں انہوں نے نئے حکمران کو مخاطب کر کے پہلے چند آیاتِ قرآنی تلاوت کیں جن میں عدل واحسان کرنے، غریبوں، یتیموں، حاجتمندوں اور مسافروں کی دستگیری کرنے، فحاشی، منکر اور سرکشی سے باز رہنے، نماز قائم کرنے اور عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی اور بیگم صاحبہ نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں یوں دُعا کی:

رَبِّ اوزعنیؔ ان اشکر نعمتك الّتی انعمت علی وعلی
والدی وّان اعمل صالحاً ترضٰه واصلح لی فی ذریتی، انی
تبت الی وانی من المسلمین......(سورة الاحقاف)

''اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور
میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کی شکرگزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں
جن کو تو پسند کرے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح و تقویٰ دے۔
میں تیری طرف رجوع کرتی ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔''

یہ دُعا مانگتے ہوئے ان پر رقت طاری تھی اور حاضرین بھی چشم پرآب تھے۔ اس کے چار سال بعد ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰ء میں اپنے وقت کی یہ عظیم خاتون دنیا فانی سے کوچ کر کے دارالبقا میں پہنچ گئیں۔ دنیا کے تمام مسلمانوں نے ان کی وفات پر سخت رنج والم کا اظہار کیا۔

(تاریخ اسلام کی چارسو باکمال خواتین ۵۸۲)

پاک دامن خواتین کی دُعا کا اثر

کرنل محمد نواز سیال ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ۱۰ستمبر ۱۹۶۵ء کی شام جب جنگ عروج پر تھی، سرحدی گاؤں ہڈیارہ کے تین چار آدمی اور ایک بوڑھی عورت میرے ہیڈکوارٹر میں آئے۔ یہ سب ہڈیارہ کے بے شمار باشندوں کے ساتھ گاؤں میں محصور ہو گئے تھے اور دشمن کے سپاہی ان کے ساتھ ہر طرح کا ناروا سلوک کر رہے تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ۹ستمبر کی شام سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بھارتی افسروں اور سپاہیوں نے بہت سے مردوں، عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو پکڑ کر عیدگاہ کے قریبی میدان میں اکٹھا کر لیا۔ مردوں کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ بھارتی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ نوجوان لڑکیوں کو سرحد پار لے چلو اور عورتوں کو ان کے مردوں کے سامنے بے آبرو کرو۔ مرد ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہونے کی وجہ سے بے بس تھے۔ بھارتی سپاہی عورتوں اور لڑکیوں کی طرف بڑھے۔ کئی عورتیں سجدے میں گر پڑیں اور رو رو کر گڑگڑانے لگیں:

> ''یا خدا! تجھے زینبؓ اور فاطمہؓ کی آبرو کا واسطہ، مسلمان بیٹیوں کی عزت بچا۔ یا اللہ! اپنے قرآن کے نام پر اسلام کی بیٹیوں کی آبرو کو اپنی حفاظت میں لے لے۔''

بے بس عورتوں اور لڑکیوں کی فریادیں عرش کے کنگرے ہلا رہی تھیں۔ اچانک ان کے قریب دھماکے ہوئے اور زمین نے شعلے اگلے اور تین چار بھارتی افسر اور سپاہی جو ذرا پرے کھڑے تھے لہولہان ہو کر تڑپنے لگے۔ ایک آدھ منٹ بعد ایسے ہی دھماکے اور شعلے پھر اٹھے اور بھارتیوں کا ایک ٹرک جلنے لگا اور چند اور بھارتی شدید زخمی ہو کر تڑپنے لگے۔ عیدگاہ کا میدان گرد و غبار اور دھواں دھار میں روپوش ہو گیا۔ بھارتی بھگدڑ میں چلانے لگے، حملہ آ رہا ہے، پاکستانی توپ خانہ فائر کر رہا ہے، بھاگو دوڑو۔ بھارتی درندے عورتوں اور لڑکیوں کو چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔

معجزہ یہ ہوا کہ دھماکے اور شعلے ان کا تعاقب کرتے رہے اور انہیں نہ صرف بھگا دیا بلکہ ان میں سے کئی ایک ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ عورتوں نے مردوں کے ہاتھ کھول دیئے۔

انہیں گولہ باری کی سیاہ گھٹا نے دشمن سے اوجھل کرلیا تھا۔ پھر رات کی تاریکی نے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا اور وہ بڑی ہی دشواری سے پاکستانی مورچوں میں پہنچ گئے۔

یہ دھماکے اور شعلے میری توپوں کی گولہ باری کے تھے۔ میں نے یہ گولہ باری اس لئے نہیں کرائی تھی کہ دشمن نے وہاں ہماری باعصمت بیٹیوں کو نرغے میں لے رکھا تھا۔ میرا توپ خانہ وہاں سے چار پانچ میل دور بی آر بی کے لاہور والے کنارے سے بھی دور لاہور کی طرف تھا۔ میرے پاس صرف نقشہ تھا۔ میں نے یہ گولہ باری اس خیال سے کرائی تھی کہ دشمن ابھی ہڈیارہ نالہ عبور نہیں کر سکا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے، وہ اس جگہ اپنے دستے اور سازوسامان جمع کر رہا ہو۔ چنانچہ میں نے جنگی سوجھ بوجھ کے تحت اپنی چند ایک توپوں کو ریفرنس اور فائر آرڈر دے کر گولوں کی ایک باڑ فائر کرادی تاکہ دشمن کی جمعیت اگر وہاں ہے تو بکھر جائے۔ میں نے یہ گولہ باری اللہ کے توکل پر کرائی تھی جو عین اسی جگہ جا پڑی جہاں میری قوم کی بے بس بیٹیاں کفار کی درندگی کا شکار ہونے والی تھیں۔ فوراً میں نے دوسری باڑ آگے فائر کرائی، تیسری اس سے بھی آگے اور چوتھی اس سے بھی آگے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے سارے علاقے (جسے ہم فوجی زبان میں گہرائی کہتے ہیں) کو زد میں لے لوں۔ یہ تھے وہ دھماکے اور شعلے جو بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔ یہ ایک معجزہ تھا جو خدائے ذوالجلال نے میرے ہاتھ سے رونما کرایا۔ یہ معجزہ کیوں نہ رونما ہوتا، عورتوں اور لڑکیوں نے خدائے بزرگ و برتر کو قرآن کے نام پر پکارا تھا۔

(قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۱۵۴)

ایک جرأت مند خاتون

جالندھر کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک مہاجر عورت کی داستان غم خود اسی کی زبانی ملاحظہ ہو۔ میں تو اس بات کا پکا یقین رکھتی ہوں جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ:

''خدا جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے وہ بہت رحیم و کریم ہے ہر چیز پر قادر ہے۔''

بچپن میں ہمیں قرآن مجید کی تعلیم بڑی سختی سے دی جاتی تھی۔ اگر کوئی بچہ کسی بہانے کی وجہ سے مسجد میں قرآن پاک پڑھنے نہ جاتا تو بزرگ اس کو پہلے سمجھاتے، پھر نت نئے طریقوں سے اس کو سزا دی جاتی۔ حتیٰ کہ وہ بڑی خوشی سے قرآن پاک پڑھنے چلا جاتا۔ اسی طرح میں نے بھی ایک دفعہ سر درد کا بہانہ بنایا۔ سزا تو ملی نہیں تھی لیکن مجھو یک دم سمجھ آ گئی کہ قرآن پاک پڑھے بغیر گزارا نہیں۔ چنانچہ میں نے آہستہ آہستہ قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور اس وقت تک نئے کپڑے نہیں پہنے لیکن دھلے ہوئے پہنے ہیں جب تک قرآن پاک حفظ نہیں کرلیا۔

زندگی کے دن گزر رہے تھے کہ اچانک ملک تقسیم ہو گیا اور ہم پاکستان آ رہے تھے کہ راستے میں ہندو غنڈوں اور سکھوں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا۔ پھر کیا ہوا؟ میرے گھر کے تمام افراد شہید ہو گئے اور میں بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آنے پر میں نے اپنے آپ کو ایک نرم و گداز بستر پر پڑے ہوئے پایا۔ یہ ایک خوبصورت کمرہ تھا جس میں کچھ عریاں فوٹو تھیں اور بعض تصویروں میں گرنتھ پڑھتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ یہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سکھوں کا گھر ہے۔ اچانک زور سے دروازہ کھلا اور ایک نوجوان سکھ اور ایک بوڑھی عورت کمرے میں داخل ہوئے اور آتے ہی اس نوجوان نے اس عورت سے کہا، ماں یہ ہے تیری بہو، کیا آپ کو پسند ہے؟ وہ عورت ہنس کر بولی، ہاں پسند ہے۔ پھر وہ باہر چلی گئی۔

اب اس نوجوان نے ایک الماری سے شراب کی بوتلیں نکالیں، پھر وہ بے تحاشہ پینے لگا اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد میری آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی اور میں وہاں سے بھاگنے کی تیاری کرنے لگی۔ رات کے تقریباً دو بجے ہوں گے کہ میں چارپائی سے اتر کر کوئی چیز تلاش کرنے لگی۔ اچانک مجھے ایک چمکتی ہوئی چیز دکھائی دی۔ یہ ایک کرپان تھی جو اس کی چارپائی کے نیچے پڑی ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے وہ چیز اٹھائی اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ معمولی چیخ سنائی دی، میں بے تحاشہ باہر کو بھاگی۔ راستے کی مشکلات سے نمٹنے کے بعد دن کے تقریباً دو بجے واہگہ بارڈر کی سرحد پر ہلالی پرچم کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ میں اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان رہنے لگی۔ بھائی صاحب! میرا تو یہ بھائی بہت کام آیا، جلدی سے اس نے قرآن پاک کا ایک نسخہ اپنی بغل سے نکالا، یہ نسخہ اس وقت بھی

میری بغل میں تھا جب میں نے اپنی عزت کی حفاظت کے لئے زندگی میں پہلا قتل کیا۔

(قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۱۵۶)

ایک خاتون کے حفظ قرآن کا معجزانہ واقعہ

حافظہ اسلام اختر بیگم مرزا نصیر الدین قائد آباد کالونی پشاور اپنے حفظ قرآن کا واقعہ یوں لکھتی ہیں۔ میں ضلع جالندھر کی ایک بستی شیخ درویش کے ایک متوسط راجپوت گھرانے میں ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئی۔ میرے والد صوفی اور درویش انسان تھے۔ بارہ سال جنگل میں اپنے پیر غلام جیلانی کے ہمراہ عبادت میں مشغول رہے۔ ہمارے اجداد کا گھرانہ حافظوں کا گھرانہ مشہور تھا۔ میرے والد درویشانہ زندگی میں قدم رکھنے کی وجہ سے اس چیز کو نبھا نہ سکے مگر انہیں اس نعمت کے گھرانے سے ختم ہونے کا سخت قلق تھا۔ خود حفظ نہ کر سکے، اپنے اکلوتے لڑکے کو بہت چاہا کہ حفظ کرے مگر وہ بھی نہ کر سکے۔ ہر وقت والد صاحب کے دل میں اس چیز کا احساس رہتا بلکہ بعض اوقات رو دیتے۔ میں ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ والد صاحب کے دل میں یہ اشتیاق ہوا کہ جو بچہ اب پیدا ہوگا، اس کو انشاء اللہ ضرور حفظ کراؤں گا۔

اتفاق کی بات، میں لڑکی پیدا ہوئی تو ان کا شوق بجھ سا گیا کیونکہ اس وقت تعلیم کا اتنا چرچا نہ تھا اور وہم و گمان میں بھی نہ آسکا تھا کہ لڑکی بھی قرآن حفظ کر سکتی ہے۔ میں جب گیارہ سال کی ہوئی اور چھٹی جماعت میں پڑھتی تھی، میری بڑی بہن اتفاق سے ایک جلسے میں گئیں، وہاں حافظ خوشی محمد صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت قرأت سے کی۔ وہ اتنی خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ میری بہن نے گھر آکر والد سے ذکر کیا، میرے والد انہیں تلاش کر کے گھر لائے کہ میری لڑکی کو بھی قرأت سکھا دو۔ انہوں نے قبول کر لیا، پھر مجھے قرأت سکھانی شروع کر دی۔ میرے ذوق و شوق اور خوش الحانی کو دیکھ کر وہ بہت محنت سے پڑھانے لگے۔ جب میں پڑھتی تو والد صاحب بہت خوش ہوتے۔ میرے والد صاحب کے شوق کو دیکھ کر حافظ جی صاحب نے بھی مجھے باقاعدہ قرأت شروع کرائی۔ چنانچہ زینت القاری، مفید القاری، سراج القاری ان کتابوں کی باریکیاں ذہن نشین کرائیں۔ میں دن بدن شوق اور دلچسپی سے پڑھتی تو حافظ جی صاحب بڑی توجہ اور پیار و محبت سے

پڑھاتے اور چند ایک سورتیں حفظ کرا کران میں خاص خاص پر خوش الحانی مصری لہجے اور عربی لہجے کی مشق کرائی۔

بستی میں ایک نیا چرچا تھا۔ آواز بھی خداداد چیز ہے، اس سے اور بھی لذت پیدا ہو جاتی ہے۔ دور دور سے لوگ سننے کے لئے آتے اور میرے والد خوشی سے مجھے سنانے کی اجازت دے دیتے۔ اتفاق کی بات شعبان کا مہینہ تھا۔ حافظ جی صاحب پڑھاتے پڑھاتے کہنے لگے، بیٹی تم نے بہت سی سورتیں حفظ کر لیں، آؤ حساب لگائیں کہ کتنے پاروں کے قریب حفظ ہو گیا۔ انہوں نے حساب لگایا تو سات پاروں کے قریب میں نے سورتیں حفظ کر لی تھیں۔ فرمانے لگے، ہمت کرو۔ اس دفعہ رمضان شریف میں اپنے محلے کی عورتیں اکٹھی کر کے تراویح میں سنا دیا کرنا۔ میں حوصلہ نہیں کر سکتی تھی لیکن انہوں نے میری ہمت بڑھائی۔ ہمارے محلے کے قریباً سب ہی شریف لوگ تھے، سیدھے سادے اور سیدھی سادی زندگی گزارنے والے۔ چنانچہ رمضان شریف آیا تو سب محلے کی عورتیں خوشی سے نماز تراویح پڑھنے آنے لگیں۔ میرا شوق بڑھنے لگا، دن کو جتنا دَور کرتی، رات کو تراویح میں سنا دیتی۔ عورتیں بہت خوش ہوتیں اور میں بھی بہت دلچسپی لینے لگی۔ جتنی سورتیں حفظ تھیں وہ تو آسانی سے سنا دیں۔ اب عورتیں پیچھا نہیں چھوڑتیں اور خود بھی دل چاہتا کہ رمضان شریف ایسے ہی پورا ہو۔ عجیب لطف و لذت محسوس ہوتی۔ حافظہ کھل چکا تھا اور طبیعت ادھر مائل ہو چکی تھی۔

سچی بات ہے جو دل کو اس سچے کلام کی طرف راغب کرے، خدا خود اس کے لئے ایسے ایسے وسائل مہیا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور وسیع راستے کھلتے ہیں۔ پھر یہ حال تھا کہ دن کو جتنا یاد کرتی، رات کو تراویح میں سنا دیتی۔ اس طرح سارے رمضان شریف میں بیس پارے میں نے سنا دیئے۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور گھر والے خاص کر والد صاحب پھولے نہ سماتے۔ خود دل میں ایک لگن اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ ان دنوں میں مدرسۃ البنات جالندھر میں پڑھ رہی تھی۔ اس میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم ضروری بلکہ لازمی تھی۔ مدرسۃ البنات کے بانی مولانا آقا جی صاحب اور ان کی بیوی مجھے دل و جان سے چاہتے تھے بلکہ جب تک زندہ رہے اپنی بیٹیوں میں بھی کم خیال نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ دونوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔ وہ مجھے سکول کے

بعد پڑھاتے رہے چنانچہ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث شریف صحیح بخاری ان نیک ہستیوں سے پڑھی، وہ بھی مجھے بہت محنت اور شوق سے پڑھاتے رہے۔

اگلے سال پھر رمضان کا مہینہ آیا۔ پھر میں نے تراویح میں قرآن مجید سنانا شروع کر دیا۔ اب کے سال خدا تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے پورا قرآن مجید سنا دیا۔ میں خود حیران تھی کہ یہ کیسے اتنا بڑا کام اور ہنستے کھیلتے خدا کی قدرت سے معجزہ بن گیا۔ اب کئی لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کتنے سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ انہیں کیا بتاؤں، میرا حفظ کرنا تو ایک معجزہ سے کم نہیں۔ الحمدللہ اب تک قرآن مجید سناتی ہوں اور یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ خدا تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔ (قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۱۵۸)

عمل سے تبلیغ

مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں۔ ہماری ایک جماعت ایڈنبرا گئی۔ نماز پڑھانے والے نوجوان امام نے سلام پھیرا تو چند لڑکیاں قریب آ گئیں۔ لڑکی نے پوچھا، تم انگریزی جانتے ہو؟ کہا، جانتا ہوں۔ کہا، یہ کیا ہے؟ یہ واقعہ مجھے اشفاق احمد نے سنایا جو کہ ڈرامہ نویس ہیں۔ اس نے کہا کہ میں اور میری بیوی بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا، آؤ دیکھتے ہیں کہ لڑکیاں اس سے کیا کہتی ہیں؟ وہ انگریزی میں امام سے کہنے لگیں، یہ تم نے کیا کیا ہے؟ نوجوان نے کہا، ہم نے عبادت کی ہے۔ وہ کہنے لگیں، آج تو اتوار نہیں ہے۔ لڑکے نے کہا، ہم دن میں پانچ مرتبہ کرتے ہیں۔ لڑکی کہنے لگی کہ یہ تو بہت زیادہ ہے۔ لڑکے نے اس پر واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بہت تھوڑا ہے، یہی وہ عمل ہے جو سکون کی بہار لاتا ہے۔ یہ تو مشقت نہیں، یہ تو راحت ہے۔

پھر لڑکی نے ہاتھ بڑھایا جانے کے لئے۔ اس نوجوان نے کہا، میں معافی چاہتا ہوں کہ میں اپنا ہاتھ آپ سے نہیں ملا سکتا۔ یہ میری بیوی کی امانت ہے۔ وہ لڑکی کھڑی کھڑی زمین پر گر گئی۔ اس کی چیخ نکلی اور وہ رونے لگی کہ کتنی خوش قسمت ہے وہ بیوی جس کو ایسا خاوند ملا۔ کاش! یورپ کے مرد بھی ایسے ہوتے۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

اشفاق احمد اپنی بیوی سے کہنے لگے، بانو! آج وہ تبلیغ ہوئی ہے جو لاکھوں کتابوں سے بھی نہیں ہو سکتی۔ آج اس نے ایک عمل سے ایسی تبلیغ کر کے دکھا دی۔

ایک افغانی لڑکی کی بہادری

۱۸۸۰ء میں افغان انگریز جنگ جس میں افغانوں نے میوندرے کے مقام پر انگریزوں کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ میوند کی لڑائی کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ جب ایوب خان کی فوج انگریزوں کے خلاف لڑ رہی تھی، قندھار اور اس کے آس پاس کے رہنے والے ہزاروں کسان اور دستکار اس کی فوج کی مدد کے لئے میدان جنگ میں آ گئے۔ اسی دوران ایک لڑکی نے جس کا نام ''مالائی یا ملالی'' تھا، اپنی نقاب اتار دی اور اسے جھنڈے کی طرح ہلایا اور انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنے ہم وطنوں کو پکار کر غیرت دلائی۔ اس نے ایک روایتی شعر بھی گایا جس میں کہا گیا تھا کہ گیدڑ کی طرح زندہ رہنے سے بہتر ہے کہ لڑائی میں مارا جائے یا شہید ہو جائے۔ (ماہنامہ جیش محمد)

توبہ

میاں جی محمدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سیّد احمد شہید کے ساتھ شکار کرنے نکلا۔ خانم بازار دہلی میں ایک کوچہ تھا۔ اس کوچے میں ایک رنڈی کا مکان تھا جو نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی جس کے ہاں بڑے بڑے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ سیّد احمد صاحب اس کے مکان کے پاس سے گزرے۔ اتفاقاً وہ اپنے دروازے پر کھڑی تھی۔ سیّد صاحب اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد گھوڑا آگے بڑھا کر نکل گئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہوں گے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ اے میاں سنوار! خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے۔ آپ نے گھوڑا روک لیا اور وہ بے تحاشہ گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سیّد صاحب نے فرمایا، بی بی بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے؟ گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب بیان کر مگر وہ برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں افاقہ ہوا اور اس نے کہا کہ میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سیّد صاحب نے فرمایا، اس وقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ سیّد صاحب نے فرمایا، توبہ کے بعد نکاح کرے گی؟

اس نے کہا، جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو کچھ آپ فرمائیں گے، وہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا، تیرا دل کسی سے نکاح چاہتا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں فلاں سے۔ آپ نے فرمایا، وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، میرے مکان میں ہے۔ آپ نے فرمایا، مکان میں کوئی اور بھی ہے۔ اس نے کہا، جی ہاں کئی آدمی ہیں۔

سیّد صاحب نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلالاؤ۔ ہم گئے تو اس وقت دس آدمی تھے، ان میں سے نو آدمی تو آگئے مگر وہ نہیں آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔ وہ سب کے سب تائب ہو گئے۔ آپ نے سب کو اکبری مسجد جانے کا حکم دیا۔ سیّد صاحب لوٹ کر اکبری مسجد آئے تو وہ طوائف اور وہ نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے سب کو بیعت کیا اور انہی میں سے ایک شخص کے ساتھ اس طوائف کا نکاح کر دیا۔ وہ طوائف باوجودیکہ بہت دولت مند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔

جب سیّد صاحب نے سکھوں کے ساتھ جہاد کیا تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی شہید ہو گئے مگر اس طوائف کا حال معلوم نہ ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ یہ اور ایک دسری طوائف جو مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی، جس کا نام موتی تھا، دونوں مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھیں اور دانہ دلتے دلتے ان کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔

حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان دونوں طوائفوں کو دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ بتلاتو سہی کہ تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبت میں تھیں اور اب ہمیں جو راحت ہے، اس کو ہم بیان نہیں کر سکتیں۔ اس وقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھ دیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جائے۔ (ارواح ثلاثہ ۱۳۳)

مولانا محمد عمر پالنپوری کی والدہ کے جذبات اور تمنا

مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری فرماتے ہیں، میری والدہ اگرچہ پڑھی ہوئی

نہ تھی مگر میرے بارہ میں ان کی یہ تمنا تھی کہ میں عالم بنوں۔ والدہ کو قرآن پاک تو میں نے پڑھایا، مجھے قرآن پاک پر والدہ نے ڈالا۔ ہر دن دین وایمان کی کوئی نہ کوئی بات ذہن نشین کراتیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے اور خوف خدا پیدا کرنے والی باتیں سناتیں اور قیامت کی ہولناکی سے ڈراتیں۔

آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ مریم خالہ سے ایک حدیث پاک سنی جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو قرآن سیکھ لے تو اس کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا جو نور کا ہوگا۔ یہ حدیث سن کر آپ کی والدہ روئی اور فرمایا، بیٹا تو قرآن پڑھ لے اور بخاری شریف پڑھ لے۔ مولانا نے فرمایا، اماں! سکول کی تعلیم کا کیا ہوگا؟ اماں نے کہا، جو کچھ بھی ہو بس تو علم الٰہی حاصل کر لے۔ جب مولانا تحصیل علم کے لئے جانے لگے تو والدہ صاحب فراش، چلنے پھرنے، بینائی وشنوائی سے معذور ہو چکی تھیں۔ ہر اعتبار سے حالات شدیدہ کا سامنا تھا، اس کے باوجود تعلیم کے لئے آپ نے سفر کا ارادہ فرمالیا اور والدہ سے اجازت لی۔ والدہ نے فرمایا، بیٹا! ہم کو چھوڑ کر جاؤ گے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ کے دین کو سیکھنے کے لئے جارہا ہوں۔ والدہ نے فرمایا، جاؤ بیٹا! آپ کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے تکمیل علم کے لئے دیوبند روانہ ہو گئے۔ جون ۱۹۵۵ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ جب آپ کی والدہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئیں تو رشتہ داروں نے کہا کہ دیوبند سے محمد عمر کو بلالیں تو فرمانے لگیں، نہیں نہیں، اسے نہ بلاؤ وہ دین کے کام میں گیا ہوا ہے، میں تو خالی ہاتھ ہوں وہی ذریعہ آخرت بنے گا۔ اگر اللہ مجھ سے پوچھے گا کہ کیا لائی ہو؟ تو میں کہوں گی، ایک چہیتے بیٹے کو تیرے راستے میں چھوڑ کر آئی ہوں جسے میں نے جدا نہ کیا مگر تیرے لئے۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو فرمایا، مجھے خوشبو آرہی ہے حالانکہ ناک، کان سب مدت سے ماؤف ہو چکے تھے۔ اس کے بعد سلام یا، مسکرائیں، پھر بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش آنے پر گھر والوں نے معلوم کیا کہ آپ نے سلام کس کو کیا تھا اور کیوں مسکرائی تھیں؟ تو فرمایا، میں نے اپنے بیٹے محمد عمر کو دو فرشتوں کے درمیان دیکھا تو اس نے سلام کیا اور بیٹے کو دیکھ کر مسکرائیں۔ اس کے بعد دنیا کے مصائب برداشت کرتے ہوئے ۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ کو اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ وفات کے بعد مولانا محمد عمر پالنپوری نے خواب میں والدہ کی زیارت کی اور پوچھا، اماں! آپ کہاں ہو؟ تو عربی میں جواب دیا، انا فی الجنۃ "میں جنت میں ہوں"۔ (سوانح مولانا محمد عمر پالنپوری ۶۰/۶۷)

ایک معذور، باہمت امریکی عورت کی دلچسپ ایمان افروز داستان

سنتھیا بڑی سمجھدار اور ذہین بچی تھی۔ وہ اپنی کرسی کو گھسیٹتی ہوئی سکول چلی جاتی، گھر آتی اور کتابیں پڑھتی رہتی۔ اس کے اساتذہ اس کی ذہانت سے بہت متاثر تھے۔ وہ بڑی صابر اور باہمت بچی تھی، وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوئی۔ دوسرے بچوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی معذوری پر کبھی آنسو بہاتی، نہ پریشان ہوتی بلکہ سر جھکائے بڑے اطمینان اور یکسوئی سے مطالعہ کرتی رہتی۔ اس نے سکول میں اپنی ذہانت کی دھاک بٹھا دی تھی، اسے ہر سال انعام ملا کرتا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور سنتھیا سترہ سال کی ہوگئی۔ اس نے سکول کی تعلیم مکمل کر لی تھی اور اب یونیورسٹی میں داخلہ لینا تھا۔ چونکہ اس کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی اور ذہانت سے سبھی متاثر تھے، اس لئے اسے وظیفہ مل گیا اور پانچ برس تک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی رہی اور اعزاز کے ساتھ اسے مکمل کیا۔ پھر ایک مقامی اخبار ''شکاگو نیوز'' میں اسے ملازمت مل گئی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب سنتھیا امریکہ کے مشہور سیاہ فام رہنما میلکم ایکس کے کردار سے متعارف ہوئی۔ موصوف مشہور و معروف جرائم پیشہ اور منشیات فروش حبشی تھا۔ وہ بے شمار سنگین وارداتوں میں ملوث تھا اور زندگی کا بڑا حصہ جیلوں میں گزار چکا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ میلکم مسلمان ہو گیا اور نہ صرف اس کی اپنی زندگی میں زبردست انقلاب آ گیا، وہ ایک صالح پاکباز انسان بن گیا بلکہ اس کی تبلیغ و ترغیب سے ہزاروں سیاہ فام لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ اس نے سینکڑوں ایسے رضا کار تیار کئے جو خاص طور پر حبشیوں کو راہ راست پر لانے اور ان کو نشے سے نجات دلانے کے لئے دن رات کوشاں رہتے تھے۔ یہ ایک نئی تحریک تھی، ایک نیا انقلاب تھا جو آہستہ آہستہ امریکہ کے حبشیوں میں آ رہا تھا اور جو انہیں وقار سے زندہ رہنا سکھا رہا تھا۔

سنتھیا میلکم ایکس کی زندگی کے دونوں پہلوؤں سے واقف تھی، اس لئے اس کے دل و دماغ نے مذہب اسلام سے گہرا اثر قبول کیا اور چونکہ وہ مطالعے کی رسیا تھی اس لئے اس نے اسلام کے بارے میں بہت کچھ پڑھ ڈالا، اسے اپنے تصورات اور انسانی فطرت کے عین مطابق پایا تو اسے قبول کر لیا۔ ایک روز جب کہ حسب معمول اس کا والد شراب کے نشے میں

دھت اس کی ماں کی پٹائی کرنے والا تھا، اس نے اپنے باپ کو سمجھانا شروع کر دیا اور ماں کو صبر کی تلقین کرنے لگی اور گفتگو کی تیزی میں انہیں بتا دیا کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اسے خود سنتھیا بلکہ ''آمنہ'' کی زبانی سنئے:

میرے والدین کے لئے ''مسلمان'' کا لفظ اجنبی نہ تھا۔ میں نہیں جانتی کہ اسلام اور اسلام کے پیروکاروں کے بارے میں امریکیوں کا رویہ بلا رنگ ونسل کیوں معاندانہ اور مخالفانہ ہے۔ میری زبان سے یہ سننے کے بعد کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں، میرے والدین کو بے حد تعجب ہوا۔ خاص طور پر میری ماں کو بے پناہ صدمہ ہوا۔ اس کا یہ ردّعمل میرے لئے بہت پریشان کن تھا، میں اسے ایک مظلوم عورت سمجھتی تھی، میرا خیال تھا وہ میرے مسلمان ہونے پر زیادہ واویلا نہ کرے گی مگر ہوا اس کے برعکس۔ میرے والد کے چہرے پر نفرت، حقارت اور استہزاء کے ساتھ ساتھ لاپرواہی کی جھلک بھی دکھائی دے رہی تھی اور میری ماں مسلسل بولتی جا رہی تھی۔ آج جب وہ منظر مجھے یاد آتا ہے تو میں بے اختیار مسکرا دیتی ہوں لیکن اس وقت میرا ردّعمل کچھ مختلف تھا۔ میں یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کچھ جلدی کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ میرے ایمان میں کوئی کمی تھی بلکہ یہ کہ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک میں مسلمانوں کے پورے طور واطوار باطنی اور ظاہری طور پر اپنا نہیں لیتی تب تک اسلام لانے کا اعلان نہ کروں گی۔ مگر اس لمحے میں خاصی جذباتی ہوگئی تھی، اپنے مسلمان ہونے کا ذکر بڑے جوش اور جذبے سے کر دیا۔

میرے والد بڑبڑاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ میری والدہ مجھے سمجھانے لگیں۔ ممی! جو ہونا تھا، ہو چکا ہے، میں جو قدم آگے بڑھا چکی ہوں، وہ پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ میری ماں نے اور زیادہ شدت سے مجھے سمجھانا بجھانا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ بلاوجہ وقت ضائع کر رہی ہیں، میں مسلمان ہو چکی ہوں اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میری والدہ نے سوچا، شاید میں ضد کر رہی ہوں یا جذباتی ہوگئی ہوں۔ انہوں نے اپنا طویل لیکچر ادھورا چھوڑا اور مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔

......میں مسلمان کیوں ہوئی؟......

یہ بات مجھ سے کئی لوگوں نے پوچھی ہے اور میں کئی بار جواب دے چکی ہوں۔ اس

کے باوجود میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اس سوال کا جواب بڑے سکون اور اطمینان سے دینا چاہئے۔
میرے گھریلو حالات، امریکہ میں حبشیوں کی مجموعی حالت سے زیادہ میری معذوری اور اپاہج پن نے مجھے اسلام کی طرف راغب کیا۔ اس کی تفصیل بھی سن لیں۔

ایک اخبار میں کام کرنے کی وجہ سے میں ہر روز میلکم ایکس اور مسلمان ہونے والے حبشیوں کی اصلاحی تحریک کے بارے میں پڑھتی تھی۔ چونکہ پولیو کی وجہ سے میں معذور اور اپاہج ہو چکی تھی اور سوائے مطالعہ کے میرا اور کوئی شغل نہ تھا، اس لئے میری غور و فکر کی عادت بہت بڑھ گئی تھی۔ جب میں پڑھتی کہ میلکم ایکس اور اس کے رضا کار ساتھی لوگوں سے منشیات کی عادت چھڑانے میں کامیاب ہو رہے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی۔ میں سمجھتی، یہ صرف ایک خبر ہے جس میں صداقت نہیں ہے لیکن پھر میں سوچتی کہ یہ خبر کس طرح جھوٹی ہو سکتی ہے اور کس حد تک جھوٹی ہو سکتی ہے؟

میرے پاس میرے اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا مگر اس زمانے میں، میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ پڑھنا چاہئے۔ میں نے کچھ کتابیں حاصل کیں اور پڑھنے لگی۔ اسلام کے بارے میں ان کتابوں نے مجھے خاصا متاثر کیا۔ جب میں نے یہ کتابیں پڑھ لیں تو میرے دل میں قرآن پاک پڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ میں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن پاک کا ایک نسخہ حاصل کر لیا۔ قرآن پاک کے اس ترجمے نے مجھے عجیب طرح کا روحانی سرور بخشا جسے میں بیان نہیں کر سکتی۔ آج میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی بھی شخص دلچسپی، انہماک اور لگن سے قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ اس مقدس کتاب کی حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قرآن پاک کے مطالعے نے مجھے کئی دن بے چین رکھا۔ میرے دل میں ایک عجیب طرح کا جذباتی مد و جزر پیدا ہو گیا تھا۔ جی چاہتا کہ اب میلکم ایکس سے ملوں مگر وہ اس شہر سے بہت دور تھے۔ میں نے اخبار کے ذریعے یہ پتہ چلایا کہ یہاں ہمارے شہر میں کون سا ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کا پتہ مجھے جلد ہی مل گیا۔ میں نے اس شخص محمد یوسف کو فون کیا اور اس سے ملاقات کے لئے وقت مانگا۔ دوسری طرف سے مجھے بڑی ہمدرد اور نرم آواز سنائی دی۔ محمد یوسف نے مجھے کہا کہ میں جس وقت چاہوں، اسے مل سکتی

ہوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں کل بعد دوپہر ان سے ملوں گی۔ وقت طے ہو جانے کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

جب میں اگلے دن محمد یوسف سے ملنے گئی تو وہ مجھے دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا۔ میں نے ان کی پریشان کے سبب کو بھانپ لیا۔ وہ کسی صحت مند اور توانا لڑکی سے ملنے کی توقع رکھتے تھے۔ جب انہیں وہیل چیئر پر بیٹھی، حرکت سے معذور مجھ جیسی لڑکی دکھائی دی تو وہ کچھ پریشان سے ہو گئے مگر میری مسکراہٹ اور خوشدلی نے ان کی پریشانی کو جلد ہی ختم کر دیا۔ محمد یوسف میری ہی طرح حبشی تھے، کبھی ان کا نام جانی بیلکڈن تھا، اب وہ محمد یوسف جیسے خوبصورت نام کے مالک تھے۔ وہ اس شہر کے مسلمانوں کے سربراہ یا امام تھے۔ وہی مسجد میں نماز پڑھاتے اور وہی قرآنی تعلیمات کا درس دیتے تھے۔ وہ ہمدردی بھرے لہجے میں مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں بڑے غیر محسوس انداز میں انہوں نے مجھ سے میرے اور میرے کنبے کے بارے میں سب معلومات حاصل کر لیں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ وہ مسلمان کیوں ہوئے تھے؟ محمد یوسف مسکرا دیئے۔ پھر انہوں نے دھیمے سے بڑے میٹھے لہجے میں جواب دیا، میں اس لئے مسلمان ہوا کہ خدا تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے۔ ان کا وہ جواب میں آج تک نہیں بھولی ہوں اور زندگی بھر نہ بھول سکوں گی کیونکہ میں بھی یہی سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو سیدھے راستے پر لانا چاہتا ہے، اس کے دل میں اسلام کے لئے محبت پیدا کر دیتا ہے۔

میں محمد یوسف کی زندگی اور ان کی باتوں سے بے حد متاثر ہوئی اور ان سے کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ محمد یوسف صاحب نے پہلی بار مجھے بھرپور نظروں سے دیکھا اور بولے، خدا مبارک کرے مگر مسلمان ہونا بہت مشکل ہے۔

میں ہر مشکل پر قابو پالوں گی۔

الحمد للہ...... انہوں نے کہا، کیا تمہیں کلمہ اور نماز آتی ہے؟

میں نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب دی، اس میں رومن حروف میں کلمہ اور نماز لکھی ہوئی تھی۔ کہنے لگے، اسے یاد کر لو اور اگر ہو سکے تو سہ پہر کو میرے پاس تھوڑی دیر کے لئے آجایا کرو۔ میں نے چند دنوں میں نہ صرف کلمہ اور نماز ازبر کر لی بلکہ ان

کے معنی بھی سمجھ لئے۔ اس دوران محمد یوسف سے بھی ملتی رہی اور ان سے دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔

جمعہ کا دن تھا، مسجد میں تمام مسلمانوں کے سامنے میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئی، میرا نام ''آمنہ'' رکھ دیا گیا۔ مسلمان ہونے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کھانے کے ساتھ تھوڑی بہت شراب پینے کی جو عادت تھی، اسے ترک کر دیا۔ میں سگریٹ بھی پی لیا کرتی تھی، یہ بھی چھوڑ دیئے اور مسلمان عورتوں جیسا لباس سلنے کے لئے دے دیا۔ میں سمجھتی تھی کہ جب میں مسلمان عورتوں کی طرح لمبے چغے میں اپنا جسم چھپاؤں گی اور سر کو بھی ڈھانپوں گی تو وہیل چیئر میں بیٹھی ہوئی خاصی مضحکہ خیز دکھائی دوں گی۔ میں نے ہر طنز اور مذاق کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب میں پہلی بار مسلمان عورتوں کا لباس پہن کر گھر سے نکلنے لگی تو میری ماں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ سنتھیا! یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟ اس کے چہرے پر طنز تھا۔ میرے والد نے بھی جو رات بھر شراب پینے کے بعد اب کرسی پر بیٹھے اونگھ رہے تھے، اپنی سرخ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور قہقہہ لگایا۔

ممی! میں نے کہا، یاد رکھئے میرا نام آمنہ ہے سنتھیا نہیں۔

آمنہ، کیا نام ہوا یہ بھلا۔ ماں نے کہا، لڑکی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔

میں نے اپنی والدہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں انہیں بتا چکی ہوں اور اب میں مسلمانوں کی طرح باقاعدہ زندگی کا آغاز کر رہی ہوں۔

''تمہاری جگہ جہنم میں ہے تم نے''، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی، میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا، ممی! آپ کو میرے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی بات کرنی ہے تو جب میں دفتر سے آؤں گی تو کر لینا، اس وقت مجھے دیر ہو رہی ہے۔

میں وہیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حبشیوں کی اس گندی بستی میں جس کسی نے مجھے اس لباس میں دیکھا، وہ پہلے تو حیران ہوا، پھر مذاق اڑانے لگا مگر میں نے کسی کی ایک نہ سنی اور اپنی راہ چلتی رہی۔ جب میں اپنے اخبار کے دفتر پہنچی تو وہاں بھی شدید ردعمل پیدا ہوا۔ بہت سے لوگ میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ میں مسلمان ہو گئی ہوں اور مسلمان عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں تو بعض لوگوں نے خاموشی اختیار کی اور بعض لوگ

بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔

اتفاق سے اس روز تنخواہ کا دن تھا، تنخواہ ملی تو میں نے اس کا ایک چوتھائی حصہ اپنے علاقے کی مسجد کے فنڈ میں جمع کرا دیا۔ جب میں گھر لوٹی تو میری والدہ میرا انتظار کر رہی تھی، میرے والد بھی گھر پر موجود تھے۔ میں تنخواہ کا نصف حصہ اپنی والدہ کو دے دیا کرتی تھی۔ اس رقم سے میرے والد اپنے نشے کے لئے کچھ پیسے اینٹھ لیا کرتے تھے۔ میں نے جب اپنی تنخواہ کی کچھ رقم اپنی ماں کو دی تو اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور پوچھا تم نے اس بار دس ڈالر کم دیئے ہیں۔ ہاں اب ہر ماہ آپ کو اتنی رقم ہی ملے گی۔ میں نے اپنی تنخواہ کا ایک چوتھائی مسجد کو دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری یہ بات سنتے ہی وہ مجھے، مسلمانوں اور مسجد کو کوسنے لگی۔ میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں بہت دیر تک اپنی والدہ کو بکتے جھکتے سنتی رہی، بیچ بیچ میں میرے والد کی آواز بھی سنائی دیتی تھی:

> ”اب سلتھیا ہمارے ہاتھ سے نکل گئی، مسلمانوں نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے، ہم نے تو کبھی گرجے کو چندہ نہیں دیا، یہ تنخواہ کا ایک چوتھائی مسجد کو دینے لگی ہے۔“

میرے والد اور والدہ کے نزدیک مسلمان لٹیروں سے کم نہ تھے جوان کی بیٹی کی کمائی لوٹ کر لے گئے تھے۔

آہستہ آہستہ میں نے اپنی زندگی اسلام کے قوانین وضوابط کے مطابق ڈھال لی۔ وہ لوگ جو پہلے مجھ پر انگلیاں اٹھاتے تھے، مجھ سے لاپرواہ ہو گئے۔ میرے اور اسلام کے خلاف زہر اگلنے والی زبانیں بھی خاموش ہو گئیں اور پھر کرسمس کا تہوار آ گیا۔ ہم خواہ کتنے ہی غریب اور بدحال کیوں نہ ہوں، کرسمس کو ٹھاٹھ باٹھ سے منانے کا اہتمام ضرور کرتے ہیں۔ کرسمس کے روز شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے۔ جب میں نے مہمانوں کے ساتھ شراب کے جام کو چھونے سے ہی انکار کر دیا تو ہمارے گھر میں قیامت برپا ہو گئی۔ والد تو صبح سے نشے میں دھت تھے، والدہ بھی دو ایک بار مہمانوں کے ساتھ پی چکی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ مجھ پر برسنے لگے، مہمان بھی نشے میں تھے، وہ بھی جو ان کے منہ میں آیا، بکنے لگے۔ ان سب کی حالت قابل رحم تھی، میں نے سوچا کہ مجھے اس کمرے سے چلے جانا چاہئے مگر جب میں اپنی

وہیل چیئر کو دھکیل کر جا رہی تھی تو ایک مہمان لڑکا اور میرے والد میرے پیچھے لپکے اور وہیل چیئر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

راستہ چھوڑ دیں، میں نے کہا، مجھے جانے دیں۔

یہ پی لو پھر چلی جانا۔ لڑکے نے میرے راستے سے ہٹے بغیر شراب کا جام میرے آگے کیا۔

میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔

میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ لگا جو میرے والد نے مارا تھا۔ میرا سر چکرا گیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر میرے والد اور اس لڑکے میں تو جیسے شیطان کی روح حلول کر گئی تھی۔ وہ مجھے پیٹنے لگے، انہوں نے مجھے روئی کی طرح دھنک دیا۔ میں خاموشی سے یہ ظلم برداشت کرتی رہی۔ وہ گالیاں بک رہے تھے، نشے میں ان کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ جب وہ تھک کر بیٹھ گئے تو میں کسی نہ کسی طرح اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس رات میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میرا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اپنے امام مسجد محمد یوسف کو ساری بپتا سنانی چاہئے اور پھر یہ گھر چھوڑ دینا چاہئے لیکن جوں جوں میرا غصہ اور جوش ٹھنڈا ہوتا گیا، میری سوچ بدلتی گئی۔ میں نے سوچا کہ مجھے اپنی پریشانیاں لے کر محمد یوسف کے پاس نہیں جانا چاہئے، ان کا حل ضرور تلاش کرنا چاہئے اور اپنے والدین کے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ ان کا مجھ پر حق ہے اور میرا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ میں ان کی زندگی بدلنے کی کوشش کروں۔ چنانچہ اس روز میں نے ایک اہم فیصلہ کیا اور اگلے روز میں نے اپنے اس فیصلے سے امام مسجد محمد یوسف کو مطلع کر دیا۔

میں نے اخبار کی ملازمت چھوڑ دی اور رضا کار بن گئی۔ مجھے معمولی سا گزارہ الاؤنس ملنے لگا۔ جب میرے والدین کو میرے اس فیصلے کا علم ہوا تو بہت سٹپٹائے۔ وہ یہ سوچ ہی نہ سکتے تھے کہ میں اچھی بھلی ملازمت چھوڑ دوں گی۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ فکر نہ کریں، ان کو ان کا حصہ ملتا رہے گا۔ میں اخبار کے لئے دن میں لکھوں گی اور جو معاوضہ مجھے وہاں سے ملے گا، وہ میں ان کو دے دیا کروں گی۔ میری اس عملی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب میں مسلمان رضا کار بن گئی۔

محمد یوسف نے مجھے بہت سی ہدایات دیں اور جس کام کے لئے مجھے چنا گیا تھا، اس راہ کے خطرات سے آگاہ کیا۔ مجھے خود بھی اندازہ تھا کہ یہ راستہ پرخطر ہے مگر اسلام نے مجھے حوصلہ بخشا، اس کی وجہ سے میں کسی خطرے کو خاطر میں نہ لا رہی تھی۔ میں جیلوں میں جانے لگی، وہاں میں قیدیوں سے ملتی، ان کے سامنے اسلام کی عظمت بیان کرتی، ان کو ان کی زندگی کے گھناؤنے پہلو دکھا کر ان کو بہتر زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتی۔ کچھ قیدی وقت کاٹنے کے لئے میری باتوں کو توجہ سے سنتے، کچھ میرا مذاق اڑاتے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے میری جسمانی معذوری پر بھی قہقہے لگائے مگر میں مطلق ہراساں نہ ہوئی، نہ میری ہمت نے جواب دیا۔

ان قیدیوں میں سے ایک حبشی قیدی اربنٹو بھی تھا۔ اس نے میری باتوں سے خاصا اثر قبول کیا اور ایک دن کہنے لگا، تم بڑی باہمت لڑکی ہو، اگر تم واقعی یہ چاہتی ہو کہ برائی کا خاتمہ ہو جائے تو برنارڈو کا خاتمہ کر دو۔

برنارڈو کون ہے؟ میں نے پوچھا۔

برنارڈو اس شہر میں ایک بڑی مافیا فیملی کا سربراہ ہے، وہی شخص ہے جو اس شہر میں منشیات کا اجارہ دار ہے، اگر وہ نہ ہو تو لوگوں کو منشیات نہ ملے اور نہ لوگ اس کے عادی ہوں۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہے، آج میں جس حالت کو پہنچا ہوں، اس کا ذمہ دار بھی برنارڈو ہے۔

میں برنارڈو سے کیسے مل سکتی ہوں؟

اس نے میرے کان میں مجھے برنارڈو کا پتہ بتا دیا۔ جب میں جانے لگا تو اربنٹو کا لہجہ یکسر بدل گیا۔ وہ ندامت کے ساتھ کہنے لگا، مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم سے برنارڈو کا ذکر کیا۔ تم اس سارے واقعے کو بھول جاؤ، تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو کہ برنارڈو کتنا خطرناک آدمی ہے۔

مگر میں اس کو ملنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں نے عزم سے کہا۔

تم اس سے مل کر کیا کرو گی؟ اس نے پوچھا۔

اس کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کروں گی۔

وہ ہنسنے لگا، اس کے قہقہے دور تک میرا پیچھا کرتے رہے۔ صبح کا وقت تھا جب میں

وقت طے کئے بغیر برنارڈو کے عالیشان گھر کے اندر داخل ہوئی۔ اس گھر کو دیکھ کر کوئی شخص اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ اس گھر میں رہنے والا شخص کوئی بہت بڑا مجرم ہے۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ ایک ملازم نے مجھے روک کر پوچھا۔ وہ میرے لباس اور میری وہیل چیئر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے مسٹر برنارڈو سے ملنا ہے، میں نے کہا۔ تمہیں، اس نے قہقہہ لگا کر کہا، مسٹر برنارڈو سے ملنا اتنا آسان نہیں۔ آخر کیوں، میں نے کہا،، وہ بھی انسان ہے اور انسان انسانوں سے ملا جلا کرتے ہیں۔

ہم دونوں میں تو تکرار ہونے لگی۔ اسی وقت ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط جثے والا آدمی ایک کمرے سے باہر نکلا اور غصے سے بولا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ شور کیوں مچا رکھا ہے؟ ملازم نے اس شخص کے سامنے سر جھکا کر کہا، یہ لڑکی آپ سے ملنے پر اصرار کر رہی تھی۔ مجھ سے؟ اس نے پوچھا، کیا کام ہے؟ میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں، میں نے کہا۔ برنارڈو نے کچھ تعجب سے میری طرف دیکھا، پھر ملازم کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ جب ملازم چلا گیا تو برنارڈو نے نخوت سے کہا، میں اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتا ہوں، تم معذور ہو اس لئے رک گیا ہوں، کہو میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟

میں نے اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا، مسٹر برنارڈو! کیا واقعی آپ اس معذور لڑکی کے کسی کام آنا چاہتے ہیں؟ اس نے جواب دینے سے پہلے کچھ سوچا۔ پھر مسکرا کر کہا، ہاں کہو میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟ میں نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ مسٹر برنارڈو کچھ بے چینی محسوس کر رہا ہے، وہ میری نظروں سے نظریں چرا رہا تھا۔ مسٹر برنارڈو! میں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، اب آپ کو ہدایت کی ضرورت ہے سچی ہدایت کی۔ لڑکی! میں نہیں جانتا تم کون ہو، میرا وقت بہت قیمتی ہے دو منٹ میں اپنی بات ختم کرو۔

میں نے جب بات شروع کی تو برنارڈو کا چہرہ طیش اور غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے غصے کو دبا کر کہا، تم پاگل ہو، نکل جاؤ یہاں سے، تمہیں کس نے بتایا ہے کہ میں یہ کام کرتا ہوں؟ میں تمہیں اور تم کو یہ بتانے والے کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ میں نے بڑے اطمینان سے کہا، آپ کے اس غصے اور جوش ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مجھے آپ کے بارے میں جو اطلاع ملی،

وہ درست ہے۔ تم بکتی ہو، چلی جاؤ یہاں سے مجھے تمہارے اپاہج پن کا خیال آرہا ہے ورنہ۔
میں جانتی ہوں مسٹر برنارڈو! آپ بہت طاقتور ہیں، سارا شہر آپ کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ آخر تم کیا چاہتی ہو؟ برنارڈو نے گرج کر کہا۔

میں چاہتی ہوں کہ آپ خلق خدا کے فائدے کے لئے اپنا یہ دھندا چھوڑ کر کوئی اور کام کریں اور اگر آپ سے یہ ممکن نہیں تو پھر مجھ معذور لڑکی پر کرم کریں، مجھے ہر روز پانچ منٹ ملاقات کا وقت دے دیا کریں۔ وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ پھر اس نے قہقہہ لگایا اور بولا تم ضد کی پکی، تم کل پھر آسکتی ہو اسی وقت۔ میں وہاں سے نکلی تو بے حد مطمئن تھی۔

برنارڈو اطالوی نژاد تھا، دل کا کھلا۔ اس کو زندگی میں شاید ہی مجھ جیسا کوئی انسان ملا ہو۔ وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگا۔ ایک دن کے بعد دوسرا دن، وہ مجھے ہر روز بلاتا، مجھ سے باتیں کرتا، پانچ منٹ کی گفتگو کا دائرہ پھیل کر گھنٹوں تک پہنچ گیا۔ میں اس کے سامنے انسانوں کی بدحالی کا ذکر کرتی، منشیات کی تباہ کاریاں بیان کرتی، اسلام کی حقانیت کا ذکر کرتی۔ آہستہ آہستہ اس کے خیالات میں کچھ لچک پیدا ہونے لگی۔

آمنہ! ایک دن اس نے مجھ سے کہا، میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ مسلمان کیا ہوتے ہیں؟ مگر ایک بات جان گیا ہوں کہ تم انسان کی نفسیات کو خوب سمجھتی ہو۔ اسلام انسانوں کا مذہب ہے مکمل دین۔ میں نے جواب دیا۔ اس لئے اسلام مسلمانوں کو انسانی نفسیات پر گہری نظر رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ اب میں اس سے ملنے جاتی ہوں تو وہ کچھ بے چینی محسوس کرنے لگا ہے۔ اس نے ایک دن مجھ سے کہا، آمنہ! واقعی انسان کی زندگی فانی ہے اور انسان کو دنیا میں اچھے کام کرنے چاہئیں، دوسروں کا بھلا سوچنا چاہئے۔ الحمدللہ! میں نے جواب دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ باپ آپ کے ذہن میں سما گئی ہے۔

چند دنوں بعد برنارڈو نے اپنا دھندا چھوڑ دیا، وہ راہ راست پر آ گیا۔ اس نے بلا ہچکچاہٹ قبول کرلیا کہ وہ مافیا کا رکن ہے۔ اس نے مافیا کے سربستہ رازوں کو کھول کر رکھ دیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ صدر فورڈ کے عہد صدارت میں برنارڈو کے اس عمل سے امریکہ میں کتنا تہلکہ مچا تھا۔ برنارڈو نے اخبار نویسوں سے کہا تھا:

''ایک اپاہج اور چلنے پھرنے سے معذور لڑکی نے مجھے یہ طاقت پرواز بخشی ہے کہ میں نے برائی کی زنجیروں کو توڑ دیا ہے اور کھلی آزاد فضاؤں میں اڑنے کی ہمت اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں۔''

اس روز میں بہت روئی تھی جب مجھے خبر ملی کہ برنارڈو کو جیل میں گولی ماردی گئی ہے۔ اس کو مافیا کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا، اس کا زندہ رہنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جو راستی کی راہ پر چل نکلا تھا، وہ زندہ رہتا تو بڑا مصلح ثابت ہو سکتا تھا۔

برنارڈو کے تائب ہونے کی وجہ سے مجھے پریس نے بڑی شہرت دی۔ میری تقریریں شائع ہونے لگیں، اخباروں اور رسالوں میں میرے انٹرویو شائع ہوئے، ٹی وی اور ریڈیوں پر مجھے بلایا گیا اور میری خدمات کو سراہا گیا۔ عالمی ہیوی ویٹ چیمپین محمد علی مجھ سے ملنے آئے، انہوں نے میری بڑی تعریف کی۔ صدر فورڈ نے مجھے وائٹ ہاؤس میں بلایا اور میری تعریف کی۔ اس شہرت اور عزت کے باوجود مجھ میں تکبر پیدا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے۔

اسلام نے میری زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا ہے، میں اسے ساری دنیا میں پھیلا دینا چاہتی ہوں اور اگر یہ میرے بس میں نہیں مگر میرے دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ اسلام کی برکات اور فیوض سے امریکہ کے سیاہ فام ضرور فیضیاب ہوں۔ میرے والد شراب سے توبہ کر چکے ہیں، وہ ہر نشہ چھوڑ چکے ہیں۔ میری والدہ میری عزت کرتی ہیں اگر چہ انہوں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا مگر ان کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔

پچھلے چند برسوں میں میری کوششوں کی وجہ سے ساڑھے تین سو افراد نے منشیات سے توبہ کی ہے اور اکیس مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ میں ایک اپاہج عورت ہوں مگر میں اپنے آپ کو اپاہج نہیں سمجھتی کیونکہ میرا ایمان ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جائے، وہ کبھی اپاہج نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا اس کا سہارا بن جاتا ہے۔ میری زندگی اسلام کے لئے وقف ہو چکی ہے۔ میں اسلام ہی کے لئے کام کروں گی اور اسلام کی روح انسانوں میں پھونک دینا چاہتی ہوں۔ جب بھی کوئی انسان برائی کا راستہ ترک کرتا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ اسلام کی فتح ہوئی ہے۔

تو یہ ہے میری کہانی سنتھیا سے آمنہ بننے کی۔

(مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۲۹ تا ۴۲)

پردہ تو ہمارے لئے شرافت ہے

محترمہ امینہ (ناروے) سابق نام ''رولاڈن'' جس کا تعلق عیسائیت سے ہے، کہتی ہیں کہ میں نے رسماً اسلام قبول نہیں کیا ہے بلکہ میں چاہتی ہوں کہ میری زندگی کے تمام شعبہ سے اسلام واضح اور مترشح ہو۔ آج جب کہ بہت سے لوگ صورتاً مسلمان مانے جاتے ہیں مگر ان کا عمل اسلام کے منافی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسلام کے تئیں میرا ظاہر و باطن دونوں یکساں ہوں اور خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد میں نے اپنے دل میں اطمینان، سکون اور اللہ اور بندے کے درمیان کے رابطہ کو محسوس کیا، جب کہ اس کیفیت سے میں عیسائیت میں کبھی بھی آشنا نہ ہوئی۔

''رولاڈون'' جس کا نیا اسلامی نام ''امینہ'' ہے۔ مغرب اور مغربی تہذیب پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ان کے یہاں روحانیت کا تصور نہیں ہے، مادیت کا دور دورہ ہے اور اسی پر انسانی قدروں کو تولا جاتا ہے۔

''امینہ'' سے جب یہ سوال کیا گیا کہ مغربی تہذیب مرد و عورت کے درمیان کلی مساوات کی قائل ہے، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ بغیر تردد کے جواب میں کہتی ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو مانتی ہوں۔ انسان یا اس کی بنائی ہوئی تہذیب کی قائل نہیں ہوں۔ میں قدرت کے اس فیصلہ پر سر تسلیم خم کرتی ہوں جو اس نے ہماری تخلیق کے دن ہی صادر فرمایا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں، میری طبیعتوں اور تقاضوں سے اللہ خوب واقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں اسلام اور مغربی قوانین کا مطالعہ کرتی ہوں تو دونوں کے درمیان نمایاں فرق پاتی ہوں۔ اسلام میں مردوں کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا حق حاصل ہے مگر اسی صورت میں جب وہ سب کے درمیان عدل و انصاف برت سکے۔ اسلام کی نظر میں ہر شخص مسئول اور ذمہ دار ہے۔

اور ذرا مغرب کی طرف نظر ڈالئے۔ مرد بالکل آزاد، ہر آنے والے دن میں ایک نئی

لڑکی کے ساتھ، کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کے برخلاف گھریلو اور خانگی زندگی نہایت تکلیف دہ۔ وہاں شوہروں کی آزادی کے بدلے بیویاں بھی کلبوں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ میں نے غور کیا، مغرب میں مرد وعورت دونوں پریشان اور ناآسودہ ہیں۔

''امینہ مزید وضاحت کے ساتھ اسلامی قانون کی جامعیت کو دُہراتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو شادیوں کے وقت بھی نظر انداز نہیں کیا، ان کی رائے کا احترام کیا گیا۔ میں بھی اس نظریہ کی قائل ہوں کہ نکاح کے وقت عورتوں کی طرف سے جائز شرائط منظور کرنی چاہئیں۔ چنانچہ میں نے شادی کے وقت دینی معلومات میں اضافہ اور تعلیمی سفر جاری رکھنے کی شرط رکھی، اسے میرے ہونے والے شوہر نے قبول کرلیا۔'' امینہ'' کہتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حصول تعلیم کے لئے تنہا نکل پڑوں اور بغیر شوہر کی اجازت کے جہاں چاہوں چلی جاؤں، اس آزادی سے مجھے صرف تباہی ملے گی۔

مغرب میں آزادی اور مساوات کے نام پر عورتوں کو فریب میں مبتلا کیا جارہا ہے۔ یہ کتنی شرمناک حقیقت ہے کہ مغربی خواتین بغیر اپنے شوہروں کے تنہا ہوٹلوں میں اور کلبوں میں نکل پڑتی ہیں اور اپنی مطمئن اور خوبصورت زندگی کا سودا کرتی ہیں۔ اسی لئے میں صاف طور پر کہتی ہوں کہ مغربی خواتین دہری زندگی گزار رہی ہیں، البتہ مسلم خواتین کو جو حقیقی آزادی حاصل ہے، دنیا کی کسی تہذیب کو حاصل نہیں ہے۔ اسلام میں جنسی تعلقات صرف میاں بیوی کے درمیان ہی جائز ہیں اور یہی اساس ہے اسلامی معاشرے کی۔ اس کے علاوہ اگر مرد ازدواجی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا تو اس صورت میں اسلام نے عورت کو حق دیا ہے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے۔ اسلام میں عورت گھر کی ملکہ ہے، اسی کو وہ جنت نشان بنائے۔

پردے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اس سوال کے جواب میں امینہ کہتی ہے کہ میں پردے کا استعمال اس لئے کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہوں۔ کہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہوجائے اس لئے پوری کوشش کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رَضامندی حاصل کروں۔ پردہ تو ہمارے لئے اعزاز ہے، عقلاً بھی یہ شرافت کی پہچان ہے۔ ہم خواتین کو اس سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی بری نظروں سے

ہماری حفاظت ہوتی ہے۔

یہاں ایک دوسرا پہلو بھی ہے کہ مجھے آج تک مغربی خواتین کی یہ روش سمجھ میں نہیں آئی کہ جب وہ اپنے گھروں سے نکلتی ہیں تو بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے ساتھ۔ اس کے برعکس اسلام میں عورتوں کے لئے بناؤ سنگھار اور زیب و زینت صرف اپنے شوہروں کے لئے ہے۔ اگر کسی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو شرعی پردے کے ساتھ۔ میں نے جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ مغربی معاشرہ کے فساد اور بحران کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ حقیقت ہے کہ مغرب میں عورتیں اپنے شوہروں کو لاعلم اور اندھیرے میں رکھتی ہیں، جس طرح وہ خود اپنے شوہروں کے شب و روز سے لاعلم اور بے خبر رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کیسے وجود میں آسکتا ہے۔

کیا جب آپ پردے میں دکان یا بازار جاتی ہیں تو کسی چھیڑ چھاڑ کی شکار ہوتی ہیں؟

اس تلخ سوال کے جواب میں امینہ کہتی ہیں کہ نہیں اور نہ اس سلسلہ میں پریشان رہتی ہوں۔ البتہ میرے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نقاب میں بازار جارہی تھی کہ پیچھے سے ایک شخص نے کہا، کیا تم شہر کو واپس لوٹو گی؟ اس کا خیال تھا کہ یہ مسلمان عورت اس شہر کی نہیں، اجنبیہ ہے۔ اس کو میں نے غصہ کے عالم میں نہایت سختی سے جواب دیا کہ بہت جلد تم اسلام کی بالادستی کو تسلیم کرو گے۔ البتہ اس قسم کی چھیڑ چھاڑ سے مسلم خواتین کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ بے باکی کے ساتھ اس کا دفاع کرنا چاہیے۔

اپنے اختتامی کلمات میں امینہ اسلام کے تئیں اپنے جذبات وخواہشات کا اظہار کرتی ہے کہ میں نے اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی اور ایک جانا اور جناب نبی کریم ﷺ کو آخری نبی اور رسول مانا۔ میں نے توحید و رسالت کا اقرار کرلیا تو ایسا محسوس ہوا کہ میں نے اپنے وجود میں دو خوبصورت زیور پہن لئے ہوں۔ میں اللہ کے فضل کا اظہار کرتی ہوں کہ اس نے طویل جستجو کے بعد ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔

میں اپنی ماضی کی زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پریشان ہو جاتی ہوں کہ کہیں اُس کے بارے میں مجھ سے پوچھ نہ لیا جائے لیکن اسلام کی جامعیت پر قربان کہ اس نے صاف طور پر کہا

کہ جب کوئی اسلام کے حلقے میں داخل ہوتا ہے تو وہ گویا ایسا ہے جیسا کہ ماں نے اسے ابھی جنا ہو۔ اب ماضی کی زندگی کو سمیٹ کر میں نے اسلام کے سایہ میں مستقبل کی کامیابی کے لئے جدوجہد شروع کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ میرے قلوب میں ایمان کی شمعیں روشن فرمادے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے اپنا اسلامی نام ''امینہ'' تجویز کیا اور اب میں نے اسلامی نام سے سفر شروع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس سفر کو بامقصد اور بامراد بنائے اور منزل مقصود تک ہماری رسائی ہو۔ وذالک بفضل اللہ تعالیٰ۔

(مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۴۵ تا ۴۸)

چھ سو امریکیوں کو مسلمان کرنے والی نومسلم خاتون

محترمہ امینہ جنان کا تعلق امریکہ سے ہے، انہوں نے ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے اسلام لانے کے متعلق کہتی ہیں۔ قرآن پاک اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہو گئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا۔ میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا تو وہ ۱۲ مئی ۱۹۷۷ء کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے، ان میں سے ایک ڈینور (Denver) کی مسجد کے امام تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے قبول اسلام سے پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا مگر میرے قبول اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا۔ اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔ میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آ گئے تاکہ

مجھے قتل کر ڈالیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔ میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی، اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔

میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی، میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کی لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا، وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ جب کہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کے تحت مقدمے کے فیصلے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔

ملازمت ختم ہوئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار ربّ جلیل کے حضور سر بسجود ہو گئی اور گڑ گڑا کر خوب دُعائیں کی۔ اللہ کریم نے میری دُعائیں قبول فرما لیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی، میرے معذور بیٹے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا، اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا، بچہ تندرست ہو گیا اور میری جان میں جان آئی۔

لیکن آہ!!! ابھی آزمائش کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے جمہوری ملک کی آزاد عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہو گا اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔ عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی، زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا۔ میں نے دوٹوک انداز میں عدالت کو کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کر لوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق کرلیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون واطمینان سے سرشار رہی۔ مگر میرے خیر خواہوں نے اصرار کے ساتھ مشورہ دیا کہ مجھے کسی باعمل مسلمان سے عقد ثانی کرلینا چاہئے کہ عورت کے لئے تنہا زندگی گزارنا مناسب و مستحسن نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مراکشی مسلمان کی طرف سے نکاح کی پیشکش ہوئی تو میں نے قبول کرلی۔ یہ صاحب ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ قرآن پاک خوب خوش الحانی سے پڑھتے اور سننے والوں کو مسحور کردیتے۔ میں دین سے ان کے گہرے تعلق سے بڑی متاثر ہوئی اور ان سے نکاح کرلیا۔ عدالت نے میری رقوم واگزار کردی تھیں چنانچہ میں نے اپنے خاوند کو اچھی خاصی رقم دی تھی کہ وہ اس سے کوئی کاروبار کریں مگر وائے ناکامی کہ شادی کو صرف تین ماہ گزرے تھے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی۔ اس نے کہا، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، میں تمہارے لئے سراپا احترام ہوں مگر اُکتا گیا ہوں، اس لئے معذرت کے ساتھ طلاق دے رہا ہوں۔ میں نے اسے جو بھاری رقم دی تھی، چونکہ اس کی کوئی تحریر موجود نہ تھی، اس لئے وہ بھی اس نے ہضم کرلی اور اس کی مدد سے جلد ہی دوسری شادی رچالی۔

طلاق کے چند ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا۔ اس کا نام میں نے محمد رکھا۔ اب یہ بیٹا ماشاء اللہ دس برس کا ہے، وجیہہ وشکیل اور بڑا ذہین ہے، اسے ہی دیکھ دیکھ کر میں جیتی ہوں۔ اب میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کردیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی مبارک فریضے کی نذر ہو جائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ میں نے قرآن پاک کو خوب پڑھا ہے۔ امریکہ میں اس وقت قرآن پاک کے ستائیس ترجمے دستیاب ہیں، میں نے ان میں سے دس کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیا ہے۔ عربی زبان بھی سیکھ لی ہے اور جہاں ترجمے میں کوئی بات کھٹکتی ہے، فون پر عربی کے کسی سکالر سے معلوم کرلیتی ہوں۔ الحمدللہ کہ میں مختلف کتب حدیث یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور مشکوٰۃ کا کئی بار مطالعہ کرچکی ہوں اور اسلام کو جدید ترین اسلوب میں سمجھنے کے لئے مختلف مسلمان علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی ہوں۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ جب تک ایک مبلغ قرآن پاک، حدیث شریف اور اسلام کے بارے میں بھرپور معلومات نہ رکھتا ہو، وہ تبلیغ کے تقاضوں

سے کماحقہ عہدہ برآنہیں ہوسکتا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کی بجائے کسی سنڈے سکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی، آج اللہ تعالیٰ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سنٹروں میں گزارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔ لاس اینجلس میں مختلف مقامات پر مختلف نوعیتوں کی نمائشوں، کانفرنسوں اور مجالس مذاکرات کا اہتمام کر کے غیر مسلموں تک دین اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کو تبدیلی مذہب کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے زحمت دی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں اسلام سے کیوں وابستہ ہوں، زندگی کی کیا حقیقت ہے؟ انسان اور خدا تعالیٰ کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں بحمد للہ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی اسلامی تعلیمات پیش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن سٹڈی سرکل قائم کیے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی اور عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جا سکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے کر جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی۔ تعلیم کے مواقع بھی اسے مناسب صورت میں حاصل نہ تھے۔

اس ایٹمی وسائنسی دور میں بھی صورتحال یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں عملاً عورت دوسرے درجے کی شہری ہے۔ وہ مردوں کے برابر کام کرتی ہے مگر معاوضہ ان سے کم پاتی ہے، وہ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ پندرہ برس کی عمر کے بعد والدین بھی اس کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتے اور اسے خود ملازمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ شادی کے بعد طلاق کا خوف اسے ہمہ وقت گھیرے رکھتا ہے اور طلاق کے بعد جو یورپین زندگی کا لازمہ بن گئی ہے، نہ والدین اور بھائی اس کا غم بانٹتے ہیں۔ بچوں کی ذمہ داری بھی اسی کے سر پڑتی ہے اور سابق

شوہر بچوں کا بہ مشکل تیس فیصد خرچ برداشت کرتے ہیں یعنی پچاس ڈالر ماہوار کے حساب سے ادا کرتے ہیں جس سے ایک بچے کا جوتا خریدنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

میں خواتین کو بتاتی ہوں کہ اس کے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کئے تھے، اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں اسے خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ باپ، خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کی جائیداد سے اسے حصہ ملتا ہے اور طلاق کی صورت میں اولاد کی کفالت کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے۔ طلاق کو یوں بھی اسلام میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور شادی کے موقع پر خاوند کی حیثیت کے مطابق اسے معقول رقم (یعنی مہر) کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرے۔ اس باپ کے لئے جنت میں اعلیٰ ترین انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے جو اپنی بچیوں کی محبت اور شفقت سے پرورش کرتا اور ان کی دینی تربیت کر کے انہیں احترام سے رخصت کرتا ہے۔ اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ...... ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے...... اور باپ کے مقابلے میں تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

میں جب یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح باتیں کرتی ہوں اور واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق واحترام عطا کیا ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

خواتین میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ میرا ہدف شعبہ تعلیم ہے جس کے نصابات میں اسلام کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات و الزامات ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں بے جا اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے عزم کر لیا کہ اس تکلیف دہ صورتحال کی اصلاح کرنی چاہیے، اس کے لئے میں اکیڈمی آف ریلجس سائنس کے کارپردازوں سے ملی۔ یہی لوگ نصابات اور ٹی وی پروگراموں میں اسلام کی غلط تصویر کشی کے ذمہ دار ہیں۔ میں نے اصرار کے ساتھ ان سے بحث و مباحثہ کیا اور انہیں قائل کر لیا کہ اگر

نشاندہی کر دی جائے تو وہ متعلقہ حصوں کی اصلاح کر دیں گے۔ چنانچہ میں نے مسلمان والدین کی توجہ دلائی، امریکہ میں مختلف مسلم انجمنوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ بچوں کی نصابی کتب میں سے غلط اور قابل اعتراض باتوں کی نشاندہی کریں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں اسلامک فاؤنڈیشن فار کری کلم ان رچمنٹ اینڈ ڈویلپمنٹ (IFOD) کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت نصابی کتابوں میں اسلام کے خلاف منفی اور قابل اعتراض مواد کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا مضمون یہودی، عیسائی اور ہندو پڑھاتے ہیں۔ ہم نے (IFOD) کی وساطت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اسلامیات کی تدریس پر صرف مسلمان اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ ہم یہ مطالبہ منظور کرالیں گے۔

آخر میں یہ خوش کن خبر بھی سناتی جاؤں کہ میرا وہ خاندان جس نے میرا مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میرے والد جو قتل کرنے کے درپے تھے، وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ والدہ، سوتیلے والد، دادی، دادا اور خاندان کے کئی دیگر افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ میرا وہ بیٹا جو اپنے عیسائی باپ کے پاس رہتا ہے اور جس کی مذہبی تربیت عیسائیت کے عین مطابق بڑے اہتمام سے ہو رہی تھی۔ ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا ممی! اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے فاروق رکھ لوں تو آپ کے نزدیک کیسا رہے گا؟ میں پہلے حیرت اور پھر مسرت کے بے پناہ احساس سے نہال ہو گئی، میں نے اسے گلے سے چمٹا لیا، پیار کیا اور اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے فوراً ہی کلمہ پڑھ لیا۔ فاروق اب بھی باپ کی تحویل میں ہے مگر راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ میری وہ بہن جو مجھے پاگل سمجھتی تھی، ایک تقریب میں اس نے میری تقریر سنی تو بے اختیار تعریف کرنے لگی، امید ہے انشاء اللہ وہ بھی ایک روز دائرہ اسلام میں آجائے گی۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے باپردہ زندگی گزار رہی ہوں۔ اس ملک میں چہرے پر نقاب ڈال کر ادھر ادھر جانا تو ممکن ہی نہیں کہ اس سے بے شمار مشکلات آڑے آتی ہیں، تاہم چہرے اور ہاتھوں کے سوا میں سارے جسم کو ڈھیلے لباس میں ملبوس رکھتی ہوں اور اس میں بھی قدم قدم پر تعصب اور تنگ نظری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ ایک مرتبہ میں اسی لباس میں ایک بنک میں گئی تو جب تک وہاں موجود رہی، بنک کا گن مین میرے سر پر رائفل تان کر کھڑا رہا۔ ایک پی ایچ ڈی خاتون متعلقہ ملازمت کے لئے منتخب ہوگئی مگر اسے پہلے ہی روز اس لئے فارغ کر دیا گیا کہ وہ باحجاب لباس میں تھی۔ اس نوعیت کی مثالیں بے شمار ہیں۔ ایک بار میں نے ریڈیو پر بچوں کا پروگرام کیا، اسے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا مگر تقریب سے ایک روز قبل جب کمیٹی کے ارکان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے اسلامی لباس میں دیکھا تو ڈھٹائی سے ایوارڈ منسوخ کر دیا۔

بہر حال یہ ہے امریکہ کا ماحول اور یہ ہیں وہ رکاوٹیں جن میں رہ کر مجھے تبلیغ دین کا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا کرے اور میں اخیر وقت تک نہ صرف خود ایمان ویقین سے سرشار رہوں بلکہ یہ روشنی دوسروں تک بھی پہنچاتی رہوں۔

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۵۸ تا ۶۴)

پاکستانی خواتین کی افسوسناک صورتحال

فروری ۱۹۹۰ء میں محترمہ ایمنہ انٹرنیشنل یونین آف مسلم وومن کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائیں۔ یہاں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین، کنیرڈ کالج، کالج فار ہوم اینڈ سوشل سائنسز اور اسلام آباد کے مختلف تعلیمی اداروں میں خطاب فرمایا۔ انہوں نے خواتین کو تکرار کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی کہ:

> ’’حجاب میں عورت کی عزت واحترام ہے اور عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنے بچوں کی پرورش ہے۔‘‘

انہوں نے بڑے دکھ سے کہا، میں سمجھتی تھی کہ پاکستان کا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہوگا مگر افسوس کہ یہاں ایئر پورٹ پر اترتے ہی مجھے مردوں کے عجیب وغریب رویئے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ عورتوں کو جس انداز میں بے باکی کے ساتھ گھورتے ہیں، اس طرح تو امریکہ کے لادین معاشرے میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کی خواتین یورپین عورتوں کی نقالی میں ماڈرنزم اختیار کرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ میں انہیں انتباہ کرتی ہوں کہ یورپ کے معاشرے

کی تقلید نہ کریں۔ وہاں کی خواتین آزادی اور برابر کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکیں۔ انہوں نے ہر شعبہ زندگی میں مردوں سے مسابقت کا انداز اختیار کیا اور نسوانیت کو ترک کر کے مردوں کی روش اپنالی۔ نتیجہ یہ کہ آج یورپ میں عورت سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں۔ وہ فحاشی اور عدم تحفظ کے گہرے گڑھے میں گر گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا، وہ بھی کھو دیا ہے۔

آج یہ عالم ہے کہ گھر کو قید خانہ سمجھ کر دفتروں کی زندگی اپنانے کے نتیجے میں اسے صبح ہی صبح تیزی کے ساتھ گاڑیوں کا تعاقب کرنا پڑتا ہے اور ٹریفک کے بے پناہ رش میں دو دو گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد اپنے دفتر میں پہنچتی ہے۔ وہاں دن بھر نوکرانی کی طرح کام بھی کرتی ہے اور اپنے باس (Boss) کے اشارہ ابرو پر ہر طرح کا ناگوار کام بھی کرتی ہے۔ شام کو دوبارہ ٹریفک کے سیلاب کا مقابلہ کر کے گھر آتی ہے تو تھکاوٹ سے اس قدر نڈھال اور زندگی سے اتنی بیزار ہوتی ہے کہ اپنے ننھے پیارے بچے کی بات کا جواب تک نہیں دے سکتی۔ امریکی خواتین کے بچے ڈے کیئر سنٹروں میں پلتے ہیں، جہاں وہ عدم توجہ کا شکار رہتے اور نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ وہاں انہیں سادھوازم اور جادوگری کا زہر پلایا جاتا ہے، ان پر مجرمانہ حملے ہوتے ہیں اور والدین کی شفقت اور خاندانی زندگی سے محروم ہو کر وہ بچپن ہی میں منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بے شمار نو دس سال کی عمر میں خودکشی کر لیتے ہیں۔

پبلک سکولوں میں فیل ہونے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایڈز اور ہم جنسی عام ہے اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں تو ہم جنسی کو قانونی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ بڑھاپے میں والدین شدید کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں اور جونہی ایک خاتون کی عمر ۳۵ سال سے تجاوز کرتی ہے، اسے اس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ در گور ہو کر نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ امریکہ میں ذہنی امراض کے ہسپتال مریضوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض وہاں نہ عورتوں کو سکون حاصل ہے، نہ بچوں کو، نہ بوڑھوں کو۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پاکستانی خواتین اور مرد حضرات اس معاشرے کو آئیڈیل کیوں سمجھتے ہیں اور وہی اطوار کیوں اختیار کر رہے ہیں جنہوں نے امریکی اور یورپی سماج کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۶۴)

قرآن پاک کے مطالعے نے زندگی کا رخ تبدیل کر دیا

حضرت شیخ الہند کے خادم خاص، اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں، میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں۔ میں ۱۸۸۵ء میں حیدر آباد (سندھ) میں پیدا ہوئی۔ میرے والد صاحب بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان میں ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا، کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہر حال میں چھ سال کی ہو رہی تھی کہ مجھے تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے سچی بات سے ہمیشہ پیار رہا، میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میرے دوست احباب مجھے شفقت سے ککو کہا کرتے تھے کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے، جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبہ میں پیدا ہوئی مگر عیسائی کسی ایک عقیدے میں بھی متفق نہیں ہیں، عیسائیوں کے بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے ہیں۔ اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں مگر مجھے دُعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لو لگا کر دُعائیں کرتی رہتی تھی۔

جب میں جوان ہو گئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے متضاد محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے میں شک ہونے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد میری شادی ہو گئی مگر میرے شوہر ایک دنیا دار عیسائی تھے، وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لئے میں نے فرصت کے وقت میں فلسفہ کا مطالعہ شروع کر دیا مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہی دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا، مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی، مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مجھے مل گئی ہے جس کی تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے

نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کر دیا، کچھ عرصہ کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہو گئی۔ مجھے راما شنکر کے ویدانتی سلسلے میں داخل کر لیا گیا مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا۔ چنانچہ میرا یقین ہل گیا، مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ میں اسی زمانے میں بیمار ہو گئی۔ مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا، وہاں میرے سات آپریشن ہوئے، ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کر لوں۔ میں نے سوچا کہ دنیا ترک کر دوں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو آٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا؟ یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کون سی بات حق ہے اور کون سی غلط؟ یہ کیسے معلوم ہو؟ میں ایک بار پھر الجھ گئی، مجھے خوف ہو گیا کہ اس ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے بلکہ نفسیاتی کشمکش میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ المورہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں بلکہ نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گرو جی سے بات کی مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں، تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو، یہ سیاست کی باتیں ہیں، ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی اور زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی مدد شروع کر دی جس سے دل کا چین ملا اور میں نے احساس کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، خانقاہوں کی زندگی سے نہیں۔ چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ اس آشرم میں، میں نے ہندو مسلم کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا، یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کر لوں، میں ایسے لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کر سکوں گی۔ اس نیت سے قرآن کریم

پڑھنا شروع کر دیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی، میں سمجھتی کہ مسلمان ایک قسم کے ڈاکو ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں، یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا، یہ عملی ویدانت تھا۔ آہ! میں اب تک کن اندھیروں میں تھی۔ افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے۔ وہ مذہب جسے میں خواہ مخواہ بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی، مکمل سچائی کا مذہب تھا۔ میرے اللہ! میں اب کیا کروں؟ میں نے تو ساری زندگی اکارت کر دی۔ میں نے سوچا، میں ہندو ہی رہوں یا ہندومت چھوڑ دوں۔ میں نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی، یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن پاک مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا، ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی ہے مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ مجھے پیار سے ماں کہتے تھے، میں مسلمان ہو جاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی؟ مگر میں اپنی روح کے خلجان سے بچنا چاہتی تھی۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

میرے گرو بھائی بڑے دہشت زدہ ہوئے مگر میں نے انہیں بڑے خلوص سے بتایا کہ اصل ویدانت یہ ہے کہ جو میں قبول کر رہی ہوں۔ میرے گرو بھائیوں نے کہا کہ یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے، ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن پاک کی راہ اختیار کر سکتی ہو، یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہوگا لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ راما کرشن نے حقیقت کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نام نہاد صوفی نے یہ بھرم دلا دیا ہو۔

میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا، مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا مگر اب ایک اور مشکل آئی۔ مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے نیا روپ دھارن کر رہی ہے۔ میں خود شبہے میں پڑ گئی۔ میں قرآن پاک کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی۔

اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیو بند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی، ہم دونوں بے پردہ تھیں۔ ہم نے مولانا سید حسین احمد مدنی سے ملاقات کی، اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ تم حقیقتاً مسلمان ہو۔ مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا کہ تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟ مولانا مدنی کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بہت خاطر کی، بعد کو وہ مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مولانا عزیر گل بھی تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی انہیں بہت چاہتے تھے، ایسا لگتا جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے، کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا۔ وہ دن بھر ہمارے ساتھ رہے، جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا مدنی سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا، میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر مولانا عزیر گل کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولانا عزیر گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں، میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں مگر بعد کو پردہ کی حقیقت مجھ پر کھلی تو ان کی وسعت نظر کی قائل ہوگئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعے میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کر دیں گے، بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس پر مجھے تعجب ہوا نہ افسوس۔ میں مسلمان ہو چکی تھی، اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی؟ رہا رزق تو یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے، کم یا زیادہ ملے گا ہی۔

مولانا عزیر گل کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیشکش کی۔ میں نے بڑے احترام سے اس پیشکش کو قبول کیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے ہاں غربت ہے، افلاس ہے، پردہ ہے مگر میرے لئے تو یہی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیر گل کے گھر میں سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کی تواضع کرنے میں کیا لذت ہے۔ عزیر گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی، وہ نہایت شریف مہربان شوہر ثابت ہوئے۔ یوں بھی وہ سید ہیں اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آگئے تھے۔

اب تو ہم دونوں راہِ حق کے مسافر تھے اور راہِ حق کی مسافرت میں مشرق ومغرب کیسے۔ ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں۔ ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی، میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے، انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے نہیں روکا۔

میری زندگی ایک سفر ہے جو برسوں کی محرومیوں سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے۔ زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی، میری راہ اسلام کی راہ ہے، یہی ایک سیدھی راہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی۔ خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں، اسی راہ پر چلتی رہوں۔ پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور مجھے لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔......لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ......

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۷۰ تا ۷۵)

میرا مقصد زندگی دعوت تبلیغ ہے

امریکہ کی ایک نومسلم امریکی خاتون محترمہ ایمان باربر کہتی ہیں۔ شروع میں تو اسلام کے بارے میں، میں زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن جب ایک عرب بہن نے مجھ کو یہ بتایا کہ مسلمان روزانہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں تو میں نے بھی دن میں پانچ نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ نماز کے اوقات کے بارے میں میرا علم صفر کے برابر تھا چنانچہ میری اکثر نمازیں بے وقت ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نماز میں قرآن کریم کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تین سال تک میں اسی طرح نماز ادا کرتی رہی، تین سال کے بعد واشنگٹن میں میری ملاقات کچھ مسلمانوں سے ہوئی۔ وہاں ان کے ساتھ عرب اور امریکی مسلمان بہنیں بھی تھیں۔ انہوں نے میری نماز کی تصحیح کی اور اسلام کے سمجھنے میں بہتر سے بہتر طریقہ سے مدد کی۔ اس وقت میں پردہ کے لئے تیار نہیں تھی لیکن وہ بہنیں بڑی جفاکش، حوصلہ مند اور سمجھدار تھیں، وہ برابر میرے ساتھ لگی رہیں اور پردہ کی ترغیب دیتی رہیں۔

ان بہنوں کی محنت اور لگن کا نتیجہ تھا کہ میں نے قرآن مجید کی سورتوں کو یاد کرنا شروع کر دیا جس میں مجھے بڑی محنت لگی۔ شروع میں، میں نے انگریزی زبان میں نماز سیکھی، پھر اس کو عربی میں یاد کیا۔ سورۂ فاتحہ یاد کرنے کے بعد میں اتنا روئی کہ شاید اپنی زندگی میں اتنا کبھی نہ روئی ہوں۔ قرآن شریف نے میری زندگی میں بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس کے بعد میں نے احادیث نبویہ کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کے بعد اپنی زندگی کو اسلامی نظام حیات کا پابند بنایا۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوب حمد وثناء بیان کرتی ہوں، ہر وقت اس کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے اسلام کی طرف میری رہنمائی فرمائی۔

کیا آپ امریکہ میں اپنا چہرہ ڈھک سکتی ہیں؟

جب میں نے اسلام قبول کیا تو لوگ وہاں پردہ قبول کرنے پر بالکل تیار نہ تھے چنانچہ میں بغیر پردہ کے کام کرتی رہی لیکن میرا ضمیر برابر مجھے جھنجھوڑتا رہا اور پردہ پر اکساتا رہا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی کہ وہ میرا تقرر ایسی جگہ کر دے جہاں میرے لئے اسلام کے ہر حکم پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آٹھ نو سال میں نے ہیوسٹن میں گزارے، یہاں میں ایک فرم میں بطور سیلز گرل کام کرتی تھی۔ جس فرم میں، میں ملازمت کرتی تھی اس نے مجھے پردہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ زندگی کے یہ لمحات میرے لئے بڑے صبر آزما تھے۔ میں روتی تھی اور دعائیں مانگتی تھی کہ اے اللہ! مجھ کو ایسی جگہ پہنچا دے جہاں میں اسلام کے ایک ایک جزو پر عمل کرسکوں اور ایک باعمل مسلم خاتون کہلاؤں۔

میں نے سعودی عرب اور عرب امارات کے بارے میں سن رکھا تھا کہ وہاں دینی تعلیم کے مراکز ہیں اور نومسلموں کے لئے ایسے مخصوص ادارے ہیں جو ان کو اسلامی زندگی کے آداب سکھاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دونوں ملکوں سے خط وکتابت کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے وہاں تعلیم حاصل کرنے کا موقع عطا فرما دے۔ الحمد للہ العین یونیورسٹی ابوظہبی نے عربی زبان سیکھنے کے لئے میری درخواست منظور کرلی۔ اکیس دن کی سخت کشمکش، بے چینی اور بے کیفی کے بعد یہ مبارک دن دیکھنے کو ملا چنانچہ میں خوشی سے رو پڑی۔ ۱۹۸۶ء میں، میں نے اپنا وطن چھوڑا۔ میں ایک نئے ملک کی طرف جا رہی تھی، ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہی تھی۔ سرمایہ کی الگ کمی تھی، وہاں کی زبان سے بالکل ناواقف تھی، ماحول سے بیگانہ تھی لیکن میرے دل میں

ذرا بھی گھبراہٹ نہ تھی کیونکہ اب میں ایسی ذات سے وابستہ ہو چکی تھی جو ہر سہارے سے بڑھ کر سہارا تھی اور مشکل کشا اور حاجت روا تھی۔

ابوظہبی میں آپ کی کیا مصروفیات رہیں؟

جس وقت عرب امارات (UAE) پہنچی، میں کچھ نہیں جانتی تھی مگر اپنے پروردگار پر پورا اعتماد تھا کہ وہ راہ دکھلائے گا اور مجھے ہر اس چیز سے دور رکھے گا جو اسلام سے میل نہ کھاتی ہو۔ العین یونیورسٹی میں ساڑھے تین سال رہی، اس کے بعد میں دبئی چلی گئی اور وہاں امریکی نومسلم بہنوں کی جماعت میں شامل ہو گئی۔ جب تک میں دوبئی میں رہی، اپنی مسلمان بہنوں سے جڑی رہی اور دعوتی و تبلیغی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی اور یہی وہ چیز تھی جس نے مجھے کسی بھی غلط تحریک اور باطل نظریہ کے اثرات قبول کرنے سے محفوظ رکھا۔

آپ کا کویت کیسے آنا ہوا؟

میں کویت اس لئے آئی ہوں کہ یہاں ملازمت کی غرض سے آئے ہوئے غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کراؤں۔ یہاں اسلامی لٹریچر کی فراہمی بھی آسان ہے اور اسلامی زندگی کے نمونے دکھلانے میں بھی سہولت ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ابھی مجھے بھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور یہ ایک عرب ملک ہی میں ممکن ہے۔ میرا قیام یہاں بھی وقتی ہے، میں تو ایک چلتا پھرتا مدرسہ بننا چاہتی ہوں، میرا مقصد زندگی صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ الحمد للہ اب میری شادی ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک اچھا خاوند مجھے عطا فرمایا ہے۔

اکثر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کتنی مدت میں نے بے خیالی میں گزار دی۔ نہ تو نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ زکوٰۃ دی، نہ پاکیزہ اسلامی زندگی گزاری، نہ ایک خدا کی بندگی کی۔ چنانچہ ہر روز جب میں بیدار ہوتی ہوں تو اسی عظیم نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتی ہوں اور اس کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھ کو اپنے دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی۔ (نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۷۸)

مسلمان عورت کا محترم لباس

۱۹۹۱ میں اسلام قبول کرنے والی جاپان کی نومسلم خاتون محترمہ خولہ لگا تا کہتی

ہیں، قبول اسلام سے قبل میں چست پینٹ اور منی اسکرٹ زیب تن کرتی تھی لیکن اب میری لمبی پوشاک نے مجھے بہت مسرور کیا اور میں نے سمجھا کہ میں ایک شہزادی کی طرح ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے اس کو زیادہ آرام دہ بھی پایا۔ میں نے سیاہ پوشش کو ناپسند نہیں کیا، اس کے برعکس میں نے قاہرہ جیسے غبار آلود شہر میں اپنی کالی پوشاک کو زیادہ موزوں پایا۔ میری مسلم بہنیں اپنی سیاہ پوشاک اور دوپٹے میں بڑی دلکش لگتی تھیں اور جب اپنے چہروں سے نقاب اٹھاتی تھیں تو اندرونی نور نمایاں ہوتا تھا۔

میں قاہرہ میں اپنے قیام کے دوران سیاہ برقعے (عبا) میں بہت خوش تھی۔ میرے اندر اس وقت منفی ردعمل ہوتا تھا جب میری مصری بہنیں مجھے مشورہ دیتیں کہ جب میں جاپان واپس جاؤں تو وہاں بھی اسی طرح رہوں۔ مجھے اس بات پر خفگی اور ندامت ہوئی کہ اس وقت جو میں سوچتی تھی وہ نادانی تھی۔ میری دانست میں اسلام عورتوں کو ستر پوشی کی اور شخصیت کو پوشیدہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے، اس حکم کی تعمیل میں کوئی عورت برقعے کا جو طرز پسند کرے، استعمال کر سکتی ہے۔ مگر یہ نہ تو بہت باریک اور چست ہو اور نہ ہی زیب و زینت والا۔ ہر سماج کا اپنا ایک فیشن ہوتا ہے۔ میرا تصور تھا کہ اگر میں جاپان کی گلیوں میں لمبی سیاہ پوشاک زیب تن کر کے منظر عام پر آؤں تو مجھے پاگل سمجھا جائے گا۔ میں نے اپنی مصری بہن سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا، میری نئی پوشاک سے جاپانیوں کو گہرا صدمہ ہوگا اور کوئی میری بات نہیں سنے گا۔ وہ اسلام کو صرف اس کے ظاہر ہی سے رَدّ کر دیں گے اور اس کی تعلیمات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

بہر حال مصر میں اپنے قیام کے اختتام تک میں اپنے لمبے لباس کی عادی ہو گئی تھی اور اسے جاپان میں بھی پہننے کا خیال تھا۔ مجھے اپنے ملک میں سیاہ لباس زیب تن کرنے میں اب بھی تکلف تھا۔ اس لئے میں نے کچھ ہلکے رنگ کے لباس اور دوپٹے بنائے۔ اس طرز کی پوشاک زیب تن کئے ہوئے ایک بار پھر اپنے وطن واپس ہوئی۔

جاپان میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، اس لئے وہ کبھی نظر نہیں آتے۔ تاہم میرے سفید دوپٹے کے ساتھ جاپانیوں کا رویہ ہمت افزاء تھا۔ مجھے اس سلسلے میں ناپسندیدگی اور تضحیک کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگوں نے مان لیا تھا کہ میرا تعلق کسی مذہب سے ہے لیکن وہ یہ نہیں

جانتے تھے کہ کس سے؟ میں نے ایک لڑکی کو اپنی سہیلی سے دھیرے سے یہ کہتے سنا کہ میں بدھ مت مذہب کی راہبہ ہوں۔ دراصل قبول کرنے سے بہت پہلے میرے اندر ایک راہبہ کی زندگی گزارنے کی زبردست خواہش تھی۔ یہ بڑا دلچسپ پہلو ہے کہ ایک مسلم اور ایک عیسائی یا بدھ راہبہ یا خارجی ہیئت میں بڑی حد تک مشابہت ہے۔

ایک بار پیرس کے سفر میں ایک کیتھولک راہبہ کے ساتھ کار پر سفر کر رہی تھی، ہم میں اتنی مشابہت تھی کہ میں بمشکل اپنی ہنسی روک سکی۔ کیتھولک راہبہ کا لباس اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دینے کی علامت ہوتا ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے، یہی اس کی پہچان بھی ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے مسلم عورت کا حجاب بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا مظہر ہوتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ لوگ ایک راہبہ کے لباس کا تو احترام کرتے ہیں اور مسلمان عورت کے حجاب کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ اسے ایک علامت کے بجائے انتہاپسندی اور مظلومیت کا مظہر گردانتے ہیں۔

ایک بار ٹرین میں ایک بزرگ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں کیوں یہ نرالے طرز کا لباس پہنتی ہوں؟ میں نے وضاحت کی کہ میں مسلمان عورت ہوں اور عورتوں سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ غیر مردوں سے اپنا جسم پوشیدہ رکھیں کیونکہ دل کشی اور حسن کا نامناسب اظہار مردوں کو خواہ مخواہ آزمائش میں ڈالتا ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص ہمیشہ عورتوں کی طرف جنسی جذبے کے تحت نہیں دیکھتا، یہ صحیح ہے لیکن مسئلہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ ان غیر معمولی جنسی زیادتیوں اور جرائم پر غور کیجئے جو بہت سے معاشروں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ہم ان حادثوں کو، مردوں کو محض اعلیٰ اخلاق اور ضبطِ نفس کی تلقین کر کے نہیں روک سکتے۔ اس کا حل صرف اسلامی طرزِ حیات ہی میں مضمر ہے جو عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پردے میں رکھیں اور مردوں سے تعلق رکھنے سے ممکنہ حد تک اجتناب کریں۔ منی اسکرٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جاسکتے ہیں، حجاب صاف طور پر یہ بتاتا ہے کہ:

''میں آپ کے لئے ممنوع ہوں۔''

بزرگ اس وضاحت سے کافی متاثر دکھائی دیئے۔ شاید اس لئے کہ وہ عورتوں کے

ہیجان انگیز فیشن کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹرین سے یہ کہتے ہوئے اتر گئے کہ کاش ہمارے پاس اسلام سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے مزید وقت ہوتا۔ جاپانی لوگ عموماً مذہبی گفتگو کے عادی نہیں تاہم میرے حجاب نے اسلام پر گفتگو کرنے کا دروازہ کھول دیا۔
(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۱۴۰)

مسلمان عورتو! تم خود کو ضائع نہ کرو

۱۹۹۸ میں اسلام قبول کرنے والی اٹلی کی ایک نومسلم خاتون محترمہ عائشہ اپنے ایمان افروز جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں کہتی ہیں، تیونس میں آپ نے مسلمان عورت کو کیسا پایا؟

مجھ کو مسلمان عورتوں کی حالت پر افسوس ہے۔ وہ اسلام اور قرآن پاک کی تعلیمات پر عامل نہیں ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن پاک کے احکام پر بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں۔ جہاں تک عورت کی آزادی (آزادی نسواں) کے تصور کا سوال ہے کہ وہ برہنہ نکلے تو میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں کہ عورت کی آزادی خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی تعلیمات میں ہے۔ اگر معاشرہ اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھال لے تو عورتوں کی زندگیاں زیادہ بابرکت ہو جائیں گی اور عورتوں کے حالات سدھر جائیں گے۔

آپ نے ان لوگوں (تیونسی معاشرہ) کو اسلام کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا لیکن پھر بھی اسلام ایک عظیم مذہب کے طور پر آپ کے دل میں باقی رہا؟

اس میں اسلام کا کیا قصور ہے۔ مثلاً میرا شوہر میرے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو اس سے اسلام کا کیا تعلق، یہ اس کی غلطی ہے۔ دین کی تعلیمات کھلی ہوئی اور واضح ہیں اور قرآن پاک کی تعلیمات بھی واضح ہیں۔ ہم فرشتوں جیسے نہیں ہیں کہ ہم غلطی نہ کریں لیکن ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہماری یہ کوشش رہے کہ ہم سے بڑی غلطیاں سرزد نہ ہوں۔

اسلامی دعوت کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ اٹلی والوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں گی؟

میں لوگوں کو خاص طور سے اٹلی والوں کو بغیر کسی بحث و مباحثہ کے اسلام کی دعوت دوں گی۔ اس لئے کہ وہ میرے اس اسلامی لباس کو دیکھتے ہیں جس پر مجھے فخر ہے اور جسے میں باعزت سمجھتی ہوں۔ وہ میرے لباس پر تعجب کرتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں، تم ایسا لباس کیوں پہنتی ہو؟ تم نے اپنا لباس کیوں بدلا؟ اسلام کیسا مذہب ہے؟ میں کسی بھی شخص کو قرآن کریم دینے سے اس لئے خوف محسوس کرتی ہوں کہ کہیں وہ قرآن کریم کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کرے۔ جس وقت مجھے یقین ہو جائے گا کہ وہ قرآن کریم کے ذریعہ اسلام سے واقفیت حاصل کریں گے تو میں ان کو قرآن کریم تحفہ میں دوں گی۔

میں ایک نوجوان لڑکی سے ملی جس کو میں پہلے عیسائیت کی تعلیم دیتی تھی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا، یہ نیا دین کیا ہے؟ (اس سے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مغرب نے اپنی قوم کو اسلام سے کس قدر دور کر رکھا ہے کہ اسلام کی واقفیت ہی نہیں ہے۔ پھر اس میں خود مسلمان داعیوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ انہوں نے دعوت اسلام کے کام میں نہایت کوتاہی برتی ہے ورنہ اسلام ایسا دین ہے کہ آج اگر اسلامی دعوت کا کام صحیح طریقہ سے انجام دیا جاتا تو اسلام سارے عالم میں پھیلا ہوا ہوتا) میں نے اس سے کہا کہ میں نے کائنات کے سلسلہ کے تمام جوابات قرآن پاک سے حاصل کئے ہیں اور میں تم کو قرآن پاک کے سلسلے میں گفتگو کرنے کی دعوت دیتی ہوں۔ چنانچہ ہماری گفتگو مسلسل جاری رہی اور وہ اسلام سے بہت قریب ہوگئی۔

میں نے آخری سوال کیا کہ بہن عائشہ! کیا آپ مسلمانوں کو کچھ نصیحت کریں گی؟

میں ہر اس مسلمان عورت کو پسند کرتی ہوں جس کو اپنے دین پر فخر ہو اور جو معبود کے حکموں کو سختی سے پکڑے ہوئے ہو اور مسلمان عورتوں کو پیغام دیتی ہوں کہ اے مسلمان عورتو! تم خود کو ضائع نہ کرو۔ قرآن کریم کی صورت میں جو چیز تمہارے سامنے اور تمہارے پاس ہے، اگر یورپین عورتیں اور نوجوان لڑکیاں تمہارے پاس موجود اس خزانہ سے واقف ہو جائیں تو وہ تم سے اس کو لینے کے لئے جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ (نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۲۰۰)

میں نے اپنے ربّ کو پالیا

پولینڈ کی نومسلم خاتون محترمہ لیلیٰ زیسنی کہتی ہیں، میں نے خفیہ طور پر پولینڈ سے قرآن کریم کا ایک نسخہ منگوایا، نماز سیکھی اور چپکے چپکے روزہ رکھا کہ کوئی نہ جان سکا۔ ادھر والدین

کو خوش رکھنے کے لئے میں دکھاوے کے طور پر کبھی کبھار چرچ بھی چلی جاتی لیکن صرف اللہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ میرے لئے کتنا تکلیف دہ تھا اور میں کس کرب میں مبتلا تھی۔

میرے لئے قرآن پاک کا مطالعہ ایک مسرور کن تجربہ تھا۔ رات کو جب سب اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوتے، میں قرآن پاک کا مطالعہ شروع کر دیتی۔ میں اسے پڑھتی جاتی، اس دوران آنکھیں برستی رہتیں اور میں منہ پر تکیہ رکھ کر چلا چلا کر روتی رہتی۔ مسلم حلقے سے میرے لئے میریولا کے بجائے مریم نام تجویز کیا گیا مگر اس سے مجھے اپنے پرانے عقیدے کی یاد آتی تھی، اس لئے میں نے اس کے بجائے اپنے لئے لیلیٰ کا نام منتخب کیا۔ عربی میں اس کا مطلب رات ہے اور چونکہ یہ رات ہی کا وقت ہوتا تھا جب مجھے قرآن شریف پڑھنے کا موقع ملتا اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتی تھی اور جب اس نے سورہ فاتحہ کے ذریعے مجھے آگہی اور ہدایت سے نوازا تھا۔

یہ فیصلہ کرنے میں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے، تقریباً ایک سال لگا۔ اس دوران میں نے نماز ادا کرنا اور صحیح طور پر روزہ رکھنا سیکھا۔ اب میری زندگی سراپا مسرت تھی۔ یہ شادمانی اس روشن دریچے سے چھن چھن کر آرہی تھی جو میرے رب نے میرے اوپر وا کیا تھا۔ ہر نیا دن ایک نیا مشاہدہ لے کر آتا اور ہر ہر لمحہ تکمیل ذات کی طرف لے جانے والا تھا۔ میں بہت خوش تھی اور شکر گزار تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عرفان و علم سے نوازا تھا لیکن ساتھ ساتھ زندگی اتنی آسان بھی نہ رہی تھی۔ گو اندرونی طور پر میں پرامید اور پرسکون تھی مگر باہر کی دنیا کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔

تقریباً دو سال کا عرصہ رہا ہوگا جب میں مکمل طور پر مسلمان ہو چکی تھی اور اہل خاندان اور میرے درمیان بیگانگی کے پردے حائل ہو گئے تھے گو میں اب بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ جونہی ان کے کانوں میں میرے ایمان لانے کی بھنک پڑی، مجھے گھر سے نکال دیا جائے گا مگر میں منتظر تھی، جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے غیب میں چھپا رکھا تھا۔

کرسمس کا موقع آیا تو مزید ضبط کا یارا نہ رہا۔ میرا دل بھر آیا اور میں نے سب کو اپنے ایمان لانے کے بارے میں بتا دیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس سے وہ خاصے دکھی ہوں گے، مجھے یہ

بھی خیال آیا کہ یہ ان کی خوشی کا دن تھا، مجھے مزید انتظار کر لینا چاہئے تھا مگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ میں مزید انتظار نہ کروں۔ میں زیادہ دیر تک تاریکی سے سمجھوتہ نہ کر سکی اور نہ ہی فضولیات اور لغویات سے بھری اس محفل میں ٹھہر پائی۔ توقع کے مطابق مجھے فوراً گھر سے نکال دیا گیا۔ میں نے اپنا بیگ لیا اور رہنے کے لئے ایک جگہ تلاش کر لی۔ دل اس خیال سے مسلا جا رہا تھا کہ گھر والے چھوٹ گئے مگر جلد ہی دل سکون سے معمور ہو گیا کہ میں نے اپنے رَبّ کو پالیا تھا۔

والد کے علاوہ خاندان کے تمام افراد نے مجھ سے منہ پھیر لیا، صرف انہوں نے کہا کہ میں آزادی سے اپنا راستہ منتخب کر سکتی ہوں۔ وہ اب بھی مجھ پر شفیق تھے اور اس مشکل وقت میں اخلاقی و جذباتی لحاظ سے دلجوئی کرتے رہے۔ وہ مسلمان تو شاید ہی ہوں مگر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ میں بدستور ان کی بیٹی ہوں اور باپ کی حیثیت سے وہ مجھے اب بھی چاہتے ہیں۔

تب سے میں الگ رہ رہی ہوں اور زندگی کے ہر دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے سب سے قیمتی چیز ایمان و قرآن سے نوازا ہے۔ اس نے اس وقت رحمت کے دروازے مجھ پر وا کئے جب میرے گھر والوں نے مجھ پر اپنے دروازے بند کر دیئے تھے۔ میری دُعا ہے کہ ایمان کی یہ روشنی ان سب لوگوں تک پہنچے جو اب بھی ان تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، جن میں کبھی میں بھی ان کی ہمسفر تھی۔

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۲۶۲)

مجھے ایک اچھی مسلمان بننے کے لئے رہنمائی کی ضرورت ہے

امریکہ کی نومسلم خاتون محترمہ ہدیٰ ڈاج کہتی ہیں، میں نے اسلامی مرکز کی تلاش جاری رکھی لیکن قریب ترین اسلامی مرکز سان فرانسسکو میں تھا جہاں میرے لئے جانا آسان نہیں تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد میں واپس لوئنس اینڈ کلارک کالج چلی گئی۔ وہاں سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ جنوب مغربی پورٹ لینڈ میں ایک مسجد تلاش کی۔ میں نے مسجد کے لوگوں سے کہا کہ وہ میری ملاقات کسی ایسی امریکی مسلمان عورت سے کرا دیں جو میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ انہوں نے مجھے بہت سی مسلمان خواتین کے پتے اور فون نمبرز دے دیئے۔

میں ایک مسلمان خاتون سے ملنے اس کے گھر گئی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ میں پہلے ہی اسلام پر یقین رکھتی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک اچھی مسلمان بننے کے لئے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس نے مجھے ایک عقیقے کی تقریب میں مدعو کرلیا، اس رات وہ اس تقریب میں مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ وہاں میری دوسری مسلمان عورتوں سے ملاقات ہوئی اور میں نے خودکو ان کے درمیان بے حد خوش اور مطمئن محسوس کیا۔ وہیں میں نے ان خواتین کے ہاتھ پر کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ ان میں بہت سی خواتین امریکی تھیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں۔ انہوں نے مجھے نماز پڑھنا سکھایا۔ اس رات مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں ایک بالکل نئی اور مختلف زندگی کا آغاز کر رہی ہوں۔

میں کیمپس ہی میں رہ رہی تھی اور مسلمانوں کی برادری سے کٹی ہوئی تھی۔ مسجد تک جانے کے لئے مجھے دو بسیں بدلنا پڑتی تھیں جس میں بہت زیادہ وقت صرف ہوجاتا تھا۔ میں کئی مرتبہ مسجد گئی لیکن ہر مرتبہ میری ملاقات مسجد میں صرف مردوں سے ہوئی جس سے میں پریشان ہوگئی۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ عورتیں یہاں صرف ہفتے کی شام کو آتی ہیں۔ اس سے مجھے سخت مایوسی ہوئی تاہم میں اپنے ایمان پر قائم رہی اور تنہا رہ کر علم حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ میرے اسلام قبول کرنے کے چھ ماہ کے بعد رمضان کا مہینہ آیا، میں اس وقت تک چہرے پر اسکارف باندھ لیا کرتی تھی اور پورا حجاب نہیں کرتی تھیں، یوں بھی میرے لئے اس ماحول میں پورے حجاب سے رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

میں نے اسلامی احکامات کے مطابق پورے جسم کو پوشیدہ رکھنے والا لباس پہننا شروع کردیا تھا اور اسکرٹ میرے لباس سے خارج ہوگیا تھا۔ تاہم میری زندگی میں اصل انقلاب رمضان المبارک نے پیدا کیا، روزے نے میرے اندر ایمان اور یقین کی ایسی طاقت پیدا کردی کہ میں پہلی مرتبہ پورے حجاب میں اپنی کلاس میں گئی۔ رمضان المبارک نے مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرنا سکھادیا۔ اب میں ہر ایک کے سوال کا جواب دینے کے لئے تیار تھی، میں اپنا روزہ تنہا کھولا کرتی تھی کیونکہ وہاں کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۱۱)

ایک مسلمان لڑکی کے کردار نے اُستانی کو اسلام لانے پر مجبور کیا

(مانچسٹر کی نو مسلم خاتون محترمہ انجلیس)

یورپ کی آزادی کے نام پر ہر قسم کے تباہ کن ماحول کو پانے کے باوجود بھی شمسہ ایک مثالی مسلم خاتون تھی جو دینی تعلیمات کی پابندی کرتے ہوئے ہمیشہ پردے کا اہتمام کرتی تھی۔ جس نے اس کی ایک انگریز اُستانی ''انجلیس'' کو اپنی طرف متوجہ کیا جس کے والدین مسیحی اور دادا یہودی تھے۔ وہ بارہا شمسہ سے سوال کرتی کہ تم یہ عجیب وغریب لباس کیوں پہنتی ہو؟ اور شمسہ کا جواب ہوتا، میں مسلم ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے پردہ اور حجاب کا حکم دیا ہے، میں اس کے فرمان کی اطاعت ہر جگہ اور ہر وقت کرتی ہوں۔

شمسہ ہر ایک سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتی، اس کے معاملات بہت صاف ستھرے رہتے، اس کے اخلاق وکردار بہت بلند تھے، وہ شائستگی اور تہذیب کی ایک نمونہ تھی جس کی کشش نے اس کی ساتھیوں اور استانیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ خاص طور سے انجلیس نے تو ایک روز گھیر کر کہا، مجھے صاف صاف بتا دو کہ تمہارا لباس اور تمہاری بات اتنی اچھی کیوں لگتی ہے؟ شمسہ نے جواب دیا، یہ اسلام کی برکت ہے جس نے مجھے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اپنی زبان کو بھی ایک دائرے کے اندر استعمال کروں تاکہ ان لوگوں کی دل آزاری نہ ہو جنہیں مجھ سے سابقے پڑتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔''

انجلیس نے کہا کہ اس ادارہ میں بہت ساری مسلمان لڑکیاں ہیں لیکن تمہاری جیسی پردہ نشین نہیں ہیں، تم اتنی زیادہ متشدد کیوں ہو؟ شمسہ نے بتایا کہ میں متشدد نہیں ہوں بلکہ قرآنی احکام کی پابند ہوں۔ خاص طور سے سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یا ایها النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذالك ادنىٰ ان يعرفن فلا يؤذين وكان الله غفوراً رحيماً﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ
اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا
کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

انجلیس کو اس کی باتوں نے سخت حیرت و استعجاب میں ڈال دیا کہ وہ اپنے رَبّ کے کلام کا کتنا احترام اور پردے کا کتنا التزام کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے بہت قریب سے اس کا مشاہدہ اور مراقبہ شروع کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ کھانے میں خنزیر کا گوشت نہیں استعمال کرتی ہے، پھر ادارہ کے باہر اور ہفتہ وار چھٹیوں میں بھی اس کے ساتھ رہ کر دیکھا کہ وہ نہ کبھی شراب پیتی ہے اور نہ جوا کھیلتی ہے اور نہ ہی کبھی دوران گفتگو اس نے جھوٹ بولا۔ اس نے شمسہ سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے اسلامی اخلاقیات کے بارے میں مزید معلومات بہم پہنچائے۔ شمسہ نے اسے بتایا کہ اسلام انسان یا کسی بھی جاندار کو تکلیف دینے سے روکتا ہے، نیز جھوٹ، دھوکہ بازی اور مکر و فریب کے ذریعہ ہو یا مے کشی، جوابازی اور خنزیر کے گوشت خوری سے بھی منع کرتا ہے۔ انجلیس اتنا متاثر ہوئی کہ اس نے اسلام میں داخل ہونے کی رغبت ظاہر کی لیکن شمسہ نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی نہیں، اس لئے کہ آپ اسلام کے دیگر احکامات کو ابھی نہیں جانتی ہیں۔ حالانکہ انجلیس نے پورے ایک سال سے جب سے شمسہ سے متعارف ہوئی تھی شراب، جوا اور خنزیر کے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جب کہ یہ بات شمسہ یا کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

دوسرے لفظوں میں انجلیس نے شروع سال ہی سے اسلامی اخلاق کا مطالعہ اور اس کی عملی تنفیذ شروع کر دی تھی تاکہ نفسیاتی اور عملی طور پر اسلام میں داخل ہو سکے لیکن صومالی دوشیزہ شمسہ نے حکمت و مصلحت کے پیش نظر اس کے دخول اسلام کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا کہ انجلیس زیادہ اسلام کے بارے میں مطالعہ کرے اور شریعت کے مقاصد اور عبادت کی حکمت کو اچھی طرح سمجھ لے۔ تاکہ وہ فکری استعداد اور اسلامی کلچر و تہذیب سے اس طرح مسلح ہو کہ اسلام کے خلاف تمام شکوک و شبہات اور ہر قسم کے اتہامات کا منہ توڑ جواب دے سکے۔

واقعی یہ دوسرا سال انجلیس پر بہت گراں گزرا۔ روزانہ حسرتیں کیا کرتی تھی کہ کب وہ کلمہ شہادت پڑھ کر حجاب سے مزین ہو۔ اس کی حسرتیں وارمان جتنی ہی زیادہ ہوتے، اتنا ہی زیادہ مطالعہ اور بحث میں غرق ہو جاتی تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ اسلامی فکر و ثقافت کے

بارے میں علم ہو سکے۔اس سال کے گزرتے ہی انجلیس شمسہ کے پاس یہ گزارش لے کر آئی کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے وہ اس کے ساتھ تعاون کرے اور مرکز اسلامی مانچسٹر میں اس کے ساتھ جائے تا کہ وہاں کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف باسلام ہو اور سرکاری سند حاصل کرے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی تھی کہ انجلیس اور اس کی ساتھی شمسہ جس جمعہ کو مرکز اسلامی مانچسٹر پہنچیں، اسی جمعہ کو میں جدہ سے لندن ہوتے ہوئے وہاں پہنچا تھا۔کتنا خوشنما اور مبارک تھا وہ منظر جس کے لئے دو سال سے دو دوشیزائیں منصوبہ بندی کر رہی تھیں۔ ہر طرح کی جذباتی تعبیرات اور مبالغات سے ہٹ کر بذات خود یہ منظر بہت ہی خوبصورت، سعادت بخش اور بابرکت تھا۔خشوع وخضوع اور ہیبت ورعب سے پر تھا۔

محترم قارئین! آپ اپنے آپ کو اس پوزیشن میں رکھ کر سوچئے جہاں کہ خوشی کے آنسو بہہ رہے ہوں اور اللہ اکبر کی صداؤں میں مبارکباد دی جا رہی ہو تو اس دین کی عظمت کا یقین بڑھ جائے گا اور یقین ہوگا کہ روح پرور ایمانی گھونٹ کی تاثیر ہر زمانے اور ہر جگہ ہوا کرتی ہے۔اسلام کے بارے میں ہمیں اپنی کوتاہیوں کا احساس کرنا چاہئے جب کہ اسلام روح، جسم اور ساری کائنات کے لئے سلامتی اور رشد وآشتی کا پیامبر ہے۔اسی لئے ہر اچھی چیز کی دعوت دیتا ہے اور ہر برے کام سے روکتا ہے۔اس کی نشر واشاعت کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کو حکمت ودانائی اور اچھے اسلوب سے پھیلایا جائے نہ کہ تنگ نظری اور تعصب کی راہ اختیار کی جائے جو تشدد اور دہشت گردی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

اس کے بعد فضیلۃ الشیخ محمد سعید البادنجی امام وخطیب جامع مسجد ڈیوز بری مانچسٹر نے انجلیس کو کلمہ شہادت کی تلقین کی اور بتایا کہ اسلام تمام انبیاء ورسول اور آسمانی کتابوں کا احترام کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان لائیں جن کا ذکر قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں ہے۔ایک سورۃ کا تو نام ہی سورۂ انبیاء ہے، ایک سورۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں حضرت مریمؑ سے منسوب ہے اور ایک دوسری سورۃ حضرت مریمؑ اور ان کے اہل وعیال سے منسوب ہے جس کا نام سورۂ آل عمران ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تشریح فرمائی:

﴿آمن الرّسول بما انزل الیه من رّبّه والمومنون کل آمن بالله وملائکته وکتبه رسوله لا نفرق بین احد من رسله و قالوا سمعنا واطعنا﴾

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۲۸ تا ۳۳۰)

سیالکوٹ کی ایک نومسلم خاتون کی داستان

یہ چند سال کی بات ہے، گڈو (اب ثریا) درمیانہ قد، سانولے رنگ کی سیدھی سادھی، بھولی بھالی ایک عیسائی لڑکی تھی۔ اس کے طور اطوار، اٹھنا بیٹھنا اور کام کاج کرنا لڑکوں کی طرح تھا۔ سر پر بڑا سا پٹکا باندھ کر جانوروں کو چرایا کرتی تھی، اپنے والدین کے ساتھ زمینداروں کے ڈیروں میں کام کیا کرتی تھی، گوبر اٹھانے میں ان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ گاؤں کے ایک بڑے زمیندار محمد انور خان جو فوت ہو گئے ہیں، ان کے ڈیرہ پر چند مزارع بھی رہتے تھے۔ گڈو کے والدین نے ایک بھینس رکھی ہوتی تھی جسے یہ چارہ ڈالا کرتی تھی، اسی ڈیرے میں ایک بزرگ محمد دین بھی رہا کرتے تھے جن کی عمر ۶۰ سال کے قریب تھی۔ صحت کے لحاظ سے اچھے بھلے نظر آتے تھے۔ وہ بڑے نمازی تھے، اکثر صبح کی نماز کے بعد ڈیرہ پر اونچی آواز سے تلاوت کلام پاک کیا کرتے تھے، ان کی آواز گاؤں میں سنائی دیا کرتی تھی۔ اس کی دینداری کی وجہ سے گڈو نے چند سورتیں یاد کر لی تھیں اور نماز کا طریقہ بھی اس نے سیکھ لیا تھا۔ یہ رمضان کے اکثر روزے بھی رکھا کرتی تھی، اگر کوئی پوچھتا عیسائی ہو کر ہمارے روزے رکھتی ہے۔ جواب دیتی، میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ لوگ اسے مذاق سمجھتے۔

بزرگ محمد دین کے ساتھ اکثر یہ اٹھتی بیٹھتی تھی۔ جانور چرانے، چارہ کاٹنے، ہل چلانے میں اس کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ اس بات کے چرچے دیہات میں ہونے لگے۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے، ساتھ ساتھ اسلام کے ساتھ وابستگی بھی ظاہر ہونے لگی، بات چیت میں اس کا اظہار بھی کرنے لگی۔ اس کے والدین اور برادری کے دیگر افراد تک بات پہنچی تو گڈو کو ڈیرے پر جانے سے روک دیا، اس کی نگرانی کی جانے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ ایمان اور محبت چھپ نہیں سکتے، اسے جتنا چھپانے کی کوشش کی جائے یہ اتنا ہی ابھرتے ہیں۔ یہ رات کو چھپ چھپ

کرڈیرہ پر چلی جایا کرتی تھی۔ اس کے والدین اور بھائی کو پتہ چلا تو انہوں نے اس پرسختی شروع کر دی، اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ ایمان کی چنگاری مارکٹائی سے زیادہ سلگتی ہے۔ اسے گھر کے اندر بند کر دیا جاتا، مار مار کر تھک جاتے مگر وہ یہی جواب دیتی، میں ڈیرہ پر بھی جاؤں گی اور اسلام بھی قبول کروں گی۔

ایک رات یہ بھاگ کر کسی طرح چوہدری محمد دین کے گھر آ گئی۔ عیسائیوں کو پتہ چلا، محمد انور خان کو لے کر اسے لینے کے لئے آ گئے۔ چوہدری محمد دین کا بڑا لڑکا جو کئی بچوں کا باپ تھا، وہ اس ساز باز میں شریک تھا کہ اسے اپنے گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ اس میں وہ اپنی توہین بھی سمجھتا تھا کہ یہ لڑکی میرے والد کے ساتھ کیوں چلتی پھرتی ہے۔ رات کے ایک بجے وہ اسے زبردستی لے کر چلے گئے، وہ چیختی چلاتی رہی، میں مسلمان ہوں، مجھ پر ظلم نہ کرو، مسلمانو! تمہاری غیرت کو کیا ہو چکا ہے؟ تم مجھے چھڑاتے کیوں نہیں ہو؟ آدھی رات کا وقت تھا، اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے۔ وہ اسے زبردستی لے کر چلے گئے، رات بھر اس پر ظلم وستم کیا گیا، مار مار کر لہولہان کر دیا۔

ٹھٹھی کے لوگ کہتے تھے، دور دور تک اس کے رونے چلانے کی آوازیں آتی تھیں مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ انہوں نے اس کا یہ حل نکالا کہ اسے سرگودھا لے جا کر کسی عیسائی کے ساتھ زبردستی اس کا نکاح کر دیا۔ ان کا خیال تھا، اتنی دور سے یہ کیسے آ جائے گی، پھر انہوں نے کہا بھی تھا کہ اس کی نگرانی کرنا، یہ بھاگ نہ جائے۔ آخر کار ایک دن بھاگ کر پھر واپس اپنے گاؤں میں آ گئی، مسلمانوں کے کسی گھر میں چھپ کر رہنے لگی۔ عام مسلمان کھل کر اس کی حمایت اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ اس نے ابھی کلمہ علی الاعلان نہیں پڑھا تھا، دوسرا محمد انور خان سے بھی لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں پولیس کو کہہ کر کسی کو پکڑوا نہ دے کہ لڑکی کو انہوں نے اغواء کیا ہے۔ پولیس کب کسی غریب آدمی کی سنتی ہے۔

والدین اور عیسائی برادری نے سختی کے تمام حربے آزما لئے تو اب اس کی منت سماجت پر آ گئے کہ ہماری عزت کو پامال نہ کر، ہمارا جینا یہاں مشکل ہو جائے گا، ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں گے، ہمارے حال پر ترس کھا، تو جہاں چاہتی ہے ہم تمہاری شادی کر دیتے ہیں مگر اسلام قبول نہ کر۔ اس کی والدہ بیمار تھی، وہ اس کے پاؤں پکڑ پکڑ کر فریاد کرنے

لگی، مجھ پر رحم کر۔ اس صدمے سے میں مر جاؤں گی، اسلام قبول نہ کر۔ وہ بھائی جو اسے مارنے، دکھ دینے کے لئے سب سے آگے ہوتا تھا، وہ بھی اس کے پاؤں پڑ جاتا ہے، ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں برادری کے اندر نہیں رہ سکتا، اپنے ارادے سے باز آ جا مگر اس پر یہ حربہ کارگر نہ ہوا، وہ اپنے ارادے پر جمی رہی۔ اسی صدمہ سے اس کی والدہ بھی فوت ہو گئی۔ اسے بتایا گیا، تمہاری والدہ فوت ہو گئی ہے، اس کے جنازہ کے اندر شریک ہو۔ کہنے لگی، اب میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں لہٰذا اب میں اس گھر میں قدم بھی نہ رکھوں گی۔ اس کے والد اور بھائی نے اپنی بے عزتی خیال کرتے ہوئے گاؤں چھوڑ دیا، کراچی چلے گئے، آج تک واپس نہیں آئے شاید وہ فوت ہو چکے ہیں۔

اب اس نے علی الاعلان کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں۔ شہر جا کر اس نے کلمہ بھی پڑھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اعلان کیا کہ میں شادی کروں گی تو اس بزرگ کے ساتھ کروں گی جس نے مجھے اسلام کی راہ دکھائی۔ لوگ حیران تھے، اس نے یہ کیا فیصلہ کیا ہے؟ کہاں سترہ سال کی لڑکی کہاں ۶۰ سال کا بزرگ۔ ان کی عمروں میں اتنا فرق ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ اگر تو نے شادی کرنا ہے تو اپنے ہم عمر سے کر، یہ تو کیا کر رہی ہے۔ اس پر بڑی پھبتیاں کستے، طعن و تشنیع بھی کرتے مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئی۔ آخر اس نے کر دکھایا جس کا وہ اظہار کرتی تھی۔ رشتہ ازدواج میں یہ دونوں منسلک ہو گئے۔

اس کے اسلام قبول کرنے اور نکاح کرنے کی خبر قرب و جوار میں آناً فاناً پھیل گئی۔ قریب کے دیہاتوں کے عیسائیوں میں بھی بے چینی پھیل گئی، وہ بڑے مشتعل ہو گئے۔ ایسے میں دیہات کے وہ شر پسند چوہدری جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاڑ میں رہتے ہیں۔ انہوں نے بڑا زہریلا تعصب پھیلانا شروع کر دیا۔ ایک مہاجر نے عیسائی لڑکی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ عیسائیو! تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے، تم ان کا بائیکاٹ کر دو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کو ورغلا کر مہاجروں کے خلاف کر دیا، گاؤں کا سکون پارہ پارہ کر دیا۔ اگر یہ دونوں گاؤں میں رہیں تو ہماری غیرت کے خلاف ہے، ہم تمہارے کاموں کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ مجبوراً وہ دونوں گاؤں چھوڑ کر لاہور منتقل ہو گئے۔

آج کل لاہور کے اندر بڑی خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں

ایک بچہ بھی دیا ہے۔ مالی لحاظ سے بھی اب بڑے خوشحال ہو گئے، اپنا مکان بنوالیا ہے۔ اب بھی کبھار ملاقات کے لئے اپنے گاؤں بھی آتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، مسجد میں تعاون بھی کرتے ہیں، اپنے پوتوں کی امداد بھی کرتے ہیں۔ آج تک دوبارہ یہ لڑکی اپنا گھر دیکھنے کے لئے نہیں گئی۔ آج جب بھی وہ اسلام لانے کے وقت کو یاد کرتی ہے تو آنسو بہانا شروع کر دیتی ہے کہ کس طرح مجھ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، مجھے لالچ دیئے گئے مگر اسلام سے میں نہ ہٹی۔ آج بھی اسلام قبول کرنا اتنا آسان نہیں۔ یہ مضبوط ایمان، مستحکم ارادے، بلند خیالات، بلند ہمت کے بغیر ممکن نہیں۔ غیر مسلم لڑکیاں اگر آج بھی اسلام کی آغوش میں آنا چاہیں تو انہیں ابھی قرون اولیٰ کی مسلمان عورتوں کی یادتازہ کرنی پڑتی ہے، انہیں بھی آگ کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔

چوں گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۳۲)

قرآن پاک کا معجزہ دیکھ کر ہندو خاتون خاوند سمیت مسلمان ہو گئی

یہ اس زمانے کی بات ہے جب تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا تھا اور ہندوستان سے مسلمان اور پاکستان سے غیر مسلم نقل مکانی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ قصہ سندھ کے ایک قصبے کا ہے جہاں صرف میاں بیوی پر مشتمل ایک ہندو گھرانہ رہتا تھا، ان کے پڑوسی مسلمان تھے، دونوں خاندان آپس میں بڑے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔

فرقہ وارانہ فسادات کی شدت بڑھنے لگی تو ایک روز ہندو گھرانے کے سربراہ نند لعل نے اپنے مسلمان پڑوسی احمد سے کہا، بھائی! میرا ارادہ ہے کہ اب ہمیں ہندوستان چلے جانا چاہئے۔ اگرچہ دل تو نہیں چاہتا کہ اس جگہ کو چھوڑیں جہاں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے مگر اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، حالات بہت بگڑ گئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو ہمارا نقصان ہو جائے۔ احمد نے کہا، نند لعل کیسی باتیں کرتے ہو، ہمارے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر نند لعل کا دل خوف وہراس کی شدید لپیٹ میں آچکا تھا، وہ احمد کی باتوں سے مطمئن

نہ ہوا۔ اس نے گھر میں اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ ہم موقعہ ملتے ہی بھارت چلے جائیں گے، تم تیاری مکمل رکھنا۔

اس گفتگو کو کئی روز گزر گئے۔ ایک روز نند لعل کے برادر نسبتی کا خط آیا کہ ہم لوگ بھارت جا رہے ہیں، آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ اگر تیار ہوں تو اکٹھے چلیں گے۔ نند لعل کا برادر نسبتی خاصی دور رہتا تھا۔ نند لعل نے اس کا خط اپنے پڑوسی احمد کو بھی دکھایا، اس سے رائے طلب کی کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ احمد نے مشورہ دیا کہ تم لوگ گھر میں مکمل تیاری رکھو اور خود سالے کے پاس جا کر صلاح مشورہ کر آؤ۔ پھر جو پروگرام ہے، اس پر عمل کرو۔ نند لعل نے یہ تجویز پسند کی اور بیوی کو بالکل تیار رہنے کا حکم دے کر خود اپنے سالے سے ملنے چلا گیا۔ نند لعل کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ عمر اس کی پچیس چھبیس سال کی تھی مگر اولاد نہ ہونے اور صحت اچھی ہونے کی وجہ سے سولہ سترہ سال کی لگتی تھی۔ احمد ایک عرصے سے اس پر نگاہ رکھتا تھا مگر اس سے کوئی ایسی ویسی بات کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکا تھا، اب اسے ایک موقع مل گیا۔ نند لعل اپنے سالے سے ملنے چلا گیا اور اپنی بیوی کو تیار رہنے کے لئے کہہ گیا تو احمد نے فائدہ حاصل کرنے کا پروگرام بنالیا۔ اس نے ایک تانگہ لیا اور شام کو ہانپتا کانپتا نند لعل کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اندر سے نند لعل کی بیوی موہنی نے پوچھا، بھائی! کون ہو؟ کیا کام ہے؟ میں احمد ہوں بھائی۔ احمد نے جواب دیا۔ بھائی نند لعل آٹھ بجے والی گاڑی سے آرہے ہیں، ان کے ساتھ ہی آپ کے بھائی بھی ہیں۔ ان کا ارادہ سیدھے کھوکھرا پار جانے کا ہے، وہ یہاں نہیں رکیں گے۔ انہوں نے مجھے پیغام بھجوایا ہے کہ میں آپ کو ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دوں۔ آپ ضروری چیزیں، زیورات، نقدی اور کپڑے لے لیں اور تیار ہو کر فوراً باہر آجائیں۔

موہنی احمد کو ایک عرصے سے جانتی تھی، دونوں پڑوسی تھے اور ان کے باہمی تعلقات بھی بہت اچھے تھے۔ پھر بھارت جانے کی باتیں بھی روز ہی ہوتی تھیں۔ اس نے احمد کی باتوں کو سچ جانا اور ضروری تیاری کے بعد باہر آکر تانگے پر بیٹھ گئی۔ ریلوے اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا مگر تانگہ بہت دیر سے چل رہا تھا۔ اس سے موہنی کو کچھ شک گزرا۔ اس نے منہ سے پلو اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا تو راستہ ہی بدلا ہوا پایا۔ اس نے احمد سے پوچھا، بھائی! ہم کدھر جا رہے ہیں، یہ تو اسٹیشن کا راستہ نہیں ہے۔ گھبراؤ نہیں بھابھی! احمد نے عیاری سے جواب دیا، ہم نے جان

بوجھ کر جنگل کا راستہ اختیار کیا ہے تاکہ عام سڑک پر سے لوگ ہمیں دیکھ نہ سکیں اور کوئی آپ کو پریشان نہ کر سکے، ہم تھوڑی دیر میں اسٹیشن پر پہنچنے والے ہیں۔

موہنی یہ سن کر خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد تانگہ اچانک رک گیا۔ احمد نے ہولناک لہجے میں کہا، پیاری! اب اتر بھی آؤ، کب تک دل کو تڑپاتی رہو گی، تم نہیں جانتی اس وقت کا کتنے سالوں سے انتظار کر رہے ہیں۔ موہنی نے گھبرا کر دیکھا۔ چاروں طرف خوفناک جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ سارے معاملے کو سمجھ گئی اور لجاجت سے بولی، احمد! میں نے تمہیں بھائی اور تم نے مجھے بہن بنایا ہوا ہے، کچھ شرم کرو اور اس مقدس رشتے کی کچھ لاج رکھو۔

مگر احمد پر شیطان سوار تھا۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ موہنی کو کھینچ کر تانگے سے اتارا اور دست درازی شروع کر دی۔ موہنی نے اس کے چنگل کے بچنے کی بہت کوشش کی اور پورے عزم کے ساتھ اپنی عزت کو بچانے کی تگ و دو کرنے لگی۔ اس نے رحم طلب نگاہوں سے تانگے والے کی طرف دیکھا مگر اس کی نگاہوں میں بھی ہوس کے شعلے ناچ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر احمد سے درخواست کی، احمد! خدا کے واسطے مجھے برباد نہ کرو، میں کہیں کی نہیں رہوں گی۔ تمہیں تمہارے پیارے رسول کا واسطہ، میری عزت نہ لوٹو، میرے زیورات لے لو مگر مجھے چھوڑ دو۔ لیکن احمد ہوس کی مستی کا شکار تھا۔ اس نے موہنی کی درخواست پر کان نہ دھرے اور اسے وحشیانہ انداز میں اٹھا کر ایک ٹیلے کے پیچھے لے چلا۔ موہنی نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر احمد کے طاقتور بازوؤں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ آخری چارہ کار کے طور پر اس نے احمد کے کندھے میں اپنے دانت گاڑ دیئے، وہ بلبلا اٹھا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی موہنی ایک طرف کو بھاگ اٹھی۔

احمد نے تھوڑی دیر توقف کیا مگر پھر زخمی بھیڑیئے کی مانند نئے جوش کے ساتھ اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور جا کر اسے دوبارہ دبوچ لیا اور وحشیانہ انداز میں اس کے کپڑے پھاڑنے لگا۔ اب موہنی برہنہ ہو گئی تھی مگر عزت بچانے کا احساس اب تک اس میں زندہ تھا۔ اچانک اس نے اپنی گردن پر ہاتھ ڈالا اور ایک تعویذ نوچ کر احمد کے سامنے کر دیا۔ احمد! اس میں تمہاری پاک کتاب قرآن مجید کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں، یہ تمہارا قرآن ہے، اسی کے صدقے میں مجھے معاف کر دو، میری عزت نہ لوٹو، میری عصمت برباد نہ کرو۔ مگر احمد نے وہ

تعویذ موہنی کے ہاتھ سے چھین کر دور پھینک دیا، لپک کر موہنی کو پکڑا اور قریب تھا کہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی صورت دے ڈالے کہ اچانک اس کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کے جسم میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی اور موہنی کے جسم پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

موہنی آزاد تھی، اس نے حیرت اور اچنبھے کے ساتھ دیکھا کہ احمد کا بدن ایک طرف کو ڈھلک رہا ہے۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک لمبا سیاہ ناگ احمد کی ٹانگ سے لپٹا ہوا تھا اور اس کی پنڈلی سے خون بہہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں احمد تڑپ تڑپ کے ٹھنڈا ہو گیا۔ سانپ اپنا کام ختم کر کے جا چکا تھا۔

یہ منظر تانگے والے نے بھی دیکھا، وہ بھاگتا ہوا آیا اور تعویذ کو اٹھا کر چومنے لگا۔ پھر اس نے اپنی چادر موہنی کے جسم پر ڈال دی، اس سے رو رو کر معافی مانگی اور اسے تانگے میں بٹھا کر واپس شہر کی طرف چل دیا۔

راستے میں موہنی نے بتایا کہ سات سال سے میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ میری ایک مسلمان سہیلی نے یہ تعویذ لا کر دیا تھا اور اس نے بتایا کہ اس میں سورۃ یٰسین اور پانچ اور آیتیں چھپی ہوئی ہیں۔ موہنی عقیدت بھرے انداز میں کہہ رہی تھی کہ اسے قرآن پاک کی قوت کا اندازہ ہو گیا ہے، قرآن پاک عزتوں کا محافظ ہے، یہ اس وقت دستگیری کرتا ہے جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔

اتفاق سے آٹھ بجے والی ٹرین سے نندلعل واپس آ گیا، وہ بڑا پریشان تھا کہ موہنی کہاں گئی۔ اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ احمد اسے تانگے پر بٹھا کر کہیں لے گیا ہے مگر پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ اسی جستجو میں رات کے تین بج گئے حتیٰ کہ موہنی واپس گھر پہنچی اور اپنے خاوند کو ساری کہانی کہہ سنائی۔

دوسرے ہی دن نندلعل اور موہنی نے ہندوستان جانے کا خیال ترک کر دیا۔ انہوں نے قرآن پاک کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے اسلامی نام محمد علی اور عائشہ رکھے گے۔ اب ان کے چار بچے ہیں اور وہ بڑی ہی پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ (نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۴۰ تا ۳۴۳)

فرانس کی ایک نومسلم خاتون کی استقامت

فرانس کی نومسلم خاتون محترمہ اپنے خاندان کے قبول اسلام کی داستان سناتی ہوئی کہتی ہیں۔ اکثر ہم اپنی ماں کے ساتھ مل بیٹھتے، وہ ہمیں اسلام کے متعلق معلومات دیتی۔ اسلام کی محبت اور اسلام سے حاصل ہونے والی سعادت مندیوں کے سوا کوئی بات نہ تھی جس سے ہماری ماں کا دل معمور تھا۔

ایک دن ہمارا باپ گھر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہماری ماں ہم سے اسلام کے متعلق گفتگو کر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور قریب تھا کہ ہمارے سامنے ہی ہماری ماں کو قتل کر دیتا۔ پھر وہ اسلام کے متعلق نئی کتابوں کو تلاش کرنے لگا جن کو وہ ہمارے باپ سے چھپا کر خرید کے لائی تھی۔ کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر شدید غصے میں ان کو پھاڑنے لگا۔ ہم نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ بھی ہماری ماں سے اسلامی تعلیمات، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اخلاق کریمہ کے بارے میں کچھ سنے لیکن وہ زیادہ غصے میں آ گیا اور قسم اٹھا کر کہنے لگا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے گا، دوبارہ کبھی اس گھر میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ ہم اکثر اپنی ماں سے اسلام کے متعلق سنتے رہتے ہیں اور اپنی ماں کی باتوں سے متاثر ہو گئے ہیں۔

آخر ایک دن ہمارا باپ گھر سے نکل گیا۔ ہم نے اس کی واپسی کا بہت انتظار کیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ اب ہماری ماں مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئی اور میں نے اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ دن اور سال گزرتے گئے اور ان کے ساتھ ساتھ ہماری اسلامی ثقافت بھی گہری ہوتی گئی۔ ہم نے تہیہ کر لیا کہ پیرس میں مسلمانوں کے حالات کے متعلق ضرور واقفیت حاصل کریں گے۔ ہم پیرس میں پھیلی ہوئی اسلامی تنظیموں میں سے ایک کے پاس گئے اور کافی حد تک اسلام کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اسی طرح کئی بار ہم اسلامی تنظیم کے پاس گئے جس کے عملے نے اس فرانسیسی خاندان کو خوش آمدید کہا تھا کہ جس کا سربراہ روٹھ کر گھر سے چلا گیا اور ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

میں نے اپنی تعلیم جاری رکھی یہاں تک کہ میں یونیورسٹی کے آخری سال میں پہنچ گیا، اس وقت تک ہم اسلام سے خوب آشنا ہو چکے تھے۔ میں نے اپنی ماں سے عہد کیا کہ میں

اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ میں اپنے خاندان کو لے کر شیخ کے پاس گیا اور سارے خاندان نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ میرا اسلامی نام محمد عبداللہ، میری ماں کا نام فاطمہ، میرے بھائی کا نام احمد اور بہن کا نام خدیجہ رکھا گیا۔ اب ہم اپنے دین حنیف کے شعائر کو کسی خوف وخطر کے بغیر بجالانے لگے۔ پھر میں نے اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ ابھی تک میں یونیورسٹی کا طالب علم تھا، میرے اردگرد بہت سے دوست جمع ہو گئے جنہیں میں اسلام کے متعلق بتلاتا اور اسی کے ساتھ اپنے باپ کے بارے میں بھی بیان کرتا جو ہمیں بچپن میں زندگی کے رحم وکرم کے حوالے کر گیا تھا۔ یہی سرگرمیاں میری ماں، بہن اور بھائی کی تھیں۔ ہماری ماں ہمیں کہتی تھیں کہ ہمارا باپ ضرور واپس آئے گا اور انشاء اللہ مسلمان ہوگا، خواہ کتنے سال گزر جائیں اور کتنا عرصہ وہ غائب رہے۔

ہم اکثر اپنی نمازوں میں باپ کی واپسی کے لئے دُعا کرتے جو ناراض ہو کر چلا گیا تھا تاکہ واپس آکر اس خاندان کو دیکھے جس کو وہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اب میں ڈاکٹر بن چکا تھا، میری بہن اور بھائی بھی یونیورسٹی سے فارغ ہو چکے تھے اور ہم نے قرآن پاک کی زبان کو اختیار کر لیا تھا جس کو ہم نے اپنی تعلیم کے دوران پیرس کے اسلامی مرکز میں سیکھا تھا۔ ہماری ماں ہی اس خاندان کی سربراہ تھی جس کو یہ شرف حاصل ہوا۔

دن گزرتے گئے، ایک دن اچانک ہمارا باپ گھر میں داخل ہوا جس کا ہم کافی عرصہ سے انتظار کر رہے تھے۔ ہم نے انتہائی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے بالوں میں بڑھاپے کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو چکے تھے۔ ہماری گرمجوشی اور ہمارے ساتھ ملاقات سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اس نے ہماری ماں کا ہاتھ پکڑ کر معذرت کی اور ہم سے بھی معذرت کی۔ اب ہمارا باپ ہمارے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہم جی بھر کر دیکھ رہے تھے جو عرصہ دراز تک ہم سے غائب رہا تھا۔

ہماری ماں نے عربی زبان میں کہا کہ اب ہم تمہارے باپ کی واپسی پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر نماز پڑھیں گے۔ ہم نے فرطِ محبت سے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو وہ پرسکون انداز میں مسکرا دیا۔ اور اس نے ہمیں اس وقت ورطۂ حیرت میں ڈال دیا جب اس نے کہا کہ وہ عربی زبان جانتا ہے اور وہ بھی ہمارے ساتھ نماز شکر ادا کرے گا کیونکہ اس نے ہم

سب کو اسلام کی حالت میں دیکھا ہے۔اب سے وہ بھی مسلمان ہے اور اس کا نام عبید اللہ ہے۔

(نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۴۷)

مختلف حالات سے گزرنے والی نومسلم خاتون کی روداد

انگلینڈ پہنچ کر انگریزی زبان کے جس کورس میں داخلہ لیا، اس میں ایک پاکستانی نوجوان ایم آئی احمد بھی داخلہ لے چکے تھے۔ وہ کسی ٹریولنگ ایجنسی میں ملازم تھے اور مارلس سے شادی کے خواہاں۔ مارلس نے اپنے والدین سے اجازت چاہی۔ان کا خاندان مذہبی لحاظ سے پروٹسٹنٹ عیسائی تھا۔والد کا مطالعہ بہت وسیع تھا، انہوں نے بیٹی سے کہا کہ انہیں اس نوجوان کی ذات پر تو کوئی اعتراض نہیں لیکن جس ملک سے یہ تعلق رکھتے ہیں، وہ یورپ سے سوسال پیچھے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایئر ہوسٹس بن کر اس ملک کی زبوں حالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ۔اور اگر پاکستانی قوم کی خصوصیات جاننا چاہو تو یہ کتاب پڑھ لو۔ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے جرمنی زبان میں لکھی ہوئی ایک کتاب بیٹی کے ہاتھ میں تھما دی جس کے پہلے صفحے پر یہ درج تھا:

''اگر کوئی پاکستانی ادھار لیتا ہے تو پہلی بار وہ وقت پر رقم واپس کر دیتا ہے، دوسری بار لیتا ہے تو بھی قدرے تاخیر سے لوٹا دیتا ہے اور تیسری بار لیتا ہے تو غائب ہو جاتا ہے۔''

(بدقسمتی سے محترم خاتون کے ذہن سے پاکستان سے متعلق اس زہر آلود کتاب کا نام نکل چکا ہے)۔

مارلس نے احمد کے والد کو بھی خط لکھا کہ اگر ان کے بیٹے کی کہیں پہلے شادی ہو چکی ہے یا ان کا رشتہ وہ کہیں اور کرنے کے خواہش مند ہیں تو اسے مطلع فرما دیں کیونکہ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی جوان کے خاندان کے لئے باعث پریشانی ہو۔ مارلس کا یہ خط اس کی عظمت کی نشاندہی کرتا تھا لیکن جواب لکھنے والے کی تحریر بھی عظمت کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔

''میرا بیٹا شادی شدہ نہیں لیکن اگر کوئی غیر مسلم بچی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اس سے شادی کر لے تو ہم اپنی ہر خواہش قربان کر سکتے ہیں۔''

مارلس کا خیال تھا کہ خدا کو تو ہم عیسائی بھی مانتے ہیں اور مسلمان بھی۔ ہم عیسائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، مسلمان محمد (ﷺ) کو خدا تعالیٰ کا پیغمبر مانتے ہیں۔اس بات سے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، اس لئے کلمہ طیبہ پڑھ کر بظاہر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ساس نے دُعاؤں کے ساتھ پاکستان سے عروسی جوڑا بھیجا،فوزیہ نام تجویز کیا۔اب مارلس فوزیہ احمد کے نام سے اسلامی دنیا کی ایک رکن بن چکی تھی۔

فوزیہ احمد نے قرآن پاک کا جرمنی زبان میں ترجمے کا ایک نسخہ خریدا۔دوزخ سے متعلق تفصیل پڑھ کر اس کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا کہ نعوذ باللہ مسلمانوں کا خدا اتنا ظالم ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے گا۔وہ عیسائیت کی محبت میں یہ فراموش کر بیٹھیں کہ نیک اعمال کرنے والوں کو قرآن کریم ابدی جنت کی نوید بھی تو دیتا ہے۔

دراصل عیسائی دنیا نظریہ کفارہ کی قائل ہے جس کا مطلب ہے کہ گناہ کیے جاؤ، اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے (نعوذ باللہ) یسوع مسیح کو پھانسی دلوا کر عیسائیوں کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔انگلینڈ میں ان کی کوشش یہی ہوتی کہ شوہر کے عقائد کے مطابق حرام غذا سے بچا جائے لیکن جب وہ میکے جاتی تو ان کے والدین کہتے، اتنی عمر تم نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے، اب ایسی کون سی بات ہوگئی کہ تم اس سے پرہیز کرتی ہو۔وہ اسے انگریزی کا مشہور محاورہ یاد دلاتے کہ جب روم میں رہو تو وہی کچھ کرو جو رومن کرتے ہیں۔لہٰذا وہ والدین کے حکم پر حرام گوشت بھی کھالیتی اور کھانے کے دوران ہلکی سی شراب بھی پی لیتیں۔

پاکستان میں آمد

بالآخر وہ دن بھی آگیا کہ فوزیہ احمد کو لاہور آنا پڑا۔زندہ دلوں کے اس شہر کی گنجان آبادی میں پرانی طرز کے بغیر فلش سسٹم کے مکان میں جہاں سسرال کے کئی خاندان مقیم تھے۔اسلام قبول کرنے کے باعث وہ سب کی آنکھوں کا تارا بن گئی، سب نے دیدہ و دل فرش راہ کیا، عزت کی نگاہ سے دیکھا۔سسرال اور شوہر کی طرف سے کہیں آنے جانے میں پابندی نہ تھی۔ان کے نیم عریاں لباس پر بھی کسی نے اعتراض نہ کیا۔وہ شوہر کے ہمراہ فلم سٹوڈیو میں مناظر کی عکس بندی بھی دیکھنے جاتیں۔لیکن اس کے باوجود وہ ریڑھوں، تانگوں کی گزرگاہوں میں واقع قدیم طرز کے تنگ مکان میں، جہاں مشترکہ خاندانی نظام کی حکمرانی تھی اور زندگی کی جدید

آسائشیں مفقود تھیں، رہنے سے بالکل انکاری تھیں۔ انہوں نے دو تین دفعہ پاکستان سے خاموشی سے نکل جانے کی کوشش بھی کی لیکن ان کے شوہر کی بروقت مداخلت سے ان کی یہ کوشش کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ بہرحال انگلینڈ کی پرآسائش زندگی میں واپس جانے کی تڑپ روزانہ اصرار کا روپ دھار لیتی جسے وعدہ فردا پر ٹال دیا جاتا۔ اسی کشمکش میں زندگی کے دس سال گزر گئے۔ جب اصرار نے مہیب صورت اختیار کر لی تو ان کے شوہر کو مکان کا بندوبست کرنے کے لئے انگلینڈ جانا ہی پڑا۔

دراصل فوزیہ احمد دل سے مسلمان نہ تھیں۔ وہ اپنی والدہ کے انتقال پر سوئٹزرلینڈ گئیں، آخری رسومات چرچ میں ادا ہوئیں تو بار بار ان کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا کہ وہ مسلمان تو ہی نہیں، آخر مذہب کے معاملے میں ان کا کردار کیا ہے؟ وہ پادری کے پاس گئیں اور اسے اپنی ذہنی کیفیت سے آگاہ کیا۔ پادری نے انہیں بائبل میں درج گمشدہ بھیڑ کا قصہ سنایا کہ ایک بھیڑ گلے سے بھٹک گئی، بالآخر یہ بھٹکی ہوئی بھیڑ تلاش کے بعد مل گئی تو گلے میں شامل ہو گئی۔ نیز یہ بھی وضاحت کی گئی کہ جب کسی شخص کو بپتسمہ دیا جاتا ہے تو اس پر عیسائیت کی مہر ثبت ہو جاتی ہے، وہ کوئی بھی مذہب اختیار کرے، عیسائی ہی رہتا ہے۔ یہ سن کر ان کی تذبذب کی کیفیت ختم ہو گئی اور ان کے دل کو اطمینان ہو گیا کہ وہ ابھی تک عیسائیت ہی کی آغوش میں ہیں۔

قرآن پاک کی تاثیر

دوسری طرف عالم یہ تھا کہ وہ جب کبھی ریڈیو پر یا کسی مسجد سے قرآن پاک کی تلاوت سنتیں تو ان کا دل اثر لئے بغیر نہ رہتا۔ انہوں نے انگلینڈ میں قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ خریدا تھا، اسے کبھی کبھی پڑھ لیتیں۔ گھر میں ختم قرآن کی محفل منعقد ہوئی تو انہوں نے ایک پارے کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ کسی عزیزہ کی نظر پڑ گئی تو انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی عربی میں تلاوت کی جائے تو اس کا کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ سسرال والوں نے انہیں ایک مولوی صاحب سے کلام پاک پڑھانے کا فیصلہ کیا۔ کلام پاک تو ختم ہو گیا لیکن نہ تو انہیں حرکات واوقاف کا علم تھا، نہ الفاظ کی ادائیگی درست، نہ قلب ذوق وشوق سے آشنا ہوا۔

فوزیہ احمد کے ہمسایہ میں باجی جبین اختر رہائش پذیر ہیں، وہ ایک مخصوص شخصیت کی

مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب پیغمبر ﷺ اور اس کی آخری کتاب ہدایت کی محبت میں ہر دم سرشار رہتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ربّ العزت نے انہیں کلام پاک کی خدمت کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ سکول میں اپنے فرائض احسن طریق سے سرانجام دینے کے بعد پچھلے پہر وہ اپنے گھر پر بچیوں کو قرآن پاک ناظرہ کے ساتھ نہ صرف ترجمہ پڑھاتی ہیں بلکہ آیات قرآنی لکھواتی بھی ہیں۔ اس طرح ہر طالبہ قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا ایک قلمی نسخہ تیار کرنے کا شرف بھی حاصل کر لیتی ہے۔ ہفتے میں ایک دفعہ تحریری ٹیسٹ بھی لیتی ہیں، الفاظ کی تشریح کے لئے تختہ سیاہ کا استعمال کرتی ہیں۔ شفیق ایسی کہ جن بچیوں سے والدین بھی ناامید ہو چکتے ہیں، وہ ان کی شفقت سے کندن بن کر ادارے سے نکلتی ہیں۔

ان کے پاس فوزیہ احمد کے سسرالی رشتہ کی دو بچیاں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ فوزیہ احمد نے اپنی بیٹی جو کوئین میری کالج میں جماعت ہفتم کی طالبہ تھی، کو بھی ان بچیوں کے ہمراہ قرآن پاک پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔ لیکن وہ انتظام سے مطمئن نہ تھیں، بچی پر روزانہ ناراض ہوتیں کہ وہاں دو اڑھائی گھنٹے لگا آتی ہو، تم بھی قرآن پاک بغیر ترجمہ کے ویسے ہی پڑھو جس طرح یہاں کے دیگر مسلمان پڑھتے ہیں۔ اس طرح تو تمہاری سکول کی تعلیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ تمہیں عرب جا کر نہیں رہنا جو تم ترجمہ سیکھ رہی ہو۔

دراصل ابھی تک فوزیہ احمد کے مقدر کا ستارہ ظلمتوں کا شکار تھا۔ ان کے اپنے قول کے مطابق وہ منافق تھیں۔ ایک دن اس ستارے سے تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے اور فوزیہ احمد بغیر آستینوں کا عریاں لباس زیب تن کئے سراپا فریاد بنی باجی جبین اختر کے پاس پہنچ گئیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ میری بچی جو انگلش میڈیم سکول میں پڑھتی ہے کا وقت ضائع نہ کریں، اسے ناظرہ پڑھانے پر ہی اکتفا کریں۔ قرآن مجید فرقان حمید کی شیدائی خاتون کا جواب یہ تھا کہ:

> ''یہ مقدس ترین کتاب پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ میرے ادارے میں تو بغیر ترجمہ کے قرآن پاک پڑھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کا ترجمہ سیکھے بغیر اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ اگر آپ کو ناظرہ ہی پڑھانا ہے تو کسی اور سے پڑھا لیجئے۔''

باجی جبین اختر نے انہیں قائل کر ہی لیا۔ وہ نہ صرف بیٹی کو قرآن پاک باترجمہ پڑھانے کے لئے رَضامند ہو گئیں بلکہ خود بھی ان سے اسی انداز سے کلام پاک پڑھنے کو تیار ہو گئیں۔ ان کے لئے شام کا وقت مقرر ہوا۔ وہ نماز مغرب سے پہلے استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور بعد نماز عشاء واپس جاتیں۔ بیٹی کو کوئین میری کالج سے اٹھا کر گورنمنٹ گرلز ہائی سکول برانڈرتھ روڈ میں داخل کروا دیا۔ عزیز واقارب سٹپٹا اٹھے کہ اتنے اچھے سکول سے علیحدہ کر کے ایک معمولی سے سکول میں داخلہ دلا دیا ہے لیکن جو تلاطم فوزیہ احمد کی زندگی میں آنے والا تھا، اسے کون روک سکتا تھا۔ باجی جبین کی صورت میں انہیں ایک خلیق و شفیق استاد، مخلص دوست اور ہمدرد ہستی مل چکی تھی۔ انہیں محسوس ہوا کہ جو کچھ انہوں نے مولوی صاحب سے پڑھا تھا، وہ تو الفاظ کی ایسی ادائیگی تھی جو کچھ بھی نہ پڑھنے کے مترادف تھی۔

زندگی انقلاب آشنا

باپ، بیٹا اور روح القدس کی تثلیثی دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے توحید الٰہی اور پیامبر حق ﷺ سے محبت کے سفر کا آغاز ہوا تو فوزیہ احمد کی زندگی انقلاب آشنا ہو گئی۔ کیسا انقلاب؟ مسلسل دس سال تک قفس میں اسیر پرندے کی مانند پھڑ پھڑانے والی سراپا فریاد فوزیہ نے اپنے شوہر کو انگلینڈ میں لکھ بھیجا:

> ''واپس آ جاؤ اب مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں، میں اب پاکستان میں ہی رہوں گی۔''

اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے باجی جبین نے پڑھانے کا ایسا دل نشیں انداز اختیار کیا کہ کلمہ حق و صداقت کا پیغام شاگرد کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا لیکن پڑھائی کے دوران وہ ہر ہر آیت پر سوال کرتیں، بحث کرتیں، نکتے اٹھاتیں۔ باجی جبین اختر فرماتی ہیں:

> ''یہ اللہ تعالیٰ ہی تھا جو میری دستگیری فرماتا اور اس کے مشکل سوالوں کا جواب مجھے سمجھاتا، وہ میری تشریح اور وضاحت سے مطمئن ہو جاتیں۔''

ابتدا میں انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ جس دل میں یسوع کی محبت اتنے سالوں سے رچی بسی ہو، وہاں کسی اور کی محبت کیسے سما سکتی ہے؟ اس وقت وہ اس حقیقت سے

نا آشنا تھیں:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محترمہ باجی جبین اختر نے تو ان پر یہ واضح کیا کہ دو کشتیوں کا سوار کبھی منزل آشنا نہیں ہوتا۔ نیز ہادی اعظم ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہدایت ہی تو ہے جس نے حضرت مریمؑ کی کی عزت کو بحال کیا، انہیں کنواری ہونے کا اعزاز عطا کیا ورنہ عیسائی دنیا تو انہیں نعوذ باللہ یوسف نجار کے ساتھ منسوب کرتی ہے۔ اسلام ہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح مقام کا تعین کیا، ان کے پھانسی دیئے جانے کے واقعہ کی تردید کی حالانکہ عیسائی ایک طرف تو انہیں مصلوب (یعنی پھانسی پر چڑھائے گئے) قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف انجیل کا اعلان یہ ہے کہ:

''جو مصلوب ہوا وہ لعنتی ہے۔''

علاوہ ازیں کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ سے قبل آنے والے تمام پیغمبروں بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ محترمہ فوزیہ احمد کو یہ بھی شکوہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر وہ اپنے پیدائشی نام سے محروم ہوگئی ہیں۔ انہیں فوزیہ کا مطلب بتانے کے ساتھ یہ بھی وضاحت کی گئی کہ شاید قدرت نے یہ نام اس لئے تجویز کرایا ہو کہ دنیوی و اُخروی کامیابی ان کا مقدر ہو۔

باجی جبین نے انہیں پہلے تین پارے ناظرہ پڑھائے۔ پھر انہیں انجمن حمایت اسلام کا شائع کردہ قرآن قاعدہ پڑھایا جس سے حرکات و اوقاف اور مخارج سیکھنے میں مدد ملی۔ بعد ازاں ترجمہ سیکھنے اور قرآن پاک لکھنے کا آغاز ہوا۔ قرآن پاک کے اعجاز اور محترم استاد کی شفقت نے ایسا ذوق و شوق پیدا کیا کہ موسم سرما اور برسات کی طوفانی بارشوں کے دوران سڑک پر ایک ایک فٹ گہرے پانی کو بھی عبور کر کے محترمہ فوزیہ احمد اپنی روح کی تشنگی بجھانے پہنچ جاتیں، نہ خود ناغہ کرتی اور نہ بیٹی کو ناغہ کرنے دیتیں۔ تین سال کی قلیل مدت میں اس نومسلم خاتون نے قرآن پاک پڑھنے، اس کا ترجمہ سیکھنے اور اس مقدس کتاب کو اپنے قلم سے لکھنے کا شرف حاصل کرلیا اور ہم مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والے ان کے گردِ راہ کو بھی نہ پہنچ سکے۔

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

ان کی بڑی بیٹی اسی انداز سے قرآن عظیم کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کوئین میری کالج میں زیر تعلیم ہیں۔انہیں اپنے بچوں کو قرآن پاک حفظ کرانے کا بہت شوق ہے لہٰذا دوسری بیٹی کو جماعت پنجم سے اٹھالیا گیا۔قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد اس بچی نے عظیم کتاب ہدایت کی برکت سے چند ماہ کی تیاری کے بعد جماعت ہشتم کا پرائیویٹ طور پر امتحان دیا، اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور امسال جماعت دہم کے امتحان میں شریک ہوئی ہیں۔اس بچی نے کسی اور خاتون سے کلام پاک حفظ کیا ہے کیونکہ باجی جبین کو صبح کے وقت سرکاری فرائض بھی سرانجام دینا ہوتے ہیں، اس لئے وہ یہ ذمہ داری لینے سے قاصر تھیں۔

تیسری بیٹی کو ابتداء ہی میں مسجد میں حفظ کلام پاک کے لئے بھیج دیا گیا۔حامل خلق عظیم ﷺ کی مسجد میں کفار ومشرکین حاضر ہوتے، بسا اوقات یہ دشمنان دین بدتمیزی پر اتر آتے۔جانثاران رسالت ﷺ کا خون کھول اٹھتا لیکن پیکر صبر وتحمل کی شفقت سے وہ دشمنان حق شمع نبوت کے پروانے بن کر لوٹتے۔لیکن آج ہماری مسجدیں معصوم بچوں کے لئے عقوبت خانے بن کر رہ گئی ہیں۔بچوں کو کتاب ہدایت کے متوالے بنانے کی بجائے اس سے متنفر کیا جاتا ہے۔

یہ بچی ناشتے سے پہلے مسجد میں جاتی، ناشتہ وہاں ہی بھیجا جاتا، گیارہ بجے لوٹتی۔ظہر سے مغرب تک یہ اپنی تشنگی مٹانے اور قرآن حکیم حفظ کرنے کے لئے پھر مسجد میں قیام کرتی لیکن سبق یاد کرانے کے لئے مولوی صاحب اسے اور دیگر بچوں کو اتنی اذیت ناک سزائیں دیتے کہ الامان۔بچی کی آنکھیں انگلیوں سے اندر کی جانب دبائی جاتیں، سر کو دیوار کے ساتھ ٹکرایا جاتا، ہاتھوں کی انگلیوں کو الٹی طرف سے کلائیوں سے ملایا جاتا۔اس انتہائی وحشیانہ سلوک کا انجام یہ ہوا کہ سات پارے حفظ کرنے کے بعد بچی نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا جس کا ہماری بہن فوزیہ احمد کو بہت دکھ ہے۔بچی نے سکول میں داخلہ لے لیا ہے لیکن ماں کی آرزو زندہ ہے، وہ بیٹی سے حفظ کردہ پارے خود سنتی رہتی ہیں۔

محترمہ فوزیہ احمد کا ایک بیٹا میٹرک کر چکا ہے، دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اسے تیسرا بیٹا عطا کرے تو دونوں بیٹوں کو عالم دین بنائیں گی۔ غالباً ان کے پیش نظر یہ تھا کہ دونوں بھائی حصول تعلیم میں ایک دوسرے کے معاون بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات نے ان کی دُعا قبول فرماتے ہوئے انہیں ایک ذہین بیٹے سے نوازا ہے۔ دُعا ہے کہ ربّ العزت ان کی دُعا کے دوسرے حصے کو بھی قبول فرمائے اور ان کے دونوں بیٹے عمر اور عثمان اسلام کے افق پر درخشاں ستارے بن کر چمکیں اور ایسے عالم بنیں جو ہر قسم کے افتراق سے بالاتر اتحاد بین المسلمین کے علم بردار ہوں۔

محترمہ فوزیہ احمد جب سے باجی جبین اختر کے زیر تربیت آئی ہیں، نے کبھی نماز نہیں چھوڑی۔ ایک شادی کی تقریب میں وہ وضو کر رہی تھیں۔ مسلمان گھرانے میں جنم لینے والی ایک عزیزہ پکار اٹھیں، محترمہ! آپ کی عقل ٹھکانے ہے، کیا یہاں بھی نماز پڑھو گی؟ راولپنڈی سے لاہور سفر کے دوران انہوں نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کسی کو رفع حاجت کی ضرورت ہو تو آپ بس ٹھہرا لیتے ہیں، اب نماز کا وقت ہو گیا ہے، آپ بس کیوں نہیں ٹھہراتے؟ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک مسجد کے قریب بس کو کھڑا کیا اور پھر نہ صرف فوزیہ احمد خالق کائنات کے حضور سربسجود ہو گئیں بلکہ اور کئی لوگوں کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

اب یہ قابل احترام ہستی باپردہ لباس پر عربی طرز کی عبا پہنتی ہیں اور اکثر یہ سوال دہراتی ہیں کہ جن خواتین نے ان کی دیکھا دیکھی پردہ اتارا تھا، اب وہ ان کی تقلید میں پردہ کیوں نہیں اپناتیں؟

تبلیغ قرآن مجید فرقان حمید

نولکھا چرچ کے ارباب نے ایک دن اس محترم خاتون کو کسی میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی۔ پہلے تو انہوں نے شمولیت سے انکار کر دیا لیکن بعد میں سوچا کہ کیوں نہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر باطل کے اس اجتماع کو حق وصداقت کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے رات بھر جاگ کر قرآن عزیز کی ان آیات پر نشان لگائے جن میں حضرت مریم صدیقہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

نولکھا چرچ پہنچی تو انہیں گلبرگ کی ایک کوٹھی میں عیسائیوں کے ایک اجتماع میں لے جایا گیا۔ اسلام کی حقانیت پر پختہ یقین رکھنے والی یہ خاتون انتہائی احترام سے قرآن پاک کو ہاتھ میں تھامے ہوئے کھڑی ہوگئیں اور آیات قرآن کی تلاوت وترجمہ کا آغاز کیا۔ شرکاء مجلس نے شور مچایا کہ ہم یہاں قرآن پاک سننے کے لئے نہیں آئے، پرستار حق فوزیہ احمد اپنا فرض ادا کر چکی تھیں، کوئی سنے یا نہ سنے یہ اس کا مقدر ہے۔

مشنری فوزیہ احمد کو مرتد کرنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے فلم سازی سے وابستہ ان کے شوہر کو آزمانے کی کوشش کی۔ ایسے وسائل مہیا کرنے کی تحریص دی جس سے وہ فلمی دنیا کی معراج کو پہنچ جائیں۔ آخر تنگ آکر انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جس کے پیچھے یہاں آئے ہو، وہ سلیم الفطرت خاتون تو اسلام میں جذب ہو چکی ہے۔ اگر کر سکتے ہو تو مجھے (نعوذ باللہ) اپنے کیمپ میں لے جاؤ۔ یاد رہے کہ یہ جملہ محض ازراہ تفنن وطنز تھا۔

انگلینڈ واپس جانے کی خواہش فوزیہ احمد کے دل سے حرف غلط کی طرح مٹ چکی ہے بلکہ وہ اپنے بچوں کو مغرب کی مادر پدر آزاد فضا میں کسی صورت بھی نہیں بھیجنا چاہتیں۔ وہ اپنے سسرال کے مکان ہی میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے حصے کا واحد کمرہ دن کے وقت ڈرائینگ روم اور رات کے وقت بیڈروم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ قناعت پسند خاتون اپنے آٹھ بچوں کے ہمراہ اسی پر قانع ہے۔ انہوں نے کمال سلیقہ سے اپنے پورشن کو آرام دہ تو بنالیا ہے لیکن ان کی یہ شدید آرزو ہے کہ ان کے شوہر فلمی دنیا کو خیر باد کہہ کر کوئی ایسا کاروبار شروع کریں جس میں رزق حلال کی خیر وبرکت ہو اور وہ اپنا علیحدہ کشادہ مکان خرید سکیں اور بچوں کی اپنے حسب منشا تربیت کر سکیں۔ (نومسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں ۳۵۹ تا ۳۷۰)

ایک ہندو لڑکی کا اسلام قبول کرنا

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رقمطراز ہیں۔ ایک واقعہ مجھ سے ایک نومسلم نے اس وقت بیان کیا جب میں موضع گڑی پختہ ضلع مظفر نگر میں مدرسہ ارشاد العلوم کا مدرس اوّل تھا۔ اس موضع کے رئیس سرکار کی طرف سے مجسٹریٹ بھی تھے، ان کے یہاں دیہات کے مقدمات آیا کرتے تھے۔ یہ نومسلم بھی ایک مقدمہ کے سلسلے میں وہاں آیا تھا کیونکہ خان صاحب

کی عدالت میں اس نے مقدمہ دائر کیا تھا۔ میرے پاس سفارش کے لئے آیا کہ خان صاحب سے سفارش کر دوں، اس کو کسی نے کہہ دیا تھا کہ خان صاحب میری بات کو رد نہیں کرتے۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟ کہنے لگا، مجھے بخار ہو گیا اور اس نے اتنا طول پکڑا کہ مجھے دِق ہو گئی۔ میرا بڑا بھائی ڈاکٹر تھا اور اچھا ڈاکٹر تھا، بڑی محنت وشفقت سے علاج کر رہا تھا مگر میری حالت بگڑتی گئی یہاں تک کہ ایک دن اس نے میرے منہ پر کہہ دیا کہ اب علاج بیکار ہے اور تمہاری حالت خطرہ کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اب جو چاہو کھاؤ پیو، دوا یا پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں۔

وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا۔ اب بیوی میرے پاس آئی اور پوچھا، کیا حال ہے؟ میں نے رو کر کہا، حال کیا ہوتا بھائی صاحب کہہ گئے ہیں کہ میرے بچنے کی امید نہیں، اب دوا و پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں۔ بیوی نے کہا، اگر میں تم کو اچھا کر دوں تو جو میں کہوں گی، اس پر عمل کرو گے؟ میں نے کہا، جان سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں، اگر تو نے مجھے اچھا کر دیا تو جو کہے گی، وہی کروں گا۔ اس نے کہا، اب تم بے فکر رہو، میں تم کو اچھا کر دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے میرے پلنگ کے پاس کرسی ڈالی اور کچھ پڑھنا اور مجھ پر دم کرنا شروع کیا۔ پانی پر بھی دم کر کے مجھے پلاتی۔ اس لڑکی کا باپ آریہ تھا، اس نے اس کو وید بھی پڑھایا تھا اور کچھ انگریزی بھی۔ میں نے سمجھا کہ شاید یہ وید کو کوئی منتر پڑھتی ہے۔ ایک ہفتہ کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے گھر میں بے تکلف چلنے پھرنے لگا حالانکہ اب تک میں کروٹ بھی خود نہیں لے سکتا تھا، دوسرے ہفتہ گھر سے باہر بھی آنے لگا، تیسرے ہفتہ دکان پر بھی جانے لگا، چوتھے ہفتے میں بالکل تندرست ہو گیا۔ رنگ روپ بھی تندرستوں جیسا ہو گیا، کھانا پینا بھی حسب معمول ہو گیا۔

جب ایک مہینہ گزر گیا، بیوی نے کہا، اپنا وعدہ یاد ہے؟ میں نے کہا، ہاں یاد ہے، اب تو جو کہے گی، ویسا ہی کروں گا۔ بیوی نے کہا، میں مسلمان ہوں، تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے کہا، تو مسلمان کیسے ہو گئی، تیرا باپ تو بڑا پکا آریہ ہے اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ کہنے لگی، ہمارے پڑوس میں ایک ملاجی تھے مسلمانوں کی مسجد کے امام تھے اور بچوں کو بھی قرآن اور دینی کتابیں پڑھاتے تھے، گھر میں ملانی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ پڑوس کی وجہ سے میں اکثر ان کے یہاں جاتی تھی اور مذہبی بحث کرتی تھی۔ ایک دن ملانی نے کہا، بیٹی! تم نے وید تو پڑھا ہے۔

میں نے کہا، ہاں خوب پڑھا ہے۔ ملانی نے کہا، اب میری رائے یہ ہے کہ تم مجھ سے قرآن پاک کا ترجمہ بھی پڑھ لو۔ جب قرآن پاک پورا کرلوگی پھر بحث کرنا۔ میں نے ترجمہ قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ ملانی پہلے مجھے وضو کراتیں، پھر ترجمہ پڑھاتیں۔ ایک پارہ کا ترجمہ پڑھ کر میں نے کہا، یوں مزہ نہیں آتا، مجھے قرآن پاک بھی پڑھاؤ اور ترجمہ بھی۔ ملانی نے کہا، بہت اچھا۔ اردو پڑھنے والے کو قرآن پڑھنا مشکل نہیں۔ اب میں نے قرآن شریف مع ترجمہ کے پڑھنا شروع کیا اور سال بھر میں ختم کرلیا۔

جب قرآن پاک پورا ہو گیا تو ملانی نے پوچھا، ہاں بیٹی! اب کہو اسلام پر تم کو کیا اعتراض ہے؟ مجھے رونا آ گیا۔ میں نے کہا، ملانی جی! سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن کے برابر کیا اس کے پاسنگ بھی کوئی کتاب نہیں۔ وید کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اب تم مجھے مسلمان کرلو۔ ملانی نے مجھے غسل کرایا، پاک کپڑے دیئے اور نماز پڑھائی اور کہا، بیٹی! ابھی اسلام کو ظاہر نہ کرنا، تیرا باپ بڑا ظالم ہے، ہمیں پریشان کر دے گا، ابھی اپنے اسلام کو مخفی رکھو، موقع پر ظاہر کرنا جب خطرہ نہ رہے اور میرے گھر آ کر نمازیں پڑھتی رہو۔

چنانچہ سال بھر تک میں اسی طرح مخفی مسلمان رہی۔ جب تم سے شادی ہوئی تو میں نے ملانی سے کہا، میرا قرآن میرے ڈولے میں رکھ دینا۔ ملانی نے میری ماں سے کہا کہ اس لڑکی کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا، ہم اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ میں چاہتی ہوں رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میں بھی اس کو دے دوں۔ میری ماں نے کہا، یہ آپ کی محبت ہے، مجھے اس سے انکار نہیں۔ چنانچہ ملانی نے رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میرے واسطے بنائے اور ان کے بیچ میں قرآن شریف رکھ کر ڈولے میں رکھ دیئے۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا بکس کھولا اور قرآن مجھے دکھلایا اور کہا، میں نے اس قرآن کی سورۂ الم نشرح پڑھ کر تم کو جھاڑا ہے، اسی کو پانی پر دم کر کے پلایا ہے۔ میں نے کہا، اگر میں قرآن پاک سے اچھا ہوا ہوں تو مجھے اسلام لانے میں کوئی عذر نہیں۔ بیوی نے مجھے غسل کرایا، پاک کپڑے پہنائے اور کلمہ طیبہ...... لا إلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... پڑھا کر مجھے مسلمان کیا اور نماز بھی سکھلائی۔ میں نے کہا، ابھی اس بات کو مخفی رکھو، موقعہ پر اعلان کریں گے۔ اس وقت تک میں اپنے باپ کی دکان پر کام کرتا تھا اور وہ مجھے معقول تنخواہ دیتا تھا۔ میں نے روپیہ جمع کر

کے اپنی دکان علیحدہ کھول لی۔ باپ نے بھی اس میں میری امداد کی۔ جب میری دکان خوب چل گئی تو میں نے اپنے اسلام کا اور بیوی کے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر میرے باپ کو اور بیوی کے باپ کو بڑا غصہ آیا۔ میرے باپ نے اپنی جائیداد سے مجھے محروم کر دیا مگر میری ماں نے اپنی جائیداد میرے نام کر دی۔ ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ میری ماں کی جائیداد بھی مجھے نہ ملے۔ اس کا مقدمہ آپ کے خان صاحب کی عدالت میں، میں نے دائر کیا ہے، آپ سفارش کر دیں۔ چنانچہ میں نے سفارش کر دی اور خان صاحب نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

نومسلم نے کہا، میری بیوی کے باپ نے اپنے بیٹے کو میری بیوی کے پاس بھیجا کہ اس کو سمجھاؤ۔ وہ وید بھی پڑھا ہوا تھا اور انگریزی بھی۔ وہ ہمارے گھر آیا اور اپنی بہن کو سمجھانے لگا کہ اسلام میں کیا خوبی ہے، مسلمان تو گئو ہتیا کرتے ہیں۔ میری بیوی نے کہا، بھائی صاحب آپ تو وید پڑھے ہوئے ہیں، کیا اس میں آپ نے نہیں پڑھا کہ ایک راجہ کے زمانہ میں بڑی وبا پھیلی تو پنڈتوں نے کہا، سو گائیں ذبح کر کے جنگل میں ڈال دو کہ درندے پرندے ان کا گوشت کھائیں تو وبا دور ہو جائے گی۔ راجہ نے ایسا ہی کیا تو وبا دور ہو گئی۔ تو جس گئو کا گوشت درندوں پرندوں کے کھانے سے وبا دور ہوتی ہے، اگر خود انسان کھائے تو کیا ہو گا؟

اس پر وہ لا جواب ہوا تو دوسرا سوال کیا کہ مسلمانوں کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ کنوئیں میں چوہا مر جائے تو بیس تیس ڈول نکال دو، مرغی مر جائے تو چالیس پچاس ڈول نکال دو، بلی مر جائے تو ستر اسی ڈول نکال دو۔ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔ اگر کنواں ان چیزوں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو بیس تیس چالیس پچاس ڈول نکالنے سے کیا ہو گا، سارا پانی نکالنا چاہیے۔ بیوی نے کہا، آپ تو ڈاکٹر ہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس آدمی کا خون خراب ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر حکیم فصد کے ذریعے سے تھوڑا سا خون نکال لیتے ہیں جس سے سارا خون اچھا ہو جاتا ہے، سارا خون کوئی نہیں نکالتا۔ اسی طرح بعض جانوروں کے مرنے سے پانی خراب ہوتا ہے مگر سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی، تھوڑا سا نکالنا سارے پانی کو اچھا کر دیتا ہے۔

اس پر بھی وہ لا جواب ہوا تو میری بیوی نے کہا، آپ نے وید میں پڑھا ہو گا کہ بیکنٹھ (جنت) کے دروازہ پر ایک کلمہ لکھا ہوا ہے، جب تک آدمی وہ کلمہ نہ پڑھے، بیکنٹھ میں نہیں جا

سکتا۔ پنڈت ہر ایک کو نہیں بتلاتے کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ مگر میرے استاد نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ کلمہ وہی ہے جس کو ''اَن کہنی'' کہا جاتا ہے۔ جب کسی ہندو کی جان کئی دن تک نہیں نکلتی تو اس سے کہا جاتا ہے، ''اَن کہنی'' کہہ دے، وہ...... لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... کہتا ہے تو جان آسانی سے نکل جاتی ہے۔ اس پر میری بیوی کا بھائی خاموش ہو کر چلا گیا اور باپ سے کہہ دیا کہ اس کے ہندو بننے کی کوئی امید نہیں، وہ خوب سمجھ بوجھ کر مسلمان ہوئی ہے۔

اس پر مجھے حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہٗ بانی دار العلوم کی بات یاد آ گئی جو حضرت حکیم الامت سے سنی تھی کہ مولانا کے پڑوس میں ایک ہندو بنیا رہتا تھا، اس کی دکان سے مولانا کے یہاں سودا بھی آتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا تو مولانا نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے۔ مولانا نے پوچھا، لالہ جی! تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تم تو ہندو تھے، ساری عمر بت پوجا کرتے، سود بٹہ لیا کرتے تھے، جنت تو مسلمان کے لئے ہے۔ کہا، مولوی جی! آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہو گئی۔ جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا، ''اَن کہنی'' کہہ لے، جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے میرے سامنے نہیں آئے تھے۔ میں نے دل سے کلمہ پڑھ لیا، وہ قبول ہو گیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

(قرآن مجید کے حیرت انگیز واقعات ۱۷۶)

......☆......☆......
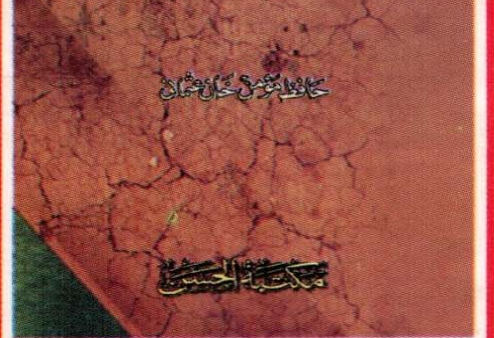
مکتبۃ الحسن
33 - حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور
042-37241355, 0300-4339699